Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈاکٹر شمیم نکہت

504

उर्दू संग्रह

पुस्तक का नाम प्रेम चन्द के नाविलो मे नसवानी करदार

लेखक शमीम निकहत

प्रकाशन वर्ष 1975

आगत संख्या 5.0.4

کے

ناولوں میں نسوانی کردار

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

गुरुकुल कांगड़ी विश्वविद्यालय
कृपया पुस्तक के ऊपर कोई निशान आदि
न लगायें।

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

पुस्तकालय
गुरुकुल कांगड़ी विश्वविद्यालय हरिद्वार
वर्ग संख्या ------ आगत सं० ------

पुस्तक - वितरण की तिथि नीचे अंकित है। इस तिथि सहित 30वें दिन तक यह पुस्तक पुस्तकालय में वापिस आ जानी चाहिए। अन्यथा 50 पैसे के हिसाब से विलम्ब - दण्ड लगेगा।

504.U

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پریم چند

کے

ناولوں میں نسوانی کردار

Forwarded with C...
Department of Cu...
504,U

ڈاکٹر شمیم نکہت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار

اس مقالے پر لکھنؤ یونیورسٹی نے ۱۹۶۳ء میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری دی

مقالہ لکھنؤ یونیورسٹی کی اجازت سے شائع کیا گیا

یہ کتاب
یوپی اردو اکیڈمی لکھنؤ کی مالی اعانت
سے شائع کی گئی

طبع اوّل ــــــــــ چھ سو
اشاعت ــــــــــ جنوری ۱۹۷۵ء
طباعت ــــــــــ جمال پریس دہلی
قیمت ــــــــــ اٹھارہ روپے،
اشاعت ــــــــــ بہ اشتراک یوپی اردو اکیڈمی، قیصر باغ، لکھنؤ
گرد پوش ــــــــــ مشہور آرٹسٹ و شاعر انوار انجم
کتابت ــــــــــ بشیر الدین دہلی

© ڈاکٹر شمیم نکہت

تقسیم کار
نصرت پبلشرز، وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عنوانات

پیش لفظ	ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی	۸
دیباچہ		۱۰
پہلا باب	ہندوستانی سماج میں عورت	۱۱
دوسرا باب	پریم چند کے ناولوں میں کردار نگاری	۷۹
تیسرا باب	مشترکہ خاندان اور بیوہ کے مسائل	۱۳۹
چوتھا باب	طوائف اور گری ہوئی عورتیں	۱۶۹
پانچواں باب	عورت سماجی کارکن کی حیثیت سے	۱۹۷
چھٹا باب	عورت کے عام مسائل اور کردار	۲۲۳
ساتواں باب	خلاصہ اور نتائج	۲۷۱
کتابیات		

Forwarded with Complements by the
Department of Culture, Govt. of India

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عکس

ڈاکٹر شمیم نکہت لکھنؤ کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئیں۔ والد محترم الحاج محمد وسیم مرحوم فارسٹ کنٹر یکٹر تھے۔ کرامت حسین گرلس کالج لکھنؤ سے بی۔ اے کرنے کے بعد لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۶۳ء سے شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں لکچرر ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر شارب ردولوی سے شادی ہوئی اور ۱۹۶۹ء میں کویت، عراق، شام، لبنان اور مصر کا سفر کیا۔
۱۹۵۷ء سے افسانے لکھنے شروع کیے پہلا افسانہ 'سہاگن' شائع ہوا۔ دوسرے افسانے 'مٹر پلاؤ' کو بہت مقبولیت ہوئی اور ہندی میں ترجمہ کیا گیا۔ اب تک تقریباً چالیس افسانے ہندستان و پاکستان کے ادبی رسائل میں شائع اور آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو چکے ہیں۔ افسانوں کا ایک انتخاب 'رشتے اور فاصلے' کے نام سے زیر طبع ہے اور 'شکستہ آئینے' کے نام سے ایک ناول زیر تکمیل ہے۔

نصرت پبلشرز لکھنؤ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اپنے پیارے بھائی ابراہیم

کے نام

جس کی زندگی اور خوشی کے لئے میری ہر سانس

دُعا بن کر نکلتی ہے

شمیم نکہت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیش لفظ

پریم چند، اردو ادب کی بڑی ممتاز ہستیوں میں سے ہیں۔ ان کی تحریر کے دریچوں سے انسان دوستی اور سماجی خیر کا جذبہ صاف جھلکتا ہے۔ ہماری آزادی کی تحریک میں جو حرکت وعمل پر یقین اور اصلاحی و اخلاقی رنگ تھا وہ ادب میں کسی جگہ اس درجہ نمایاں نہیں ہے جتنا پریم چند کے افسانے اور ناولوں میں ــــ کہیں کہیں یہ مقصدیت اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ اس نے فن کے ترازو کو سبک اور ان کی تخلیق کو مرطوب بنا دیا ہے۔ وہ ہر اچھے کام کا نتیجہ اچھا اور ہر برے کام کا نتیجہ برا ظاہر کرتے ہیں جو لازمی نہیں ہے کہ اس پُر پیچ اور تہ در تہ زندگی کی نیرنگیوں میں اسی طرح ہو۔ وہ ایسے زاہد ہیں جو سود و زیاں کے طلسم میں گرفتار اور نقیبِ خرد کو نویدِ جنوں دینے سے عاجز ہیں۔ تاہم ان کی تخلیقات کی تاریخی اور تہذیبی اہمیت ہے اور وہ ہمارے ادب کا لائقِ ذکر سرمایہ ہیں۔

پریم چند کے عقائد و نظریات ان کی تمام تحریروں میں نظر آتے ہیں جن میں عینیت، تہذیبِ نفس، ازلی نیکی، اور صراط مستقیم کو خاص جگہ حاصل ہے اور یہ سب قدریں ان کی نیز ان میں مستقل بالذات ہیں۔ ان کے افسانے اور ناولوں کے نسوانی کردار بھی سیدھی لیک پر چلتے ہیں۔ ان کو اِدھر اُدھر دیکھنے کی نہ اجازت ہے، نہ ہمّت۔ ورنہ یہ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ وہ الف لیلہ کی کہانی کی طرح پتھر کے ہو جائیں گے یہ مجبوری پریم چند کی اپنی مجبوری ہے لیکن جہاں کہیں انہوں نے ان مجبوریوں میں آزادی حاصل کر لی ہے۔ وہاں اردو میں کردار نگاری کی ایک نئی مثال قائم ہو گئی ہے۔ سمن۔ شانتا۔ دھنیا اردو کے بڑے اچھے کردار ہیں اور ان کے ذریعہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نذیر احمد کی مقصدیت ایک نئی معنویت سے ہمکنار ہو گئی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پریم چند کے نسوانی کرداروں پر کوئی علیحدہ کتاب نہیں تھی۔ ڈاکٹر مسز شمیم نکہت نے اس کمی کو بخوبی پورا کیا ہے۔ اس خدمت کو ایک خاتون ہی انجام دے سکتی تھیں۔ اکثر جگہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ نقاد اور مصنف کے دل کی دھڑکنیں باہم مل گئی ہیں۔ انہوں نے پریم چند کی نسوانی تصویروں کو اصلاحی تحریک کے ایک بڑے چوکھٹے میں سجایا ہے اور ان کے پیچھے جو سیوا اور تیاگ کا جذبہ ہے اس کی تصویر کشی کی ہے۔ پریم چند کے یہاں عفت وعصمت ایثار وقربانی، اور مہر ووفا پر زور ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ مرد کی مشکلات ماں کی دردمندی ہی سے رفع ہو سکتی ہیں۔ اس کی مشکلات کا حل عورت اور مرد کی مساوات میں نہیں بلکہ اس زندگی میں ہے جو عورت اپنے آپ کو مٹا کر اور شوہر کی روح میں جذب ہو کر حاصل کرتی ہے۔ قالب مرد کا ہوتا ہے اور جان عورت کی۔ شمیم نکہت نے اس نقطہ نظر کی وضاحت بڑی ہمدردی اور خلوص کے ساتھ کی ہے جو پریم چند شناسی کیلئے ضروری ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ ڈاکٹر شمیم نکہت کے اس مقالہ کی اشاعت کا سروسامان ہو سکا جس سے پریم چند کے اخلاقی اور سماجی زاویوں کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

خواجہ احمد فاروقی

شعبۂ اردو
دہلی یونیورسٹی دہلی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیباچہ

اردو کے افسانوی ادب میں پریم چند کی حیثیت ایک سنگ میل کی ہے۔ جس نے اردو ناول کو رومانی اور ماورائی فضا سے نکال کر زندگی اور حقیقت سے آشنا کیا۔ ان کے افسانوں اور ناولوں میں عام انسان کی زندگی کے مسائل اور گاؤں کی مٹی کی جو بھینی بھینی خوشبو ہے وہ ان سے پہلے کہیں اور نہیں ملتی۔ وہ اردو کے پہلے ادیب ہیں جس نے خصوصیت کے ساتھ عورت اور اس کے مسائل کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ اور اس کے دکھوں کا درماں تلاش کرنے کی کوشش کی۔ عورت جو اس وقت تک ایک حقیر بے سہارا اور سماج کے مظالم کا شکار مخلوق تھی۔ پریم چند نے اس کی اصلاح اور سماج میں اسے باعزت جگہ دلانے کی جدوجہد کی۔ ان کے ناولوں میں وہ پہلی بار زندگی عزت اور مساوات کے لیے برسرِ پیکار نظر آتی ہے۔

پریم چند پر اب تک اردو میں جو کچھ بھی کام ہوا ہے۔ وہ ان کے مرتبے کے اعتبار سے بہت کم ہے۔ اور اس کی ضرورت ہے کہ پریم چند شناسی کے نئے گوشے تلاش کئے جائیں۔ اسی خیال سے میں نے پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے "پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار" کا موضوع منتخب کیا۔ جس پر اس سے پہلے کسی قسم کا کام نہیں ہوا تھا۔ اس نقطہ نظر سے یہ مطالعہ دلچسپی اور اہمیت سے خالی نہیں ہوگا۔

اس مقالے کی ترتیب میں اردو، ہندی اور انگریزی کے بہت سے مصنفین اور ناقدین کی کتابیں میرے پیش نظر رہی ہیں۔ ہندی میں پریم چند پر سب سے زیادہ کام ہوا ہے۔ اس لیے میں نے ہندی کے ادیبوں اور ناقدوں سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مقالے کے پہلے باب میں میں نے مختلف عہد اور سماج میں عورت کی حیثیت کا جائزہ لیا ہے۔ یہ باب مختصر کر دینے کے باوجود اب بھی کافی طویل ہے۔ اسے اور مختصر کیا جا سکتا تھا۔ لیکن چونکہ عورت کی سماجی حیثیت اور آزادئ نسواں کی تحریک کے بارے میں اردو میں کوئی مواد نہیں ملتا۔ اس لیے میں نے اس باب کو بہت مختصر کرنے کی کوشش نہیں کی میں نے حتی الامکان تکرار سے بچنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن مختلف ابواب میں بار بار انہیں ناولوں اور کرداروں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے ذکر کی وجہ سے ممکن ہے کہ کہیں تکرار محسوس ہو لیکن مسائل کو واضح کرنے کیلئے ایسا کرنا ناگزیر تھا۔

یہ مقالہ میں نے ۱۹۶۲ء میں مکمل کر لیا تھا۔ لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے اس کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ اس تاخیر میں بڑا ہاتھ میری گھریلو مصروفیتوں کا ہے۔ جسکا اندازہ صرف وہی عورتیں کر سکتی ہیں جو گھر کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ملازمت کا بوجھ بھی اٹھائے ہوئے ہیں۔

اس مقالہ کی اشاعت کے سلسلے میں اگر میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر عبدالاحد خاں خلیل اور ڈاکٹر قمر رئیس کا شکریہ نہ ادا کروں تو ناانصافی ہوگی، جن کی اعانت اور مشوروں کے بغیر اس کی اشاعت ناممکن تھی۔ محمد حسن صاحب، قمر رئیس صاحب اور خلیل صاحب نے اس پر نظر ثانی کے وقت اپنے مفید اور بیش قیمت مشوروں سے مجھے استفادہ کرنے کا موقع دیا۔ جس کے لیے میں ان کی ممنون ہوں۔ میں اپنے کرم فرما صباح الدین عمر صاحب کی بھی شکر گزار ہوں جنکی وجہ سے اسکی اشاعت ممکن ہو سکی۔ میری عزیز شاگرد رقیہ ناز نے اس کی پروف ریڈنگ میں میری مدد کی جسکے لیے میں انکی ممنون ہوں۔

شارب کی ذات صرف میری زندگی کی ہی تکمیل نہیں بلکہ میرے لیے ایک ایسی شمع بھی ہے جس کی روشنی سے میری ادبی زندگی کو جلا ملی ہے۔ میں اس مقالہ کو کبھی کتاب کی شکل نہ دے سکتی اگر ان کی بے پناہ محبّت، تعاون اور ہمّت افزائی میرے ساتھ نہ ہوتی۔

ایم۔ اے کے رزلٹ کے بعد مبارکباد کی سب سے پہلی جو آواز میرے کان میں آئی تھی وہ میرے بھائی ابراہیم کی تھی۔

میری ادبی زندگی کے ہر بڑھتے ہوتے قدم پر ابراہیم نے مسرت اور خوشی کا ایسا بے پناہ اظہار کیا جیسے یہ ساری کامیابی خود ان کی اپنی کامیابی ہو۔ ان کے لئے میرے پاس دعائیں ہیں بے حد دعائیں ——————

زندگی کے کسی موڑ اور خوشی کے کسی موقع پر میں ابّا کے بے پناہ پیار، پر مسرت مسکراہٹ اور ہمت افزائیوں کو فراموش نہیں کر سکتی۔ ایسے ہر موقع پر ان کی کمی کا احساس کچھ زیادہ شدید ہو جاتا ہے۔ انہوں نے خاندانی روایتوں کو توڑ کر پہلی بار مجھے یونیورسٹی جانے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی اجازت دی۔ کاش آج وہ اس کتاب کو دیکھ سکتے۔ میں آج جہاں تک بھی پہنچ سکی ہوں وہ انہیں کی محبت اور اقبال کا صدقہ ہے۔ اور ان کی یاد میری زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

دھلی

۳ر جنوری ۱۹۷۵ء　　شمیم نکہت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پہلا باب

ہندوستانی سماج میں عورت

- سماج کیا ہے
- دُنیا کی مختلف سوسائیٹوں میں عورت کا درجہ
- قدیم ہندوستان میں عورت
- عورت مذہبی نقطۂ نظر سے
- عورت کی پستی کے سیاسی، سماجی اور معاشی اسباب
- مختلف طبقات میں عورت کے مسائل
- آزادیٔ نسواں، کی جدوجہد اور ہندوستان کی تحریک آزادی میں عورت کا حصّہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سماج کی تشکیل انسانوں کے اجتماعی عمل سے ہوئی ہے اور اس اجتماعی عمل میں عورت اور مرد دونوں شریک رہے ہیں۔ تمدنی اور تہذیبی ارتقا کے مختلف ادوار میں ان کے باہمی عمل کا تناسب بدلتا رہا ہے۔ کسی جگہ اور کسی دور میں مرد کے اقتدار نے عورت کی حیثیت بالکل صفر کردی ہے اور اُسے بھیڑ بکریوں سے بھی زیادہ ارزاں بنا دیا ہے، کسی دوسرے عہد اور خطّے میں عورت نے سماج کی تشکیل پر قبضہ کرلیا ہے اور مرد کی حیثیت تقریباً غلام اور مزدور کی رہ گئی ہے۔ لیکن تخلیقی عمل کی اصل حقیقت دونوں کے تعاون ہی سے ظاہر ہوتی ہے، اس لئے تہذیب کے ابتدائی دور سے اس وقت تک کسی نہ کسی انداز میں یہ خیال ظاہر کیا جاتا رہا ہے کہ سماج کی گاڑی کے دو پہیے مرد اور عورت ہیں اور دونوں کے بغیر ارتقا کا عمل پورا نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ عمل اس طرح پورا ہو سکتا ہے کہ عورت یا مرد کی سماجی حیثیت پوری طرح متعین نہ ہو؟ اس توازن کی جستجو برابر ہوتی رہی ہے، کبھی خاندان میں عورت کے مقام کا تعین کر کے، کبھی دونوں کی برابری کا نعرہ لگا کر، کبھی جسمانی اور ذہنی برتری یا کمتری کی بنیاد پر اور کبھی قومی زندگی کی تعمیر میں مردوں اور عورتوں کے کاموں کے تناسب کو پیش نظر رکھ کر۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے کوئی ریاضیاتی حل پیش کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے تاہم تاریخ تہذیب کے مطالعہ سے ایک بات ضرور واضح ہو جاتی ہے، کہ سماج میں اکثر و بیشتر عورت کی حیثیت مظلوم کی رہی ہے جو ہر جگہ انصاف اور حق کا مطالبہ کرتی رہتی ہے۔ اگر اس جد و جہد کی تاریخ پر مختصراً نظر ڈالی جائے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تو موجودہ دور میں اُس کے مسائل کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

آج ساری دنیا میں عورت کی آزادی اور مساوات کا چرچا ہے۔ اور یہ سمجھا جارہا ہے کہ بیسویں صدی نے عورتوں کو غلامی، جہالت اور تاریکی سے نجات دلائی۔ اس میں شک نہیں کہ آج عورت کو قریب قریب ساری دُنیا میں مرد کے برابر حقوق حاصل ہیں۔ لیکن اگر تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور قدیم تہذیبی علمی و ادبی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے تو اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرح کے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد ازمنۂ قدیم سے جاری ہے اور مختلف ادوار اور مختلف ممالک میں ان کے بعض پہلوؤں پر کامیابی سے عمل کیا جا چکا ہے مثلاً آج سے ہزاروں سال پیشتر یہ حقوق عورت کو یونان میں حاصل ہو چکے تھے۔ افلاطون کی "ریاست" اس کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ اس نے اُس وقت عورتوں کے حقوق کو مانا جب کہ دنیا کے قدیم ممالک حقوق کے صحیح مفہوم سے بھی نہیں واقف تھے۔

یونان کی تہذیب شائد دنیا کی سب سے قدیم تہذیب کہی جا سکتی ہے جس وقت دنیا میں فلسفہ علم و ادب کے نام سے (ہندوستان کو چھوڑ کر) کوئی واقف نہیں تھا۔ یونان میں یہ چیزیں اپنے معراج کمال کو پہنچ چکی تھیں۔ یونان کی قدیم کتابوں میں افلاطون کی ریاست دنیا کے علم و ادب و تہذیب و معاشرت، تمدن اور سیاسیات میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اس کتاب سے ہمیں یونان کی معاشرت اور تہذیب و تمدن کا اندازہ ہوتا ہے۔ گو کہ افلاطون کا عہد یونان کا وہ زمانہ تھا جب اس کی ترقیوں کا سورج غروب ہو رہا تھا۔

افلاطون نے اپنی "ریاست" میں جہاں ریاست کے مختلف مسائل عدل و انصاف، تحفظ، علم و ادب۔ موسیقی اور دوسری باتوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے قوانین وضع کئے ہیں وہاں اس نے محبت اور عورت کی حیثیت پر بھی ایک طویل بحث کی ہے۔ قدیم زمانے میں شائد افلاطون پہلا شخص ہے جس نے عورتوں کو ایک حد تک مردوں کے برابر حقوق دیے ہیں۔ اپنی ریاست میں اس نے ایک جگہ لکھا ہے کہ:

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"مردوں کی وہ حیثیت ہونی چاہئے جو گلہ میں محافظ و نگراں کتوں
کی ہوتی ہے"۔ ۱ے

یہاں پر مردوں کو عورتوں پر فوقیت دی گئی ہے اور ان کو عورتوں کا محافظ و نگراں بتایا گیا ہے۔ حالانکہ وہ عورتوں کو مساویانہ حقوق دینے کے حق میں ہے لیکن اس کا یہی نظریہ بعض جگہ تھوڑی سی الجھن پیدا کر دیتا ہے۔ مثلاً اس کی "ریاست" اعلیٰ اور ادنیٰ دو طبقوں میں تقسیم ہے۔ وہ اعلیٰ یا فلسفی طبقہ کو تمام مراعات اور مساویانہ حقوق دینے کو تیار ہے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ادنیٰ درجے کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کرتا۔ اس کی نگاہ صرف فلسفی طبقہ پر رہتی ہے۔ وہ اپنی ریاست میں اعلیٰ طبقہ کی عورتوں میں اچھی تعلیم اور مردوں کے برابر آزادی دیتا ہے۔ اس کے خیال میں وہ تمام قابلیت با اہلیت جو مرد میں ہوتی ہے۔ قدرت کی طرف سے عورت کو بھی ملتی ہے۔ ایسی صورت میں جانب دارانہ برتاؤ کو درست نہیں سمجھتا اور کہتا ہے

"...... اگر عورتوں اور مردوں کے فرائض ایک سے ہیں تو ان کی تعلیم اور پرورش بھی ایک سی ہونی چاہیے"۔ ۲ے

"ریاست" میں عورتوں کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے افلاطون نے لکھا ہے کہ۔

"کوئی ایسی قابلیت نہیں جو عورت میں بحیثیت عورت ہونے کے اور مرد میں بحیثیت مرد کے موجود ہوتی ہے۔ قدرت کی دین دونوں میں یکساں بٹتی ہے"۔ ۳ے

افلاطون کا خیال تھا کہ انسان بیوی بچوں اور خاندانی جھگڑوں میں پھنس کر اپنے قومی اور ملکی فرائض کو بھول جاتا ہے۔ اس لیے اس نے یہ طے کیا تھا کہ محافظ اور حکمراں

۱ے ریاست — افلاطون۔ ترجمہ ڈاکٹر ذاکر حسین صـ۲۷۶ پہلا ایڈیشن
۲ے " " " " " " صـ۲۷۷ " "
۳ے " " " " " " صـ۲۸۷ " "

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لوگوں کی الگ الگ بیویاں نہیں ہوا کریں گی بلکہ اس پورے طبقہ کی بیویاں مشترک ہوں گی ایسی صورت میں اُن کی محبت کسی ایک کے ساتھ نہیں بٹ سکے گی۔ اور وہ کسی ایک بچّہ کو اپنا بچّہ نہیں کہ سکیں گے۔ اس لیے تمام ہی بچّے ان کی محبت اور شفقت کے برابر کے مستحق ہوں گے۔ اس طرح ایک بڑا خاندان وجود میں آئے گا جو پورے ملک پر منحصر ہوگا۔ افلاطون نے لکھا ہے۔

> "ہمارے محافظین کی بیویاں مشترک ہوں بچّے مشترک ہوں والدین اپنے بچّوں کو نہ پہچانیں نہ بچّے اپنے والدین کو...... ہمارے شہر میں عورتوں اور بچّوں کا مشترک ہونا ریاست کے لئے سب سے بڑی خوبی کا باعث ہے" لہ

ظاہر ہے کہ افلاطون کا یہ اصول عورت کی انفرادیت کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔ عورتوں کے لئے ان کی خانگی زندگی بہت ضروری ہے۔ لیکن افلاطون اگر ایک طرف اُن کو مردوں کے برابر تعلیم حاصل کرنے اور جنگ میں شریک ہونے کا حق دیتا ہے تو دوسری طرف ان کی خانگی زندگی کی تمام لطافتیں اور حسن، ان کے بچّوں کا پیار اور مامتا چھین لیتا ہے۔ اس طرح عورت کی جو دوسری حیثیت "ریاست" میں افلاطون نے پیش کی ہے کسی صورت سے عورت کے لئے بہتر نہیں قرار دی جا سکتی ہے۔ اور نہ افلاطون کے یہ اصول ممکن العمل معلوم ہوتے ہیں۔ اور شاید اس کی ریاست کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب ہی اس کا ناممکن العمل ہونا ہے۔

یونان کے جس شہر میں عورتوں کو سب سے زیادہ آزادی حاصل تھی وہ اسپارٹا تھا۔ اسپارٹا کے مشہور مفتی لائی کرگس نے اپنے ضابطہ قوانین میں عورتوں کو کافی اہمیت دی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایتھنس میں عورتوں پر جس قدر پابندیاں عائد تھیں وہ یونان کے کسی اور صوبے میں نہیں تھیں۔ دوسرے تمام صوبوں کے مقابلہ میں اسپارٹا

لہ "ریاست"، افلاطون۔ ترجمہ۔ ڈاکٹر ذاکر حسین ص ۲۸۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں عورتوں کی سماجی حالت بہت بہتر تھی۔ عام طور سے یہاں لڑکیاں بے پردہ رہتی تھیں۔ لڑکوں کے ساتھ جسمانی ریاضت اور کھیل کود میں شرکت کر سکتی تھیں۔ بڑے ذوق وشوق سے گانے بجانے کی تعلیم حاصل کرتی تھیں۔ لیکن یہاں بھی اور سوبوں کی طرح فلسفہ منطق اور دوسرے علوم کے دروازے عورتوں پر بند تھے۔

قدیم یونان میں عورت کی سماجی حالت بہت گری ہوئی تھی وہ پورے طور سے شوہر کی ملکیت ہوتی تھی۔ شوہر جب چاہے اُسے طلاق دے سکتا تھا۔ بلکہ تحفہ کے طور پر بیویاں دوستوں یا عزیزوں کو بھی دی جا سکتی تھیں۔ جن کی فرمانبرداری عورت پر اسی طرح فرض تھی جس طرح شوہر کی۔

عورت کو طلاق لینے کا بھی حق نہیں تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس سماج میں مرد کو عورت پر کتنی برتری حاصل تھی۔

ایک عرصہ کی جدوجہد کے بعد یونانی عورت نے طلاق لینے کا حق حاصل کیا۔ اسی کے ساتھ مہر کا رواج بھی شروع ہوا۔ مہر کا رواج قدیم ممالک میں سب سے پہلے یونان میں نظر آتا ہے۔ طلاق کی صورت میں مرد کے لیے یہ لازمی تھا کہ وہ کچھ اضافے کے ساتھ عورت کا مہر ادا کرے۔

اسپارٹا (یونان) کی طرح قدیم مصر میں بھی عورت کا سماجی مرتبہ بہت بلند تھا۔ مصر میں عورت کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ وہاں وراثت کا سلسلہ لڑکے کی طرف منتقل ہونے کے بجائے سب سے بڑی لڑکی کی طرف منتقل ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم مصر کی جتنی بھی تحریریں ملی ہیں اُن سب میں کسی نہ کسی صورت میں ماں کی تعریف و توصیف کی گئی ہے۔

فراعین مصر کے آخری زمانے میں جب عیش کوشی اور آرام پسندی کا دور آیا تو تعدد ازدواج کا سلسلہ بہت بڑھ گیا اور عورتوں کے وہ حقوق جو سماجی طور پر انھیں حاصل تھے مجروح ہونا شروع ہوئے کچھ دنوں بعد عورتوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کی فکر ہوئی۔ تو انھوں نے شادی کے لئے مختلف شرطیں رکھیں۔ شائد یہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہنا غلط نہ ہوگا کہ نکاح نامہ کی ایجاد سب سے پہلے قدیم مصر میں ہوئی۔ اس سے قبل کسی بھی ملک میں شادی کے وقت شرطیں لکھ کر ان پر دستخط کرنے کا رواج نہیں تھا۔

قدیم مصر میں عورتیں تمام کاموں میں مردوں کے دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ یونان میں تمام ترقیوں کے باوجود عورت کو زیور تعلیم سے محروم رکھا جاتا تھا۔ مگر ہیروڈوٹس کے بیان کے مطابق قدیم مصر میں عورتیں تمام علوم حاصل کرتی تھیں اور زراعتی کاموں میں مردوں کے برابر حصّہ لیتی تھیں بلکہ بعض لوگوں کا تو یہ خیال ہے کہ زراعت کی ابتدا ہی عورت نے کی ہے چنانچہ سفرنامہ جنوبی افریقہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ

"عورت نے صرف یہ ہی نہیں کہ صحرائی پیداوار سے غذا کا کام لیا ہو بلکہ اس نے زمین کھود کر تخم ریزی بھی کی اور اس طرح اوّلین زراعت کی بنیاد ڈالی"۔ [1]

ان قدیم تہذیبی مراکز کے علاوہ دوسرے مختلف ممالک میں عورت کی حالت تقریب یکساں تھی۔ سمیریوں کی سوسائٹی کافی مہذب تھی اس لئے عموماً ان کے یہاں ایک ہی شادی کا رواج تھا لیکن کنیزیں رکھنا وہاں بھی عام تھا۔ کنیزوں اور منکوحہ بیویوں کی سماجی حیثیت میں فرق تھا۔ بابل اور اشوریہ کے سماج میں مردوں کو اس کا حق تھا کہ وہ جس وقت چاہیں اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں۔ لیکن عورتوں کو اس کا حق نہیں تھا۔

مرد کو خاندان پر کلی اختیارات حاصل تھے۔ وہ ضرورت پڑنے پر بیوی۔ بیٹی۔ بیٹے کسی کو بھی کسی مالدار آدمی کے یہاں رہن رکھ سکتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعض تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ شوہر اور باپ یعنی گھر کے مردوں کو عورتوں کی قربانی کا بھی حق تھا۔ عورت کی نجات صرف شوہر کی تابعداری میں تھی۔ شوہر چاہے کتنی سختی کرے لیکن عورت کو سب برداشت کرنا پڑتا تھا۔

---

[1] ٹراولس اِن ساؤتھ افریقہ — بحوالہ نیاز فتحپوری گہوارہ تمدّن ص ۴۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قدیم چین میں بھی عورت کی سماجی حیثیت تقریباً بابل اور آشوریہ ہی جیسی تھی۔ چین کے مذہبی پیشوا کنفیوشس نے عورتوں کو مرد کی راحت و آرام، عیش و عشرت اور لذّت کی دوسری چیزوں کے ساتھ شمار کیا ہے وہاں مرد کو عورت پر پورے اختیارات تھے اور یہ اختیارات صرف بیوی تک ہی محدود نہیں تھے۔ بلکہ ہر عورت کو مرد کی تابعداری اور اس کا حکم ماننا ضروری تھا۔ خواہ وہ اُس کا باپ، بھائی یا شوہر ہو۔ کنفوشش نے لکھا ہے کہ:

> "مرد حاکم ہے اُس کا کام حکمرانی ہے اور اس کا فرض اطاعت ہے...... عورت شادی سے پہلے اپنے باپ یا بھائی کی فرمانبردار ہے۔ شادی کے بعد شوہر کی اور شوہر کے بعد اپنے بڑے بیٹے کی اطاعت فرض ہے۔"[۵۲]

اس کے علاوہ تعدد ازدواج کی کوئی حد مقرر نہیں تھی بعض حالات میں مردوں کو ایک سو تیس عورتیں تک کرنے کا اختیار تھا۔ اکثر حالات میں زیادہ شادیاں کرنے کو منع کیا گیا تھا۔ ایسی صورت میں لونڈیاں رکھنا جائز تھا۔ جن کی سماجی حیثیت بیویوں سے کم تھی۔ مگر اس کی اولاد کو اصل بیوی کی اولاد کے برابر حقوق حاصل تھے۔

قدیم روم میں بھی عورتوں کی معاشرتی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی۔ چونکہ یہاں پر بھی خاندان پر مرد کا تسلط تھا۔ اس لیے تمام کاموں میں مرد ہی کا حکم چلتا تھا۔ لڑکیاں باپ کی ملکیت ہوتی تھیں۔ وہی ان کی شادی بیاہ کے مسائل طے کرتا تھا۔ ان میں اس معاملہ میں خود کوئی اختیار نہیں تھا۔

بنی اسرائیل میں رواج تھا کہ لڑکوں کی پیدائش پر خوشی منائی جائے مگر لڑکیوں کی پیدائش پر ان کے یہاں کوئی خوشی نہیں منائی جاتی تھی۔ کیوں کہ

---

۵۲ ہمدرد صحت عورت نمبر ۱۹۳۷ء ص ۱۷۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عورتیں سماج میں حقیر اور پست سمجھی جاتی تھیں۔

دوسرے بہت سے ملکوں کی طرح ایران میں بھی عورت کی موت و زندگی مرد کے ہاتھ میں تھی۔ امیر مرد عورتوں کو پردہ کراتے تھے۔ ان کی سماجی حیثیت کچھ بھی نہیں تھی۔ کیوں کہ وہاں عورت کی دنیا گھر کی چہار دیواری کے اندر محدود تھی۔ قدیم عمارتوں کتبوں اور مندروں سے جو تصویریں یا جو آثار برآمد ہوئے ہیں۔ ان میں نہ تو کسی عورت کی تصویر یا مجسمہ ہے اور نہ اُن کے بارے میں کوئی کتبہ ہی ہے۔

قدیم عرب میں بھی طلوع اسلام سے قبل عورت کی سماجی حالت بہت زیادہ خراب تھی۔ ان کا یقین تھا کہ ایک قبیلہ کسی دوسرے قبیلہ کو اپنی لڑکی دے کر ہمیشہ کے لئے اس سے نیچا ہو جائے گا۔ اور یہ بات ان کی تند مزاجی اور سخت گیری کے لئے ناقابل برداشت تھی اس لئے وہ پیدائش کے وقت ہی لڑکی کو مار ڈالتے یا اس کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ ویسے بعض چیزوں سے پتہ چلتا ہے کہ خاندان کے اندر عورت کی عزت کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ قبیلوں کی جنگوں میں ان سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ اور خیموں کے اندر کی زندگی میں سب سے بڑی حاکم وہی تھیں۔ بدو عورتیں بھی جو خانہ بدوشی کی زندگی گذارتی تھیں اپنے خانگی معاملات میں اہمیت رکھتی تھیں اور مختلف کاموں میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ نیاز فتحپوری نے لکھا ہے کہ

"صحرائے عرب کے بدو جب ریگستان میں چراگاہ یا چشمے کی تلاش کی غرض سے اپنا جائے قیام بدلنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تو ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ یونہی خالی ہاتھ اپنے اونٹوں کو لے کر چل دیں۔ پھر اب یہ عورت کا کام ہوتا ہے کہ وہ خیموں کو اکھاڑے سارا سامان اکٹھا کرے اور اونٹوں پر بار کر کے لے جائے۔ عورتیں اس کام کو اس قدر سرعت کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

509

ساتھ انجام دیتی ہیں کہ مردوں کا قافلہ دور نہیں پہنچتا کہ یہ کبھی سارا اسباب لے کر ان سے مل جاتی ہیں۔" لہ

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں سماجی حیثیت نہ ہوتے ہوئے بھی عورتیں مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں اور جنگوں میں بھی بعض اوقات ان کے مشوروں کو اہمیت دی جاتی تھی۔

یوں تو عورتوں کی سماجی حیثیت اور اہمیت مختلف زمانوں میں حالات اور ماحول کے ساتھ تبدیل ہوتی رہی ہے لیکن قدیم تاریخ کے مطالعے سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ عام طور پر تمام ممالک میں کم و بیش عورت کی حیثیت یکساں ہی تھی بعض جگہ اس پر زیادہ پابندیاں عائد تھیں اور بعض جگہ کم۔

دُنیا کے مختلف قدیم ممالک کے مختصر جائزے کے بعد اب ہم ہندوستان کی قدیم تاریخ کی روشنی میں عورت کا جائزہ لیں گے۔

قدیم ہندوستان میں عورت:-

ہندوستان کی تہذیب یونان ہی کی طرح قدیم اور عظیم ہے۔ یہاں علم و فلسفہ۔ نجوم و ہیئت، ادب اور تہذیب اپنے بام عروج پر اُس وقت پہنچ چکے تھے جب دو ایک ملکوں کو چھوڑ کر تمام عالم میں جہالت کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں کا ایک سماجی اور معاشی نظام تھا۔ جس کے تحت سوسائٹی اپنے کام کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف طبقات میں تقسیم تھی۔ اس میں مرد اور عورت کی الگ الگ سماجی حیثیت تھی۔

ہندوستان کی قدیم تہذیب کے بارے میں ہمیں ویدوں سے پتہ چلتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قدیم ہندوستان میں عورتوں کی کوئی سماجی حیثیت نہیں تھی اور ان کا وجود بھی دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح غیر اہم تھا۔

لہ گہوارۂ تمدن۔ نیاز فتحپوری۔ دوسرا ایڈیشن ص۱۰۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ تاریخ کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ہندوستان میں عورت کی کافی اہمیت تھی۔

قدیم ہندوستان میں عورت کے درجے پر اختلافات کی اصل وجہ ذرائع معلومات کی کمی ہے۔ قدیم سنسکرت کی کتابوں سے ناواقفیت یا خود ان میں پائے جانے والے تضاد کی وجہ سے اس عہد میں عورت کی حیثیت ہمیشہ موضوع بحث رہی ہے۔ اس تضاد اور ناواقفیت نے باہری مورخین کو کافی گمراہ کیا جس کی وجہ سے قدیم ہندوستانی عورت کے بارے میں دو مختلف نظریے بن گئے۔ جس کے بارے میں پنڈت جواہر لال نہرو نے لکھا ہے کہ

> " ہندوستانی عورت کے بارے میں عام طور پر دو نظریات پائے جاتے ہیں۔ ایک خاص طرح کا روایتی نظریہ جس میں ہندوستانی عورت پاکیزگی فرماں برداری۔ سپردگی اور شوہر کے احترام و عقیدت کا ایک مثالی نمونہ ہے۔ جس کی عظیم مثالیں ستیا اور ساوتری سے دی جاتی ہیں۔ دوسرا نظریہ جو کہ عام طور پر مغربی ممالک کے لکھنے والوں کا ہے کہ ہندوستانی عورت مظلوم اور حقیر ہے۔ جس کے ساتھ جانوروں کا سا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں نظریات حقیقت سے بہت دور ہیں اور صرف خیالی نظریات کو پیش کرتے ہیں جن کا تعلق زندگی سے بہت کم ہے۔" [1]

اس میں شک نہیں کہ یہ دونوں نظریات انتہا پسندی پر مبنی ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ویدک زمانے میں عورت کا سماجی مرتبہ کافی بلند تھا۔ گوکہ تعلیمی مذہبی اور سماجی ترقیوں کے درمیان کچھ دشواریاں حائل تھیں لیکن اس کے باوجود عورتوں نے تعلیم حاصل کی اور وقتاً فوقتاً اپنے علم اور اپنی اہلیت

---

[1] NEHRU. J. L, 'FORWARD WOMEN OF INDIA' T.A-BEG

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کا منظاہرہ کیا ——— رگ وید سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں تعلیمی اعتبار سے عورتیں قریب قریب مردوں کے برابر تھیں۔ اس لیے کہ رگ وید میں بعض ایسے بھجن بھی ملتے ہیں۔ جو عورتوں سے منسوب ہیں۔ جنھیں رشیکا (RISHIKA) اور برہم ویدنی (BARHAMVADNI) کہا جاتا تھا۔

برہم ویدنی کے لئے تجرد (برہم چریہ) کی تعلیم حاصل کرنا ضروری تھا۔ رادھا کمل مکرجی نے لکھا ہے کہ:

"برہم ویدنی برہم چریہ کے طالب علم ہوا کرتے تھے عورتوں کو بھی اس علم کے حاصل کرنے کی اجازت تھی۔ رگ وید (۷،۷،۹) میں اس کا حوالہ ملتا ہے کہ نوجوان لڑکیاں اپنی تعلیم برہم چریہ کی حیثیت سے مکمل کرتی تھیں اور تعلیم کی تکمیل کے بعد جس طرح ندی سمندر میں مل جاتی ہے۔ وہ اپنے شوہروں سے مل جاتی تھیں" [1]

ویدک زمانے میں مذہبی معاملات میں بھی عورت کو قریب قریب مرد کے برابر حقوق حاصل تھے۔ کسی بھی مذہبی تقریب میں عورتوں کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی۔ یہ بات کسی حد تک تعجب خیز بھی ہے کہ آج سے ہزاروں سال پہلے عورت کو شوہر کے برابر تعلیم حاصل کرنے اور مذہبی تیوہاروں رسم ورواج میں شریک ہونے کی آزادی تھی۔ رگ وید میں بہت سی جگہوں پر عورت کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت عورت کا سماجی مقام کیا تھا۔ رگ وید منتر (۷،۶۱) میں کہا گیا ہے کہ:

"بہت سی عورتیں ان مردوں کے مقابلے میں بدرجہا بہتر اور مستقل مزاج ہیں" [2]

ا۔ R.K. MUKARJI, 'WOMEN OF INDIA' PAGE. 4

۲۔ PROF; INDRA, 'THE STATUS OF WOMEN IN ANCIENT INDIA' Page 3

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ویدک زمانے میں عام سیاسی اور سماجی زندگی میں بھی عورتوں کو حصہ لینے کا پورا موقع ملتا تھا۔ ان حالات اور رسم و رواج کی تفصیل اپنشدوں میں مل جاتی ہے۔ ان سے ہی قدیم ہندوستان میں فلسفیوں کی ایک کانفرنس کے بارے میں بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی دنیا کی پہلی کانفرنس تھی۔ جو کہ ودھا کے راج رشی جنک کے یہاں ہوئی تھی۔ اس کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ مختلف فلسفیانہ خیالات و نظریات رکھنے والے لوگوں کو اور مختلف مذہبی خیالات و عقیدت کے لوگوں کو یکجا کر کے ان کے خیالات کو باضابطہ تحریری شکل دی جائے اور ساتھ ہی اختلافات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس کانفرنس کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی۔ کہ اس میں ایک فلسفی خاتون برہم ویدنی گارگی وشاکنوی (BRAHAM VADNI GARGI VACHAK-NAVI)[1] صرف شریک ہی نہیں ہوئی تھیں بلکہ انھوں نے اس کے مباحثوں میں حصہ لیا اور اور بڑی دلیری سے تقریریں کیں تھیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت عورتوں کی آزادی قابل رشک تھی۔

کیلاش ناتھ شرما نے لکھا ہے کہ ویدک کال میں عورتوں کو مردوں کے سب سنسکاروں کا حق تھا۔ وہ شوہر کے ساتھ یا علیحدہ آزادی سے مذہبی امور انجام دے سکتی تھی۔ بعض بیانات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عورتیں مردوں ہی کی طرح وید پڑھتی تھیں۔ گو کہ اس وقت بھی لڑکوں کی پیدائش کو زیادہ بہتر تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ لڑکیوں کے ساتھ بُرا برتاؤ ہوتا تھا۔[2] لڑکیاں بھی لڑکوں کی طرح سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی تھیں اور انھیں امور خانہ داری

---

[1] R.K. MUKARJI, 'WOMEN OF INDIA' T.A. BEG P-2, 3

[2] بھارتیہ سماج اور سنسکرت مصنف۔ کیلاش ناتھ شرما شاستری صفحہ ۲۰۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی پوری تعلیم دی جاتی تھی۔

میڈم زیڈ۔ اے۔ راگوڈن نے لکھا ہے۔ کہ بعض خاص موقعوں پر عورتوں کی موجودگی اس زمانے میں ضروری سمجھی جاتی تھی۔ خصوصیت سے اس وقت جب کسی میت کی آخری رسوم ادا کی جاتی تھیں۔ ایسے موقع پر سب سے پہلے لاش پر گھی اور تیل ڈالنے کے لئے سہاگن عورتوں کو بلایا جاتا تھا۔ وہ اس متبرک مقام پر جہاں کہ لاش رکھی ہوتی تھی جاتیں اور آخری رسوم ادا کرنے کے لئے اس پر گھی تیل اور خوشبوئیں ڈالتی تھیں۔ پجاری ایسے موقع پر یہ اشعار پڑھتے تھے۔

" یہ عورتیں جو کہ بیوہ نہیں ہیں بلکہ معزز شہریوں کی بیویاں ہیں انھیں پہلے تیل اور گھی لے کر آنے دو۔ ان بے آنسوؤں اور بے غم والیوں کو جو لباسِ فاخرہ سے مزّین ہیں۔ موت کے مسکن میں جانے دو۔"[1]

یہ بات اس کی نشاندہی کرتی ہے کہ اس سماج میں عورتوں کی کتنی اہمیت تھی۔ لیکن اس کے باوجود یہ رائے عام ہے کہ قدیم ہندوستان میں عورت کی حالت اچھی نہیں تھی۔ پروفیسر لڈوگ (PROF. LUDVIG) کے خیال میں قدیم زمانے میں عورتیں جنگ کا صلہ اور مالِ غنیمت سمجھی جاتی تھیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے بعض دلائل بھی پیش کئے ہیں۔ لیکن ان دو چار واقعات کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس زمانے کا سماجی ڈھانچہ ہی ایسا تھا۔ ان واقعات کو پورے سماج پر منطبق کر دینا زیادتی ہوگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابتدا میں ایک ایسا دور بھی رہا ہے جس زمانے میں عورت کو بدترین مخلوق سمجھا جاتا تھا۔ مگر مقدس کتابیں اس بات کا ثبوت دیتی ہیں۔ کہ مجموعی طور سے قدیم ہندوستان میں عورتوں کا درجہ مردوں کے برابر تھا۔ عورتوں نے اس زمانے کے فنونِ لطیفہ۔ فلسفہ

---

[1] ویدک ہند۔ از میڈم راگوڈن مترجمہ : حمید احمد صفحہ ۲۶۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور شعر و ادب کے میدان میں کافی ترقی کی تھی رقص اور موسیقی میں انھیں عام طور سے کمال حاصل تھا۔

موسیقی اس زمانے میں تعلیم کا ایک اہم جزو سمجھی جاتی تھی۔ رگ وید میں مختلف جگہوں پر اس بات کا ذکر ملتا ہے کہ عورتیں مذہبی جلسوں میں گایا کرتی تھیں اور گانے کے ساتھ مختلف قسم کے سازوں کا بھی استعمال کرتی تھیں۔ واک VAC ویدک عہد کی مشہور شاعرہ تھی۔ جس کی تصنیفات وید اور پران میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اپالا۔ گھوشا۔ اندرانی۔ وشوآورا وغیرہ نے بہت سے بھجن لکھے جو ویدوں میں شامل ہیں۔ اپنشدوں سے پتہ چلتا ہے کہ میتری (MAITREYI) اس کی لڑکی گارگی مشہور فلسفی تھیں۔ مہابھارت میں اترا (UTTARA) اور اس کی سہیلیوں کا ذکر ہے جو رقص و موسیقی میں کامل تھیں۔

قدیم عورت کی سماجی اہمیت اور مذہبی عظمت کے سلسلے میں نیاز فتحپوری نے لکھا ہے کہ:

"یہ امر کہ زمانہ قدیم میں عورت کا وجود ایک مہتم بالشان وجود تھا اور وہ کائنات میں مرد کے دوش بدوش کام کرنے کی اہل تھی۔ مختلف ذرائع سے ثابت ہوتا ہے۔ سب سے پہلے جو چیز اس کے ثبوت میں پیش کی جا سکتی ہے وہ اقوام عالم کا علم الاصنام ہے۔ کوئی قوم ایسی نہیں جس کے علم الاصنام میں دو چار دیویوں کا نام نہ پایا جاتا ہو۔ اور یونان و روما کے علم الاصنام میں تو عنصر غالب دیویوں کا ہی ہے۔ دولت شہرت حسن شعر موسیقی۔ جسم۔ روح زراعت وغیرہ سب دیویوں ہی سے منسوب ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض عورتوں کی وجہ سے قائم ہوئیں یہاں تک کہ ان کو دیوی قرار دیدیا.... ہندوؤں کے علم الاصنام میں بھی دیوی سے کون واقف

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہیں ہے اور اگر اس کی یہ تاویل کی جائے کہ عورت کو زمانۂ قدیم میں ایک بے بہا دولت یا دولت کو عورت کی محنت کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا تو خلافِ محل نہ ہوگا۔“ ٥١

ویدک زمانے میں مردوں اور عورتوں کی مساوات کا یہ عالم تھا کہ عورتیں کسی کی تابع نہیں تھیں۔ ان پر شوہر کے علاوہ ان کے بھائی بہن یا ماں باپ کی اطاعت بھی فرض نہیں تھی۔ شادیاں بھی عام طور پر لڑکیوں کی مرضی کے مطابق ہوتی تھیں۔ کبھی کبھی رشتے کے سلسلے میں نامۂ و پیام سے قبل لڑکی کی رضامندی حاصل کر لی جاتی تھی۔ اگر کبھی کوئی ایسی صورت ہوئی کہ ایک لڑکی کے کئی خواستگار ہوئے تو لڑکی ان میں سے کسی ایک کو منتخب کرتی تھی۔ یہ رسم برہمنی عہد تک قائم رہی۔ انتخاب کی اس رسم کو سوئمبر کہا جاتا تھا۔ لڑکیوں کے ساتھ ان کے باپ کے گھر میں بھی محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا جاتا تھا اور بھائیوں کو بہنوں کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔

عورت کی اس سماجی حیثیت کے باوجود رگ وید کے ہی زمانے سے ہمیں اس کی اہمیت گرتی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔ وہ آزادیاں جو کسی وقت عورتوں کو حاصل تھیں وہ محدود اور مسدود ہونے لگیں تھیں۔

پروفیسر اندرا نے لکھا ہے کہ عورت دھیرے دھیرے سماجی زندگی میں اپنا وقار کھو رہی تھی۔ اور وہ مرد کی خواہشات کو پورا کرنے کا صرف ایک آلہ ہو کر رہ گئی تھی جس کے حوالے ویدک اور اس سے پہلے کے ادب میں ملتے ہیں۔ ایک شوہر کا بیان ہے کہ خدا نے اس کی بیوی کو اس کی خدمت اور تسکین کے لیے دیا ہے۔ وہ آگے کہتا ہے کہ وہ اس کی تابعدار ہے۔

”اپنشدوں میں بھی عورت صرف ایک دلچسپی کا ذریعہ ہی تھی

---

٥١ پیشِ لفظ گہوارۂ تمدن۔ نیاز فتحپوری ص ٢٧

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ان مقدس کتابوں کے مطابق دنیا کی ابتدا میں مرد بالکل تنہا تھا۔ اور اُس کے دل بہلانے کی کوئی چیز اُس کی زندگی میں نہیں تھی۔ اس کے لئے ایک ساتھی کی ضرورت تھی۔ جسے اس نے بیوی کی شکل میں پا لیا۔ اور جس نے اس کی تمام خواہشیں پوری کیں اور اس کے لئے تمام خوشیاں مہیا کیں۔ ۵۱

ویدوں کے ایک زمانے میں ہم یہ دیکھ چکے ہیں عورتوں کے لیے فنون لطیفہ۔ شعر و ادب مذہب اور فلسفہ کے سارے باب کھلے ہوئے تھے۔ لیکن بعد میں نہ صرف یہ کہ عورتوں کا سماجی مرتبہ گھٹ گیا بلکہ ان کے تمام حقوق بھی صلب کر لئے گئے۔ عورتوں کو وید پڑھنے سے روک دیا گیا۔ کیلاش ناتھ شرما نے لکھا ہے کہ:

"اسمرتیوں کے مصنفین نے عورتوں کو ناسمجھ اور اخلاق و کردار کا کمزور بتایا ہے"۔ ۵۲

انھیں لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ عورت بغیر مرد کے سہارے کے زندگی نہیں گذار سکتی تھی اس کا تنہا وجود خود اپنی کفالت نہیں کر سکتا۔ اسی لئے بچپن اور نوجوانی میں اس کا محافظ اور پرورش کرنے والا باپ ہوتا ہے۔ جوانی میں وہ شوہر کی دست نگر ہوتی ہے۔ اور بڑھاپے میں اس کا لڑکا سہارا بنتا ہے۔ اسمرتیوں اور اپنشدوں کے زمانے میں شادی شدہ عورتوں کے حقوق میں بھی کمی ہوئی۔ مرد کو کسی وقت بھی دوسری شادی کرنے کا حق دے دیا گیا لیکن عورت کسی بھی حالت میں شوہر کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ شوہر کے مرنے کے بعد بھی اس کا رشتہ قائم رہتا تھا۔ اس لئے اس زمانے میں بیواؤں کی حالت بہت خراب نظر آتی ہے۔ دھیرے

---

۵۱ PROF; INDRA, 'THE STATUS OF WOMEN IN AN-CIENT INDIA' P-13

۵۲ بھارتیہ سماج اور سنسکرت۔ کیلاش ناتھ شرما ص ۲۰۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دھیرے بیواؤں کی نجات کے لئے ستی کی رسم رواج پانے لگی۔

عورت کو ان تبدیلیوں کا احساس بھی نہیں ہوا اس لئے کہ اس کے ذہن پر مذہب کے ایسے گہرے پردے ڈال دیے گئے تھے جن سے باہر دیکھنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اور ساتھ ہی وہ مذہبی باتیں اور مثالیں عورت کے ذہن پر ایسا نفسیاتی اثر ڈالتی تھیں کہ وہ اپنی تمام تر مسرت اور خوشیوں کا انحصار انھیں پابندیوں میں پاتی تھی۔ ان کے سامنے سیتا، ساوتری - دروپدی اور بعض دوسری مثالی عورتوں کی زندگی کے نمونے اس طرح سے پیش کئے جاتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کا مقصد شوہر کے ہر جائز و ناجائز حکم کی پابندی سمجھنے لگتی تھیں اور اسی میں ابدی مسرت محسوس کرتی تھیں۔

کم عمری کی شادی یوں تو ابتدا سے ہی اچھی سمجھی جاتی تھی لیکن اپنشدوں کے زمانے میں اسے کچھ اور زیادہ اس لیۓ رواج دیا گیا۔ کہ اس طرح لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ ختم ہو جاتا تھا۔ کچھ دنوں معمولی تعلیم کا سلسلہ باقی رہا لیکن دھیرے دھیرے وہ بھی ختم ہو گیا تعلیمی سلسلے کے ختم ہونے کے بعد مذہبی رسوم (سنسکار) کے ادا کرنے سے بھی عورتوں کو محروم کر دیا گیا۔ نیچ ذات کی عورتوں کو یوں بھی سنسکار کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن اس زمانے میں تمام ہی عورتوں کو شودر سمجھ لیا گیا تھا [1]

مہابھارت میں بھی عورتوں کے سلسلے میں ہمیں دو مختلف نظریات ملتے ہیں۔ ایک سے عورت کی اہمیت اور اس کے احترام کا اندازہ ہوتا ہے لیکن دوسرا بیان بالکل اس کی ضد نظر آتا ہے۔ اس سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ زمانے کے اثرات کے تحت عورت کی حیثیت بھی تبدیل ہوتی رہی اور چونکہ مہابھارت کی تصنیف کا سلسلہ ایک طویل عرصے تک رہا ہے اس لیۓ یہ دو مختلف نظریات

---

[1] بھارتیہ سماج اور سنسکرت - کیلاش ناتھ شرما صفحہ ۲۰۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دو زمانوں کے ہو سکتے ہیں ۔ مہابھارت میں ایک جگہ لکھا ہے کہ :

"عورتیں نہ صرف یہ کہ خانگی زندگی کا مرکز ہیں بلکہ وہ پوری سماجی تہذیب کی بنیاد ہیں ۔ جس پر کہ ملک کے مستقبل کا انحصار ہے [1]

اس بیان سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ عورت اس وقت کے سماج میں بہت ہی زیادہ اہمیت رکھتی تھی ۔ اس کے بغیر اس وقت کے سماجی ڈھانچے کو مکمل نہیں سمجھا جاتا تھا ۔ بلکہ تمام سماجی تہذیب کے ارتقاء کا انحصار عورت پر ہی تھا ۔ لیکن دوسری جگہ مہابھارت ہی میں عورتوں کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا گیا ہے ۔

"دنیا میں عورت سے زیادہ گنہگار کوئی چیز نہیں ہے ۔ عورت تمام خرابیوں اور برائیوں کی جڑ ہے" [2]

(مہابھارت انوشاسن ۳۸ - ۱۲ - ۲۵ - ۲۹)

مہابھارت کے اس بیان سے اس زمانے میں عورت کی حالت پر جو روشنی پڑتی ہے وہ اوپر کے بیان سے مختلف ہے ۔

اسمرتیوں ، اپنشدوں اور مہابھارت میں اکثر جگہ ان خیالات کا اظہار ملتا ہے ۔ جس میں عورت کو نہ صرف یہ کہ بُرا کہا گیا ہے بلکہ بدترین مخلوق اور برائیوں کا مخزن بنایا گیا ہے ۔ منو جو کہ اپنے زمانے کا زبردست عالم تھا اور جس کے الفاظ اس زمانے کے قانون تھے ۔ اس نے بھی عورتوں کو بہت زیادہ بُرا بھلا کہا ہے ۔ منو اپنے فلسفہ اور سیاسی اقتدار کی وجہ سے ہندوستان کی تاریخ میں زبردست اہمیت کا حامل ہے ۔ لیکن عورتوں کے بارے میں اس کے

---

[1] 'THE STATUS OF WOMEN IN INCIENT INDIA' P-7

[2] " " " " " " P-15

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خیالات جس رجحان کی غمازی کرتے ہیں ان سے اُس معاشرے اور سماج پر روشنی پڑتی ہے۔ منوؔ نے کہا ہے کہ:

"عورت دنیا میں مرد کو ورغلاتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ
عورت کو اپنے گھر، زیورات، خواہشات، بے ایمانی، کمینہ
پن اور بد اطواری سے ہی محبت ہوتی ہے۔ اسی لئے عورتوں کو
مقدس کتابیں پڑھنے کی اجازت نہیں ہے [1]

ویدک زمانے کے ادب سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس وقت مختلف ذاتوں میں شادی کرنے کا رواج تھا۔ لیکن منوؔ نے بین ذاتی (INTERCAST) شادیوں کی مخالفت کی اور نیچی ذات میں شادی کرنے کو سختی سے منع کیا۔ اس قسم کی شادیاں دسویں صدی کے آخر تک کسی نہ کسی صورت میں ہوتی رہیں۔

البیرونی[2] کے خیال میں برہمن اُس زمانے میں اپنے سے نیچے خاندان میں شادی کرنے کو بُرا سمجھتے تھے۔ یہ تنگ نظری بعد میں تمام ذاتوں میں پھیل گئی اور ذات کا انحصار پیدائش پر ہونے لگا۔ اونچی ذات نے اپنی سماجی عظمت کو قائم رکھنے کے لئے بین ذاتی شادیوں پر سختی سے پابندی لگا دی۔ دھیرے دھیرے یہ سختی بڑھتی ہی گئی۔ چونکہ ہندو دھرم کے مطابق شادی کا مقصد صرف توسیع نسل تھا۔ اس لئے کئی بیویاں رکھنے کا رواج بھی شروع ہوگیا۔ عہد وسطیٰ میں کئی بیویاں رکھنا سماجی بڑائی کی نشانی تھی۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ بڑے لوگوں کے یہاں اس کا رواج زیادہ بڑھ گیا۔ نچلے طبقہ میں معاشی پریشانیوں کی وجہ سے یہ رواج زیادہ نہیں ترقی کر سکا۔ لیکن ان کی بھی کوشش یہ ہوتی تھی کہ وہ کئی شادیاں کریں۔ کئی شادیوں کے رواج نے عورتوں کی سماجی حیثیت کو بھی کم کیا۔ اس لیے

---

[1] 'THE STATUS OF WOMEN IN INCIENT INDIA' P. 15

[2] بھارتیہ سماج اور سنسکرت کیلاش ناتھ شرما صفحہ ۱۵۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہ پھر اُن میں مساوات کا برتاؤ نہیں ہو پاتا تھا۔ ویدک اور مہا کاویہ ادب سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ اس زمانے میں کم عمری میں شادیاں ہو جایا کرتی تھیں لیکن اس مسئلے میں تھوڑا سا اختلاف بھی ہے کہ سمرتیوں میں عمر کے بارے میں "نگلنکا" کا لفظ ملتا ہے۔ جس سے بعض شارحین کم عمری مراد لیتے ہیں۔ اور بعض زیادہ عمر میں شادی کرنے کا مطلب نکالتے ہیں لیکن یہ بات صحیح ہے کہ کچھ دنوں کے بعد اس زمانے میں کم عمری کی شادی کا رواج بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ برہم پران میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ چار سال کی عمر میں بھی لڑکی کی شادی کی جا سکتی ہے۔ شروع میں اس پر صرف برہمنوں کے یہاں عمل ہوتا تھا۔ لیکن بعد میں یہ چیزیں تمام ذاتوں میں رواج پا گئی [۵۱]

تعدد ازدواج کے ساتھ قدیم ہندوستان میں ایک دلچسپ بات یہ ملتی ہے کہ عورتوں کو بھی بہ یک وقت کئی شوہر رکھنے کا اختیار تھا۔ ویدک زمانے میں بھی اس کی بعض مثالیں ملتی ہیں۔

کیلاش ناتھ شرما نے لکھا ہے کہ مہابھارت میں دروپدی کے علاوہ اور دوسری مثالیں بھی ایسی ملتی ہیں جن سے عورتوں کے لیے کئی شوہر رکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ اِن مثالوں کو پرانوں کی بنیاد پر لکھا گیا ہے۔

ویسٹر مارک نے لکھا ہے کہ دنیا کے دوسرے حصوں میں بھی بعض قوموں میں کئی شوہروں سے شادی کرنے کا رواج تھا۔ لیکن یہ بات بہت محدود حلقے میں تھی۔ اور بعد میں یہ قریب قریب ختم ہو گئی تھی کیونکہ تیتری سمہتا [۵۲] (तैतरीय संहिता) اور اتیرد برہمن (ऐतरेद ब्रह्मरा) نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ ایک آدمی کو کئی عورتیں رکھنے کا حق ہے۔ مگر

---

۵۱ بھارتیہ سماج اور سنسکرت کیلاش ناتھ شرما ص ۱۶۸

۵۲ بھارتیہ سماج اور سنسکرت کیلاش ناتھ شرما صفحہ ۱۶۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک عورت کو کئی شوہر رکھنے کا حق نہیں ہے۔

چونکہ مختلف زمانے میں حالات کے ساتھ ساتھ قدریں بھی تبدیل ہوتی رہی ہیں اس لئے ویدک اور مہابھارت کے زمانے کے بعد بودھ سماج میں عورت کا مرتبہ بہت بلند نظر آتا ہے۔ بدھ مذہب کی بنیاد گو کہ برہمن دھرم کے خلاف تھی پھر بھی انھوں نے اپنے یہاں عورتوں کو اچھا سماجی درجہ دیا۔ عورتوں کو "بھکشنی سنگھ" میں داخل ہونے کی اجازت تھی۔ ساتھ ہی عورتوں کو اعلیٰ مذہبی تعلیم حاصل کرنے اور متبرک کتابوں کی تلاوت کرنے کا بھی حق حاصل تھا۔

بودھ زمانے میں عورتوں نے بھی فنونِ لطیفہ اور دوسری چیزوں میں حصہ لیا "دھرم پالا تھیری گاتھا" DHARAMPALA THERI GATHA سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں بہت سی بودھ بھکشنیوں نے اشعار کہے ہیں۔ بودھ بھکشنی جن کو "تھیریس" (THERIS) کہا جاتا تھا۔ ان کے گانے اور بھجن۔ گاتھا کہلاتے ہیں۔ جو بدھ شریعت میں شامل کر لئے گئے تھے۔" [۱]

بودھ دھرم نے جو اصلاحی تحریک چلائی اس تحریک میں رہنما کی حیثیت سے بہت سی عورتیں شامل تھیں۔ گاتھاؤں میں ایسی عورتوں کا بار بار ذکر ملتا ہے۔ سوما، رالوپا، ما، سجاتا، کھیما۔ چاپا۔ سندری۔ اور بہت سی عورتوں کے نام بار بار ان نظموں میں نظر آتے ہیں۔ یہ عورتیں تبلیغ کا کام بھی کرتی تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بودھ زمانے میں صحیح معنوں میں عورت کا درجہ مردوں کے برابر تھا۔ [۲]

فنِ موسیقی میں بھی اس زمانے کی عورتوں نے بعض بہت اہم اضافے کئے۔ مہارانی لوک مہادیوی نے موسیقاروں اور رقاصاؤں کی صرف سرپرستی ہی نہیں کی بلکہ رقص و موسیقی کی تعلیم کے لیے اس نے ایک اسکول کی بنیاد ڈالی۔

---

۱ R.K. MUKARJI, 'WOMEN OF INDIA' P- 7 and 8

۲ " " " " " P-8

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جہاں موسیقی سے دلچسپی رکھنے والوں کو اس کی فنی تربیت دی جاتی تھی۔ سیمبین مہادیوی (SEMBIYAN) کو بھی موسیقی سے بڑا لگاؤ تھا۔ انھوں نے مندروں میں بھجن اور متبرک کتابوں کو ترنم سے پڑھنے کی حمائت کی۔

بودھوں نے عورتوں کو کسی قسم کی بھی تعلیم حاصل کرنے سے منع نہیں کیا۔ بلکہ ہر علم کو حاصل کرنے کے موقع فراہم کئے۔ سوشل سروس اور SELF CULTURE) میں انھوں نے عورتوں کو مردوں کے برابر حصہ دیا۔[1]

اس زمانے میں عورتیں صرف یہی نہیں کہ گھر کے کام کرتی رہی ہوں بلکہ مذہبی تبلیغ سے لے کر فن تعمیر تک میں وہ مردوں کے ساتھ برابر حصہ لیتی تھیں۔ دکن کی تین رانیوں نے دوسری صدی ق م میں دریائے کرشنا کے کنارے قدیم استوپ دوبارہ تعمیر کرائے۔ رانی انگ ٹپھک نے ساتویں صدی میں "سکا پچی کا" میں کیلاش کا ایک بہت بڑا مندر تعمیر کرایا جو اس دور کے فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ رانی لوک مہادیوی اور لوہارا کے راجہ کی لڑکی ڈڈا (DADDA) نے بہت سے مندروں کو تعمیر کرایا۔ رانی لوک مہادیوی نے بیجاپور میں لوکیشور کا مندر بنوایا تھا۔ ڈڈا کا ذکر راج ترنگنی میں ہے کہ اس نے اپنی ساری عمر مندروں کے بنوانے میں ختم کر دی۔ کنڈوی[2] نے شیو اور وشنو کے مندروں کو تعمیر کرایا۔

اس دور کے جائزے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عورتیں کسی بھی صورت میں مردوں سے کم نہیں تھیں۔ مسز وجے لکشمی پنڈت نے ایک جگہ ویدک اور بودھ زمانے کی عورتوں کی حیثیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"وقت اور زمانے کی تبدیلیوں کے ساتھ عورت کی حیثیت میں بھی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ ویدک زمانے میں جب کہ تہذیب بہت

---

1. R.K. MUKERJI, 'WOMEN OF INDIA' T.A. BEG P-8

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سادی تھی زندگی کی بنیاد کھیتی باڑی پر تھی اور دولت کا تصور غلّہ اور گلّوں سے کیا جاتا تھا۔ عورت نسبتاً آزاد تھی اور قبیلہ میں اس کی جگہ کا تعین اس کی اہلیت سے کیا جاتا تھا۔ یہ جگہ وہ قبیلے کے کاموں میں حصّہ بٹا کر پایا کرتی تھی ......

بودھ کے زمانے میں عورت نے بہت زیادہ ذہنی ترقی کی انھوں نے تہذیبی کاموں میں اہم جگہیں حاصل کیں اور اس لیے سنسکرت ادب اور اس زمانے کے ڈراموں میں تعلیم یافتہ بدھ عورتوں کا بڑا اچھا درجہ ہے۔" ۵۱

جینی عہد میں بھی عورتوں کو قریب قریب وہ تمام آزادیاں حاصل تھیں جو انھیں بودھ زمانے میں ملی تھیں۔ جینی عورتیں بھی فنون لطیفہ شاعری اور فن تعمیر وغیرہ میں اتنی دلچسپی سے حصّہ لیتی تھیں کہ بادّا (BAADDA) ایک جینی راہبہ تھی جو کہ کنڑی زبان کی مشہور شاعرہ ہوئی ہے۔ اسی عہد میں کنڑی زبان کی ایک اور مشہور شاعرہ اکّا دیوی کا نام بھی ملتا ہے۔ بعض عورتوں نے کنڑی زبان میں مشہور کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔

اس زمانے میں جن عورتوں نے فن تعمیر میں نمایاں طور پر حصّہ لیا ان میں ایک جینی جنرل گنگاراج کی بیوی لکاّلی (LAKKALI) بہت مشہور ہے۔ انھوں نے ایک مشہور جینی تیرتھ گاہ کو تعمیر کرایا تھا۔ شری دیوی نے ماؤنٹ آبو میں ایک عظیم الشان مندر بنوایا۔ تعمیرات کے یہ نمونے اپنے زمانے کے فن تعمیر کی بہترین مثالیں ہیں۔ جینی عہد میں بعض عورتوں نے مصوری میں بھی حصّہ لیا۔ ان مثالوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عورتیں عام طور سے فنون لطیفہ میں زیادہ دلچسپی لیا کرتی تھیں

---

۵۱ VIJAY LAKSHMI PANDIT, 'INTRODUCTION THE STATUS OF WOMEN IN ANCIENT INDIA'

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور جینی سماج نے ان پر کوئی ایسی پابندی نہیں عائد کی تھی جس سے اُن کے ذوق وشوق کی ترقی میں رکاوٹ پڑتی۔

ابتک کے اِس جائزے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ہندو دھرم جین اور بودھ دھرم کے مطابق عورت کو کتنی آزادی حاصل تھی۔ اور اس کا سماجی مقام کیا تھا۔ ہندو عورت کی مذہبی حالت کے مطالعے کے لئے ہمارے پاس صرف وید، پران۔ شاستر۔ سوتر۔ اور انپشد وغیرہ ہیں۔ ان سے صرف یہی نہیں کہ قدیم عورت کے بارے میں پتہ چلتا ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں عورت کی کیا حیثیت تھی۔

عورت مذہبی نقطہ نظر سے :-

ہندو مذہب میں عورت کے بارے میں متضاد رائیوں کے باوجود یہ سمجھا گیا ہے کہ عورت کو مرد کے برابر جگہ حاصل ہے اور وہ اس کے ہر کام میں برابر کی شریک ہے۔

رام چندر جی کے ساتھ سیتا کا بن باس لینا یا اس طرح کے بعض دوسرے واقعات اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں۔ کہ عورت اس وقت صرف دلچسپی اور تفریح کا ذریعہ یا برابر کے حقوق کی مستحق۔ یا صرف مساوات کی طالب ہی نہیں بلکہ غمگسار بھی تھی۔ ہندو مذہب میں عورت کی اہمیت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ مذہبی طور پر ان کے یہاں دیویوں کا وجود بہت بڑی تعداد میں ہے۔ اور عموماً تمام اچھی چیزوں کے لئے الگ الگ ایک ایک دیوی منسوب کر دی گئی ہے۔ مثلاً علم کی دیوی سرسوتی۔ دولت کی دیوی لچھمی۔ غذا کی دیوی ان پورنا۔ وغیرہ اس سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ عورت ہندو مذہب کے لئے بہت اہم تھی۔ اسی لئے مذہبی طور پر اس کا اقتدار تسلیم کیا گیا ہے۔ اور انھیں اہلِ یونان کی طرح دیویوں کا مرتبہ دیا گیا ہے لیکن عظمت اور تقدس کے اعتراف کے باوجود عملی طور پر نہ تو یونان نے عورت کے ساتھ وہ سلوک کیا جو مذہبی طور پر پیش کیا گیا اور نہ ہندوستان ہی نے۔ اس لئے تاریخی جائزے کے بعد اس کا پتہ چلتا ہے کہ مذہب نے عورت کو جتنی آزادی تھی۔ اس پر عمل کرانے والوں نے اس میں بہت سی تبدیلیاں کر دیں اور عورت کو کبھی اس کے وہ حقوق نہیں ملے جس کی وہ مستحق تھی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہندوستان میں برھمنی دور میں مذہب کے نام پر بہت سی غلط رسمیں رواج پا گئی تھیں۔ چونکہ برہمن ہی مذہبی علوم کا جاننے والا سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے اس کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہی مذہب تھے۔ ایسی صورت میں عورتیں پوری طرح اُن حقوق کو نہیں پا سکیں جو انھیں مذہبی طور پر ملنے چاہئے تھے۔ بودھ دھرم اور جینی تحریک چونکہ برھمنوں کے سخت خلاف تھی۔ اور ان کی سخت گیری کے ردِ عمل کے طور پر پیدا ہوئی تھی۔ اس لئے اس نے عورتوں کو نسبتاً زیادہ حقوق دیئے۔ لیکن اس کے بعد جب پھر برہمنوں نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کی تو وہی باتیں ہونے لگیں۔

اس طرح وہ اعلیٰ معیار جو ہندوستان میں عورت کو حاصل تھا بعض مذہبی اور سماجی اسباب کی بنا پر بگڑتا گیا۔ اور عورت پستی کی طرف گرتی گئی۔ اس کے زوال کے اسباب پر آگے تفصیلی بحث آئے گی۔ یہاں پر مذہبی صورت میں اس کی جو حیثیت تھی صرف اُس کا بیان مقصود ہے۔ ہندو دھرم نے بعض ایسی پابندیاں عورتوں پر عائد کیں جو ان کی پستی کا سبب بنیں۔

بعض حوالوں سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ کہ ویدک کال میں بیوہ عورتوں کی شادی کا رواج تھا لیکن مہاکاویہ کے کال میں اس پر پابندی لگادی گئی۔ بیوہ کو صرف دو صورتوں میں شادی کرنے کا حق تھا۔ پہلی صورت یہ کہ کوئی آدمی بہ جبر اس کو اغوا کر لے جائے۔ اور دوسری صورت یہ کہ کم عمری میں لڑکی کی شادی ہوئی ہو اور سسرال جانے سے پہلے ہی اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو۔ اس کے علاوہ کوئی تیسری شکل بیوہ کی شادی کی نہیں تھی اور نہ مذہباً اس کی اجازت دی گئی۔[1]

شادی کے معاملہ میں چونکہ یہ سمجھا جاتا تھا۔ کہ لڑکی کے باپ نے لڑکی کو دان کے طور پر دیا ہے۔ اس لیے اس کا رشتہ اپنی آخری سانس تک شوہر سے منسلک رہتا خواہ اس کا شوہر مر ہی کیوں نہ جائے۔ لیکن چونکہ کسی کو دی ہوئی چیز پھر دان نہیں کی

---

[1] بھارتیہ سماج اور سنسکرت کیلاش ناتھ شرما صفحہ ۱۸۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جا سکتی۔ اس لئے لڑکی کی دوبارہ شادی کا سوال کبھی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ برہمنوں نے سماج میں اپنی جگہ مضبوط بنانے کے لئے اعلیٰ مذہبی مقام حاصل کر لیا اور بیوہ کی شادی پر پابندی لگا دی۔ ۵۱

اگر کوئی شخص کسی بیوہ عورت سے شادی کرنا بھی چاہتا تھا تو یہ کہا جاتا کہ اس عورت کی بدقسمتی کا اثر اس پر بھی پڑے گا۔ اس کے علاوہ پرانوں اور مہا کاویہ میں یہ لکھا ہے کہ شوہر اور بیوی کا رشتہ جنم جنم کا رشتہ ہوتا ہے۔ یعنی اگر ایک زندگی میں وہ جہان اور بیوی کی حیثیت سے ہیں تو دوبارہ جنم میں وہ کسی بھی شکل میں ہوں ان کا رشتہ شوہر اور بیوی ہی کا ہوگا۔ لہٰذا اگر بیوہ عورت دوسری شادی کرے تو دوسرے جنم میں یہ آدمی کس طرح آ سکے گا۔ اس مذہبی پابندی کی وجہ سے بیوہ عورتیں شادی نہیں کر سکتی تھیں۔

"برہم دواہ"، کے مطابق لڑکی والوں کو شادی کے وقت جو جہیز یا نقد روپیہ دولھا کو دینا پڑتا تھا۔ اس کی صورت ایک قیمت کی سی ہوتی تھی۔ اس رقم یا جہیز کو لڑکے کی قیمت سمجھا جاتا تھا۔ یہ رقم لڑکی کے والدین خوشی سے نہیں دیتے تھے بلکہ مذہبی طور پر یہ ایک رسم بن گئی تھی جس میں روپیہ کی تعداد بھی مقرر نہیں تھی جیسا لڑکا ہوتا تھا ویسی ہی اس کی قیمت لگتی تھی۔ عام طور پر یہ قیمت پہلے سے طے ہو جاتی تھی۔ یہ جہیز کی رسم اور نقد روپیہ کا مطالبہ اتنا بڑھا کہ اس سے پریشان ہو کر لوگ ایک زمانے میں نوزائیدہ لڑکیوں کو قتل کر دیتے تھے۔ ۵۲

اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ عاجز آ کر لڑکیاں خودکشی کر لیتی تھیں۔ کیونکہ ان کے والدین جہیز نہ ہونے کی وجہ سے شادیاں کرنے میں ناکام رہتے تھے۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے۔ کہ لڑکیاں یا تو زندگی بھر بغیر شادی کے ہی بیٹھی رہی ہیں یا ان کے والدین کو

---

۵۱ بھارتیہ سماج اور سنسکرت۔ کیلاش ناتھ شرما صفحہ ۱۸۰

۵۲ " " " " صفحہ ۱۸۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بوڑھے آدمی سے اُن کی شادی کر دینی پڑی ۔ ان بے جوڑ شادیوں نے سماج میں بہت سی برائیاں پیدا کیں ۔

طلاق کے معاملے میں ہندو مذہب کے قوانین اور عیسائی مذہب میں کیتھولک فرقے کے قوانین قریب قریب یکساں ہیں ۔ دونوں کا خیال ہے کہ شادی کا تعلق خدا کا بنایا ہوا ہے ۔ لہٰذا اس کو مت توڑو ۔ منو نے بھی اسی خیال کا اظہار کیا ہے ۔ کہ شوہر اور بیوی کو علٰحدگی نہیں اختیار کرنی چاہیئے ۔ انھوں نے یہاں تک کہا ہے کہ شوہر اگر کسی بات پر بیوی کو چھوڑنا بھی چاہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ شوہر کے ساتھ رہے ۔ منو نے صرف ایک صورت میں طلاق کی اجازت دی ہے اور عورت کو دوسری شادی کر لینے کا حق دیا ہے کہ اگر شوہر کسی لا علاج مرض میں مبتلا ہے تو اس کو چھوڑ دینے میں حرج نہیں ہے ۔ سمرتیوں اور دھرم شاستروں سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے کہ عورت کو طلاق لینے کا حق نہیں تھا سوائے چند خاص حالات میں ۔

اس صورت میں جب ہم عورتوں کے حقوق کا مطالعہ کرتے ہیں یا اس کی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ ابتدائی حالات اور آزادی محض ایک روائت بنکر رہ جاتی ہے اور اصل شکل جو ہمارے سامنے آتی ہے ۔ وہ ایک مظلوم اور ستم رسیدہ عورت کی ہے ۔ جس کے تمام حقوق اور آزادیاں سلب کر لی گئی ہیں ۔ اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ ہندو مذہب نے عورتوں پر سخت گیری کی پالیسی کو روا رکھا ۔ بلکہ یہ جائزہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ جو رسوم غلط طریقہ پر شروع ہوئیں اور جنھیں کسی بھی وجہ سے مذہبی لباس میں پیش کیا گیا ۔ انھوں نے عورت کی اہمیت اور حیثیت کو بڑی حد تک نقصان پہونچایا ۔

اسلام نے مذہبی طور پر عورتوں کو کتنی آزادی دی اور کیا کیا حقوق دیے اس کے مطالعے کے لیے قرآن مجید کا جائزہ لینا پڑے گا ۔ چونکہ اسلام کے تمام قوانین وہ خواہ زندگی کے کسی شعبہ سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں قرآن ہی سے اخذ کئے گئے ہیں ۔ اس لئے عورت کی صحیح مذہبی حیثیت بھی پہلی بار اسی کے ذریعہ متعین کی گئی ہے ۔ اس کے علاوہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بعض روایات اور احادیث کو بھی اس سلسلے میں اہمیت حاصل ہے اکثر انھیں بھی سند کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

چونکہ اسلام کی ابتدا عرب سے ہوتی ہے اور قدرت نے اس کے لئے عرب کا انتخاب بھی اسی لئے کیا تھا کہ وہاں برائیاں اپنی حد کو پہنچ چکی تھیں۔ ان کی جہالت اور سخت گیری کٹرپن اور ضد کی بنا پر صدیوں ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ سے لڑا کرتا تھا اور اس طرح سینکڑوں نسلیں صرف جنگ کے لئے وقف ہو جاتی تھیں۔ اسی جہالت میں وہ کسی کو اپنی لڑکی دینا اپنے لئے باعثِ ہتک سمجھتے تھے۔ لہٰذا وہ یا تو لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے یا پہاڑ کی بلندی سے نیچے غاروں میں پھینک دیتے تھے۔ اسی صورت میں اسلام نے جہاں پورے نظامِ زندگی کو ترتیب دیا۔ وہیں عورت و مرد کے حقوق و فرائض کے سلسلے میں بھی قوانین بنائے۔

لڑکیوں کے قتل کر دینے کا ثبوت ہمیں قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ قرآن کے ایک حکم کے ذریعہ اسلام نے سب سے پہلے اس برائی کو ختم کیا۔ سورہ بنی اسرائیل میں بہت صاف الفاظ میں یہ آیا ہے کہ اولاد کا قتل کرنا گناہ اکبر ہے۔[1]

اس کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں تمھاری اولادیں ہیں ان کے ساتھ تمھارا برتاؤ امتیازی نہیں ہونا چاہئے۔ یہ مناسب نہیں ہے کہ تم ایک کو زندہ دفن کر دو اور دوسرے کو اپنی ملکیت کا وارث قرار دو۔ قرآن شریف نے ہر جگہ عورت کو مرد کے برابر درجہ دیا ہے اور اسی لئے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کے مسئلے میں بھی اسلام میں کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے۔ لڑکیوں کو بھی لڑکوں کے برابر علم حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

اسلام نے عورت کو پردہ کرنے کا حکم دیا۔ اسلام سے قبل بھی پردے کا رواج تھا۔ لیکن اس رواج اور اسلام کے حکم میں فرق ہے۔ وہ رواج صرف شانِ ریاست

---

[1] إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيرًا ۝ قرآن الحکیم سورۃ بنی اسرائیل ۱۷/۳۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی بنا پر تھا کہ بڑے آدمیوں کی عورتیں پردے میں رکھی جاتی تھیں اور نچلے طبقہ کی عورتیں عام طور پر باہر نکلتی تھیں لیکن اسلام نے تمام عورتوں کے لئے یکساں قانون بنایا اور حکم دیا کہ عورتیں ۔ دیدہ و دانستہ اپنی نمائش نہ کریں ۔ چونکہ بے حجاب مردوں سے ملنے اور ان کے سامنے آنے جانے میں معاشرتی خرابیوں کے پیدا ہونے کا زیادہ امکان تھا ۔ اس لئے کہا گیا کہ جہاں سامنے آئے بغیر مطلب نہ حل ہو سکتا ہو وہاں بے شک پردے کی اوٹ سے کام لو ۔ [1]

اسلام میں کھلم کھلا مردوں اور عورتوں کے ملنے کو پسند نہیں کیا گیا ہے ۔ لیکن گھر سے باہر جانے کی ممانعت بھی نہیں کی گئی ہے بشرطیکہ باہر جانا نمائش کے لئے نہ ہو ۔ ضرورت کے تحت گھر سے باہر جایا جا سکتا ہے ۔ لیکن ۔ ایسی حالت میں مردوں کو بھی حکم دیا گیا ہے کہ وہ عمداً کسی عورت کی طرف نہ دیکھیں

زمانۂ جاہلیت میں شادی کے لئے عورتوں میں کوئی تفریق نہیں تھی ایک مرد کسی سے بھی شادی کر سکتا تھا ۔ خواہ وہ اس کی اپنی بہن ہی کیوں نہ ہو ۔ ان رسوم کی وجہ سے عورتوں کا کوئی سماجی مقام یا مذہبی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی ۔ اسلام نے سب سے پہلے شادی کے سلسلے میں بعض عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا ۔ اور اس رسم کی بیخ کنی کی جس کی تحت کسی شخص کی موت کے بعد اس کی بیوی بھی اس کے ترکے کی صورت میں بڑی اولاد کو مل جاتی تھی اور لڑکا اپنی ماں سے شادی کر لیتا تھا ۔ اسلام نے سختی سے ان باتوں کو روکا اور ایک حد معین کی کہ کن عورتوں سے شادی کی جا سکتی ہے اور کن عورتوں سے شادی حرام ہے ۔ ان میں ماں ۔ سوتیلی ماں ۔ بیٹیاں ۔ بہنیں ۔ بھتیجیاں ۔ بھانجیاں ۔ خالائیں ۔ پھوپھیاں رضاعی مائیں ۔ رضاعی بہنیں ۔ بیویوں کی مائیں ۔ بہویں ۔ اور دو سگی بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ۔ ساتھ ہی تمام شادی شدہ عورتیں

---

[1] عورت اور اسلامی تعریف ۔ مالک رام صفحہ ۲۲ ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو مطلقہ نہ ہوں حرام قرار دی گئیں۔

اسلام کے اس قانون نے عورت کی سماجی حیثیت کو بڑی حد تک محفوظ کیا۔ ورنہ اس کے لئے کوئی نظام نہیں تھا۔ تعدّد ازدواج کی اجازت بھی اسلام نے مشروط صورت میں دی۔ ساتھ ہی اس پر ایک پابندی بھی لگا دی کہ بیویوں کے درمیان عدل اور مساوات کا برتاؤ کرو۔ ایک اور جگہ کہا گیا ہے۔ کہ تعدّد۔ ازدواج میں عدل والصاف ایک حد تک غیر یقینی ہے۔ اس لئے کہ انسان نئے تعلقات کے سلسلے میں جانب دار ہو جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اگر تم چاہو تو بھی عورتوں کے بارے میں عدل نہیں کر سکتے۔ وہ تو محبت اور جذبات سے متعلق ہے نہ کہ ظاہری تعلقات کے لئے [1]

اسلام نے عورت کو اس بات کا کلّی اختیار دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے شوہر کا انتخاب کرے۔ اگر لڑکی نابالغ ہے تو اس کا ولی اس کی شادی کر سکتا ہے۔ لیکن بالغ ہونے کی صورت میں وہ اپنے لئے خود فیصلہ کرنے کی مجاز ہے۔ اگر اس کے بالغ ہونے کے بعد اس کا ولی شادی کے معاملے میں اس کی اجازت کے بغیر کوئی قدم اٹھائے تو وہ اس پر عمل کرنے کے لئے مجبور نہیں ہے۔

اسلام نے نکاح کے ساتھ جو پہلی شرط لگائی وہ "مہر" ہے۔ مہر اس رقم کو کہتے ہیں جو مرد اپنی بیوی کو بطور ہدیہ دیتا ہے۔ لیکن اس رقم کا ادا کرنا مرد کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اسے اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ مہر کی رقم نہ ادا کرے۔ یہ بات اسلامی تعلیم کے منافی ہے۔ مہر عورت کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے۔ وہ اسے جس طرح چاہے خرچ کرے اور اس سلسلے میں جو چاہے وصیت کر سکتی ہے۔

خانگی زندگی میں بھی اسلام نے عورت کو مرد کے برابر حقوق دیے ہیں۔ عورت اور مرد کے تعلقات کے سلسلے میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے ساتھ

---

[1] عورت اور اسلامی تعریف۔ مالک رام صفحہ ۷۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نیکی اور انصاف کے ساتھ پیش آئیں۔ اور عورت پر پوری طرح اعتبار کریں۔ گھر کے معاملات میں اس سے مشورہ لیں۔ اگر اُس سے کوئی غلطی ہو جائے تو درگزر کریں۔ قرآن نے عورت اور مرد کے تعلقات کو ایک نہایت لطیف مثال کے ذریعہ بیان کیا ہے۔ جس سے اس مساوات اور برابری کا اندازہ ہوتا ہے جو اسلام نے عورتوں کو دی۔ قرآن شریف میں آیا ہے کہ عورتیں تمہارے لئے لباس (کا درجہ رکھتی ہیں) اور تم ان کے لئے لباس کا درجہ رکھتے ہو۔ ۵۱

اختلافی مسائل میں اس کی اجازت دی گئی ہے کہ مرد عورت کو طلاق دیدے لیکن بغیر کسی سبب کے طلاق دینا غلط قرار دیا گیا ہے۔ اختلافات کی صورت میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے کہ پہلے حالات کو استوار اور مصالحت کی کوشش کی جائے۔ اور اگر اس سے کام نہ چلے تو آخری صورت میں طلاق دیدی جائے۔ طلاق کے بعد ایک خاص مدت تک عورت کو دوسری شادی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بعد اُسے پورا حق ہے کہ وہ کسی کے ساتھ بھی شادی کر سکتی ہے۔ طلاق یا دوسری شادی سے اس کی سماجی حیثیت میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا ہے۔

اسلام نے پہلی بار عورت کو مرد سے علیحدگی کا حق دیا۔ یہ بات اس کی نشان دہی کرتی ہے کہ مذہبی طور پر اسلام میں عورت کو کتنے حقوق حاصل ہیں۔ اس سے قبل عورت ہر صورت میں مرد کے ساتھ گزر کرنے پر مجبور تھی۔ اگر مرد خود ہی اُسے نہ چھوڑ دے لیکن اسلام نے اُسے "خلع" کا حق دیا۔

وراثت کے سلسلے میں بھی اسلام نے باقاعدہ طور پر قوانین وضع کئے۔ اور پہلی بار عورت کو باپ اور شوہر کی جائداد میں حقدار قرار دیا۔

اس تجزیہ سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مذہبی طور پر اسلام نے عورت کو وہ تمام حقوق دیے ہیں۔ جس سے اسے برابر کا درجہ مل سکتا تھا۔

---

۵۱ عورت اور اسلامی تعلیم: مالک رام۔ صفحہ ۱۰۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف مذاہب نے عورت کو ایک باعزت اور اہم مقام دیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مذہبی احکامات پر پوری طرح عمل نہیں کیا گیا۔

عورت کی پستی کے سیاسی اور سماجی اسباب:۔

عورت کی ذات ہمیشہ سے اختلافات اور بحث کا موضوع رہی ہے، اس بحث میں عموماً یہ دیکھا گیا ہے۔ کہ جب بھی کسی نے عورت پر لکھنے کے لئے قلم اٹھایا اس نے عورت سے زیادہ اپنے خاص نظریات اور ایک حد تک خاص تجربات کو بنیاد بنایا اس میں اس کی ذاتی کامیابیاں۔ محرومیاں۔ ناکامیاں اور دوسرے درجے کی انفرادیت زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ یہ ہو کر لکھنے والوں میں زیادہ تر مرد ہیں۔ اس لئے وہ ان کے مسائل کو غیر جانب داری سے نہیں دیکھ سکے اور تعصب (PRE-JUDICES) نے ان کے مفہوم کو اُلجھا دیا ہے یا تحت الشعور سے ان کے اپنے ہونے کا خیال دور نہیں ہوا۔ اس کی بہترین مثال (LUDOICI, W.L. GEORGE, OTTO WEININGER) کی کتابوں میں ملتی ہے۔ ان کی کتابوں میں عورت کی ترقیوں اور کامیابیوں کے بجائے ذاتی نقطہ نظر زیادہ ہے۔ اِن کتابوں کے سلسلے میں جان لینگڈن ڈیویس نے لکھا ہے کہ یہ کتابیں صحیح علم کے بجائے سطحی معلومات اور اسباب و تفکر کے بجائے انا اور غرور پر مبنی ہیں [۵]

عورت کی پستی کے اسباب میں اِن مصنفوں اور اس قسم کی کتابوں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس لئے کہ انھوں نے ایک عام مزاج اور نظریہ بنانے میں مدد کی۔ ان کے بموجب پہلا نظریہ عورت کے بارے میں یہ ہے کہ عورت جسمانی طور سے کمزور ہوتی ہے۔ دوسرے ذہنی طور سے مردوں سے کمتر ہے تیسرے مزاج کے اعتبار سے

---

[۵] J.L. DAVIES, 'A SHORT HISTORY OF WOMEN' Page-15

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بہت جلد تبدیل ہو جانے والی ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کا تو یہاں تک خیال ہے کہ عورت ایک معمہ ہے اس کو نہ تو کوئی سمجھ سکتا ہے۔ اور نہ زیادہ دنوں خوش رکھ سکتا ہے اور چونکہ وہ مرد کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے لئے سب سے بڑا خطرہ بھی ہے اس کا وجود صرف بچوں کی پرورش اور گھر کے کاموں کے لئے ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وہ فطری طور پر وہ کسی کام کے لئے موزوں نہیں ہے۔ ان مغربی ادیبوں کے ساتھ ہندوستانی ادیبوں نے بھی اکثر جگہوں پر ان کے خیال کی تائید کی ہے۔ ایسے خیالات عموماً شاعرانہ اور ماورائی و تصوراتی ہیں۔ ان کی نگاہیں عورت کے لئے اس شاعر مزاج نوجوان لڑکے مارچ بینکس (MARCHBANKS سے زیادہ نہیں ہیں جو جمیس مور مارل سے صرف اس بات پر لڑ جاتا ہے کہ کینڈڈا کے ہاتھ پیاز کاٹنے جوتوں پر پالش کرنے اور لیمپ میں تیل بھرنے کے لئے نہیں ہیں۔ وہ مارل کے ساتھ خود اپنے کو بھی کینڈڈا کا اہل نہیں پاتا۔ بلکہ کہتا ہے کہ ہم دونوں کو مغرب اور مشرق کی طرف کینڈڈا کے لئے ایک مناسب شوہر تلاش کرنے کے لئے نکل جانا چاہیئے۔ اس لئے کہ مارل کینڈڈا سے کام لیتا تھا۔ اور مارچ بینکس کا خیال تھا۔ کہ وہ کام کرنے کے لئے نہیں بنائی گئی ہے۔ اسی طرح ہمارے بہت سے مصنفین کا خیال ہے کہ عورت میں کام کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی۔ یہ بات ان کے جذباتی لگاؤ اور شاعرانہ مزاج کی نشان دہی کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح نیاز فتحپوری نے لکھا ہے۔

> "عورت کے جسم و دماغ کی ساخت ہی صرف اس لئے نازک بنائی گئی ہے کہ وہ دنیا کے اُن ہنگاموں میں حصّہ نہ لے سکے۔ جن کا مقابلہ کرنے کے لئے صرف مرد وضع کیا گیا ہے۔ اس کا کام ان جذبات کی پرورش کرنا ہے۔ جن کا تعلق امن و سکون سے ہے۔ نہ کہ شور ہنگامے سے۔ اگر عورت مرد کے دوش بدوش تمام مردانہ مشاغل میں حصّہ لینے کے لئے آمادہ ہو جائے تو ہم نہیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہہ سکتے کہ ان کو پورا نہیں کرسکتی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ وہ اقتضائے
فطرت کے خلاف چلنے والی کہلائے جلئے گی اور کائنات کا نظام
جس میں نازک و کرخت، نرم و کشن دونوں پہلو برابر رکھے گئے ہیں
درہم وبرہم ہو جائے گا۔[1]

عورت کی پستی کا سیاسی سبب سب سے زیادہ اہم ہے اس لیے کہ اس نے مجموعی طور پر عورت کی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ اور یہ سبب جنگ ہے۔ عورت کی مسرتوں کو کسی خیال نے اتنا زیادہ تباہ نہیں کیا جتنا مرد کی فتوحات کی خواہش نے کیونکہ مرد تو جنگوں میں کام آجاتے ہیں اور فاتح افواج عورتوں پر قبضہ کر لیتی ہیں۔ اس طرح عورت کی زندگی ہمیشہ کے لئے مسرتوں سے محروم ہو جاتی ہے۔ اگر ہم کسی ملک کی سیاسی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو اس کا اندازہ ہوگا کہ کس طرح جنگوں کے ردّ عمل کے طور پر عورتوں کی سماجی اہمیت ختم ہوئی ہے۔ خود ہندوستان کی تاریخ جنگوں کے ذکر سے بھری ہوئی ہے۔ ان جنگوں میں مردوں کے قتل ہو جانے کے بعد عورتوں کو غیر مہذب زندگی گذارنی پڑتی تھی اگر وہ فاتحین کے قبضہ میں آجاتیں تو وہ ان کے ساتھ جس قسم کا بھی سلوک کرتے انھیں برداشت کرنا پڑتا۔ یا جس طرح کی زندگی گذارنے کے لیے ان سے کہا جاتا وہ اس کے لیے مجبور تھیں دوسری صورت میں اگر وہ فاتحین کے قبضہ میں آنے سے بچ جاتیں تو خود ان کا سماج انھیں ان کی سابقہ اہمیت دینے کو تیار نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ہر جنگ کے بعد عام طور پر مفتوح ملک میں مردوں کی کمی ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جنگ میں کام آجانے والوں کی بیویوں کی شادی نہیں ہو پاتی تھیں۔ کم ہی عورتیں ایسی ہوتی تھیں جن کا خاندان ان کے بوجھ کو برداشت کر لیتا ہو۔ اس صورت میں بھی اگر وہ اپنے خاندان ہی میں رہ گئیں تو انھیں خراب زندگی گذار پڑتی تھی۔ بقیہ عورتوں کے لئے معاشی حالات

---

[1] گہوارہ تمدن۔ نیاز فتحپوری صفحہ ۲۴۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پر قابو پانا مشکل ہو جاتا تھا۔ اور ایسی صورت میں زندہ رہنے اور زندگی کی دوسری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے انھیں ہر جائز ناجائز کام کرنے پڑتے تھے۔ وہ کسی قحبہ خانے میں بدکاری کی زندگی گذاریں یا کسی کی مدخولہ کی حیثیت سے رہیں۔ ان کا سماجی درجہ وہی رہتا تھا۔ جان لینگڈن ڈیویس نے اس مسئلے پر کہ جنگ عورت کو کس طرح تباہ کرتی ہے۔ روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ جنگ چار طریقوں سے عورت کو برباد کرتی ہے

(۱) اپنے مردوں کی بدقسمتی سے وہ کھوکھلی ہوتی ہیں یا مار ڈالی جاتی ہیں۔

(۲) غلامی کی تعداد سیکڑوں گنا بڑھ جاتی ہے۔

(۳) اس کی فطری ذہانت ختم ہو جاتی ہے۔

(۴) مردوں کی کمی کی وجہ سے اسے جہاں تمام کاموں میں حصّہ لینا پڑتا ہے۔ وہیں اسے خراب زندگی گذارنے پر بھی مجبور ہونا پڑتا ہے [۱]

اس کے علاوہ جنگوں سے جو سب سے بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ وہ تہذیبی اور اخلاقی گراوٹ ہے کسی بھی جنگ کے بعد عام طور پر تہذیبی اور اخلاقی قدریں بکھر سی جاتی ہیں۔ فوجی سخت محنت کرنے کی وجہ سے اکھڑ ہوتے ہیں۔ ان کی اخلاقی اور تہذیبی قدروں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی اس لئے شہروں پر چند روزہ حکمرانی میں وہ اپنی پوری بربریت اور وحشیانہ پن کا ثبوت دیتے ہیں۔ ساتھ ہی عورتیں شاہد بازاری کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوتی ہیں جو ان کی تمام مسرتیں اور ان کی زندگی کا تمام حسن ختم کر دیتی ہے۔

جاگیرداری عہد میں چونکہ بغاوتیں اور جنگیں زیادہ ہوئیں اس لئے اس دور میں عورتوں کی قدر و منزلت کم نظر آتی ہے۔ عورت کی اہمیت ایک صورت میں تو ضرور تھی کہ وہ ان کی تفریحی محفلوں کا حسن اور عیش و عشرت کا ذریعہ تھیں لیکن

---

[۱] J. L. DAVIES, 'A SHORT HISTORY OF WOMEN' PAGE 20

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس کے علاوہ اس کی کوئی سماجی اہمیت نہیں تھی۔ اگر عورت منکوحہ بیوی ہے تو گھر کی چہار دیواری کے اندر گھٹ گھٹ کر مر جانا ہی اس کا مقدر ہوتا تھا۔ اور اگر وہ طوائف ہے تو اس کی ضرورت عیش و عشرت کی محفلوں تک محدود تھی۔ عورت کے زوال کے اسباب میں یہ ایک بہت بڑی وجہ ہے۔ کلیم اللہ نے لکھا ہے کہ:

"عہد جاگیرداری میں بیوی کا فرض اسی قدر تھا کہ وہ خانہ داری کے امور انجام دے اور خادماؤں اور لونڈیوں پر نگرانی رکھے ان لونڈیوں سے مرد چاہتے تو جنسی تعلقات بھی رکھ سکتے تھے۔ لیکن ان کی بیویاں کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتی تھیں ...... ہندوستان میں عہد جاگیرداری کے معاشرے میں امراء جاگیردار اور تمام اعلیٰ طبقوں کی معاشرت میں تقریباً یہی شکل نظر آتی ہے۔ طوائف اس دور کی سوسائٹی کا اہم جز تھی۔ جب تک گھر میں کئی طوائفیں نہ ہوتیں تب تک گھر کی شان نہ رہتی۔ مردوں کا زیادہ وقت انھیں کے پاس بسر ہوتا، سارے عیش و عشرت اور دلچسپیوں کا مرکز یہی رہتیں۔ ان کی شائستگی اور آرٹسٹک مذاق کا شہرہ رہتا اور مرد زندگی کی ہر قسم کی مسرتیں ان سے حاصل کرتے اور اپنی ساری دولت ان کے قدموں پر نچھاور کرتے اور یہی جب اپنے گھر میں داخل ہوتے تو بالکل باجبروت حاکم بن جاتے بیوی ڈری سہمی ان کا خیر مقدم کرتی۔ اور اس کرم فرمائی پر ممنون اور مشکور ہوتی ہے[1]"

اس معاشرے نے جس میں گھر کی عورتوں کی کوئی اہمیت نہ تھی اور مرد طوائفوں سے دل بہلاتے تھے۔ سماج میں بہت سی خرابیاں پیدا کیں یہ خرابیاں ایسی تھیں

---

[1] سماج کا ارتقار کلیم اللہ صفحہ ۱۲۲-۱۲۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ احساس فوری طور پر نمایاں نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس نے دھیرے دھیرے ہماری تہذیبی اور اخلاقی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا۔ جب مرد کے ذہن میں عورت قابلِ محبت یا باعثِ کشش اسی وقت ہو جب کہ وہ طوائف ہو جائے تو ایسے معاشرے کی اخلاقی حیثیت کیا ہو گی۔ وہ عورتیں جو ایسے امراء اور رؤسا کی حویلیوں اور محل سراؤں میں قید رہتی تھیں انھیں مجبوراً بے راہ روی کی زندگی اختیار کرنی پڑی تھی۔ اس لئے کہ وہ اپنے شوہروں کے دلوں پر فتح پانے میں ناکام رہتی تھیں۔ ان کا تمام تر التفات بیرونِ خانہ ہوا کرتا تھا۔ اس لئے اس کا لازمی نتیجہ ردِ عمل کے طور پر یہ ہوتا تھا کہ گھر کی عورتیں ایسی باتوں کا شکار ہو جاتی تھیں جن سے معاشرے میں عورت کی قدر و منزلت اور بھی گر گئی۔

عورتوں کی پستی کے اسباب میں سیاسی محرومیوں کے ساتھ سماجی اور مذہبی پابندیوں کا بھی بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ جاگیردارانہ طبقوں میں عورتوں اور مردوں کے درمیان جنسی تعصب زیادہ واضح شکل میں نظر آتا ہے۔ دولتمند گھرانوں کی عورتیں جن کی نگاہ میں زندگی کا اصل مقصد عیش و عشرت ہے۔ اور جن کو اس وقت کے سماج کا نمائندہ کہا جا سکتا ہے۔ عادتاً خوشامدی بن جاتی تھیں اور اپنا زیادہ تر وقت ایسے طریقوں اور ان چیزوں کے استعمال پر صرف کرتی تھیں جن سے وہ اپنے شوہروں کو خوش رکھ سکیں۔ اس لئے کہ شوہر عموماً پیشہ ور عورتوں سے دل بہلایا کرتے تھے۔ ادھر گھر کی عورتوں کے ذہنوں میں بچپن سے یہ بات بسا دی جاتی تھی کہ ان کا مقصدِ حیات شوہر پرستی ہے۔ اس سے انتہا پسندانہ شوہر پرستی کے جذبے نے عورت کی خود داری۔ وقار۔ اور کردار کو پست بنا دیا اور ان میں اپنی انفرادیت کا احساس اپنے مسائل اور حقوق کے بارے میں سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہی۔

عورتوں کی ترقی میں ان کی معاشی کمزوریاں بھی حائل رہیں۔ یہ معاشی کمزوریاں بھی ان کی پستی کا بہت بڑا سبب ہیں۔ چونکہ معاشی حیثیت سے ان کی زندگی کا تمام تر انحصار مردوں ہی پر تھا۔ اس لئے وہ سماج میں ایک عضوِ معطل ہو کر رہ گئی۔ دوسرے مرد خاندان کا سربراہ ہوتا تھا اس نظریے نے بھی عورتوں کی سماجی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حالت کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا۔ چونکہ عورتوں کی ضروریات زندگی کا انحصار صرف مردوں پر تھا۔ اس لیے ان کی تابعداری کرنا ان کے لیے لازمی تھا۔ مشترکہ خاندان کے رواج نے بھی عورت کی سماجی حیثیت کو نقصان پہنچایا اس لئے کہ مشترکہ خاندان میں صرف مرد کی اہمیت ہوتی تھی اور مردوں میں بھی وہ جو خاندان میں سب سے بڑا ہو۔ ایسے خاندانوں میں عورت کی کوئی انفرادیت اور اہمیت نہیں تھی اسے صرف دوسروں کی خدمت کرنا اور مردوں کی زیادتیوں کو برداشت کرنا تھا۔ بچّوں کی شادی یا خاندان کی خاص باتوں میں بھی اس کی کوئی رائے نہیں تھی معمولی معمولی باتوں پر خاندانی جھگڑے ہوتے اور سارا عتاب عورت پر نازل ہوتا۔ عام طور پر ازدواجی زندگی کی معمولی مسرت بھی اُس کے حصّہ میں نہیں آئی تھی۔

عورت کے زوال کے اسباب میں چند باتوں کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان میں سب سے پہلے بچپن کی شادی کا رواج ہے۔ اس رواج سے بہت سے سماجی اور معاشرتی نقصان ہوئے یعنی عورت بچپن کی شادی کی وجہ سے علم جیسی نعمت سے محروم رہی۔ ایک زمانے میں ماں باپ بہت چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کے رشتے کر دیا کرتے تھے۔ اس کی وجہ سے اوّل تو وہ تعلیم نہیں حاصل کر پاتی تھیں دوسرے کم عمری ہی میں صاحب اولاد ہو جاتی تھیں۔ جس کا اثر خود ان کی صحت پر پڑتا تھا اور ساتھ ہی ان کے بچے جسمانی اور دماغی اعتبار سے اپنے بزرگوں سے کمتر درجے کے ہوتے تھے جس سے ملک کی رفتار ارتقاء میں رکاوٹ پیدا ہوئی۔ ڈاکٹر جعفر حسن نے لکھا ہے کہ۔

"بچپن کی شادی کی اولاد صحت کے اعتبار سے اتنی گھٹیا نہیں ہوتی جتنی کہ ہجاندار ی کے اعتبار سے ہوتی ہے یعنی ان میں وہ قوت و طاقت نہیں ہوتی کہ اپنی دماغی اور جسمانی قابلیت سے پورا فائدہ اٹھائے وہ ہوشیار اور ذہین ہوتے ہوئے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نکلتی ہوتی ہے۔ وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو کوشش اور مستقل
مزاجی کے باوجود اجاگر نہیں کرتی اور اپنی سیرت کی خوبیوں
کو پروان نہیں چڑھا سکتی" ؎

اس کے علاوہ بچپن کی شادیوں سے یہ بھی نقصانات ہوتا تھا کہ بہت زیادہ تعداد میں چھوٹی چھوٹی لڑکیاں بیوہ ہو جاتی تھیں۔ اور چونکہ ہندو سماج میں بیواؤں کی شادی کا کوئی رواج نہیں تھا۔ لہٰذا ان لڑکیوں کو اپنی زندگی گذارنی مشکل ہوتی تھی ــــ اس بچپن کی بیوگی اور بیواؤں کی شادی نہ ہونے کے رواج نے عورت کی تمام تر انفرادیت اور اہمیت کو خاک میں ملا دیا یہ بدنصیب اور غریب بیوائیں سماج میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی تھیں اور خاندان کے افراد بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا یہ اپنی جائے پناہ قحبہ خانوں اور بدکاری کے اڈوں کو بنا لیتی تھیں۔ وہاں پہنچ کر وہ معاشی تفکرات سے چھٹکارا پا جاتی تھیں۔ اور دوسری طرف ان کی انا کو بھی وقتی طور سے تھوڑی سی تسکین مل جاتی تھی۔

ایک قدیم ہندوستانی عقیدے کے مطابق بیوائیں اپنے شوہروں کی موت کی ذمہ دار ہیں۔ یہ عجیب وغریب عقیدہ نظریہ تناسخ سے ملا ہوا ہے یعنی اس کے شوہر کو اس کے پچھلے جنم کے گناہوں کی سزا میں واپس لے لیا گیا۔ اس لئے اس کو دوسری شادی کرنے کی اجازت بھی نہیں تھی اور گھر میں اس کے ساتھ بہت برا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ زیادہ تر بیوائیں خاص کر نوجوان بیوائیں قحبہ خانوں میں چلی جاتی تھیں۔ جہاں کم از کم وہ گھر کی اذیت ناک باتوں سے محفوظ رہتی تھیں ایک جرمن ماہر جنسیات (HURSCHFELD) ہرشفیلڈ کلکتہ، بنارس، دہلی، اور بمبئی میں اپنے ہندوستانی دوستوں کے ساتھ قحبہ خانے دیکھنے گئے وہاں انھوں نے لڑکیوں سے گفتگو کی اور ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

؎ ہندوستانی سماجیات۔ ڈاکٹر جعفر حسن صفحہ ۶۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"ان میں سے زیادہ تر نے بتایا کہ وہ اس پیشہ میں بیوہ ہونے کے بعد آئیں۔ اس وقت بھی میرے سامنے ایک بہت خوبصورت پستہ قد لڑکی گود میں اپنے بچے کو لئے اپنے کمرے کی چھت پر ٹہل رہی ہے۔ میرے ہندوستانی ساتھیوں نے جب اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کس طرح پہنچی تو اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا کہ وہ پندرہ سال کی عمر میں بیوہ ہو گئی تھی اور بہر حال اسے کسی نہ کسی صورت اسے اپنے بچے کا پیٹ پالنا تھا" [1]

ان بیانات سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بچپن کی شادی اور بیواؤں کی شادی نہ ہونا عورت کے زوال کا بہت بڑا سبب ہے ان دونوں باتوں نے عورت کی سماجی حیثیت کو بالکل ختم کر دیا۔ سماج میں اس کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں رہی۔ وہ بالکل لاچار مظلوم اور مجبور ہو کر رہ گئی۔ جس پر صرف ترس کھایا جا سکتا تھا۔ مدد نہیں کی جا سکتی تھی۔

ان خرابیوں کے ساتھ پردے کے رواج نے بھی بڑی حد تک عورت کو سماجی حیثیت سے کچل کر رکھ دیا۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ پردہ مسلمانوں کا لایا ہوا ہے۔ اور مسلمانوں کے ڈر سے انھوں نے اپنی عورتوں کو پردہ کرانا شروع کیا [2]

لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ویدوں کے زمانے میں یعنی تقریباً ۲۰۰۰ ق م میں پردے کا رواج تھا۔ اس کے علاوہ منو نے ہندوستان کے قدیم دستور کی پہلی کتاب میں جو چوتھی صدی قبل مسیح میں لکھی گئی ہے لکھا ہے کہ

"عورت کو دن اور رات خاندان کے مردوں کی نگرانی میں گھر کے اندر رہنا چاہیے۔ بچپن میں اس کے باپ کو اس کی نگرانی کرنا چاہیے۔ جوانی میں اس کے شوہر کو اور بڑھاپے میں اس کے لڑکے کو" [3]

---

[1] M. HURSCHFELD, 'WOMEN EAST AND WEST' P-167

[2] " " " " P-160

[3] " " " " P-161

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہاں پر اس بات سے بحث نہیں ہے کہ پردہ ویدک زمانے سے شروع ہوا یا مسلمان لائے اس چیز نے جس طرح بھی رواج پایا ہو اس میں شک نہیں کہ عورت کی تنزلی کا سبب بنی۔ پردے کی سخت پابندی نے اگر ایک طرف اس کی صحت پر اثر ڈالا تو دوسری طرف وہ نہ تو ملکی تعمیر کے کام میں حصہ لے سکی نہ اپنے تعلیمی معیار کو بلند کر سکی اور نہ سماجی اور معاشرتی کاموں کے لائق ہی رہی پردوں میں بند رہنے کی وجہ سے اس کی اقتصادی حالت بھی خراب ہوتی گئی اس لئے کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتی تھی جس کے لئے اسے پردہ چھوڑنا پڑے۔

مختلف طبقات میں عورت کے مسائل

یہاں تک عورتوں کے مسائل کا تعلق ہے۔ وہ مختلف طبقات اور مختلف مذاہب میں الگ الگ رہے ہیں۔ عام مسائل میں جو سب سے زیادہ اہم مسئلہ متوسط اور ادنیٰ طبقہ میں نظر آتا ہے وہ تعلیم کا مسئلہ ہے درمیانی اور ادنیٰ طبقے میں تعلیم نہ ملنے کے کئی اسباب ہیں پہلا سبب ان کی مالی دشواریاں اور دوسرا سبب کم عمری کی شادی ہے جہالت کی وجہ سے ان طبقہ کے لوگوں تک بیداری کی لہر نہیں پہنچ سکی یہی وجہ ہے کہ مردوں میں قدامت پسندی مذہب کی اندھی تقلید سماجی رسم و رواج کی پابندی کا جذبہ بڑھ گیا۔ اور جس کے سبب عورتوں پر غلامی کی زنجیریں قدرے سخت ہو گئیں دوسری طرف تعلیم نہ ملنے کی وجہ سے عورتوں میں ذہنی بیداری نہ پیدا ہو سکی۔ عام طور سے عورتوں کو انگریزی تعلیم دلانا معیوب سمجھا جاتا تھا بعض اعلیٰ طبقے کے خاندانوں کو چھوڑ کر جنھوں نے مغربی رسم و رواج قبول کر لئے تھے بقیہ گھرانوں میں انگریزی کی تعلیم دینا گمراہی کی راہ دکھانے کے برابر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ شاعر کا کلام اس کے دور کی تاریخ ہوتی ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں بھی ہمیں بعض شعرا کے یہاں ایسے اشارے مل جاتے ہیں۔ جو اس پابندی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ مثلاً اکبر الہ آبادی نے لڑکیوں کے انگریزی تعلیم حاصل کرنے پر طنز کرتے ہوئے کہا ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی
ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ

دوسرا سب سے اہم مسئلہ بے جوڑ شادی کا ہے۔ یہ مسئلہ قریب قریب ہر طبقہ میں عام ہے۔ لڑکوں کو کسی حد تک اپنی پسند اور ناپسند کا اختیار ہے لیکن لڑکیوں کے لئے زبان کھولنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ماں باپ جہاں کہیں چاہیں شادی کر دیں۔ خواہ اُن دونوں میں کوئی ذہنی، علمی اور مزاجی ہم آہنگی ہو یا نہ ہو۔ ان بے جوڑ شادیوں کا اثر پورے سماج پر پڑتا ہے۔ خانگی زندگی عام طور پر خراب رہتی ہے۔ کلیم اللہ نے لکھا ہے کہ۔

"...... شادی کے وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ مرد و عورت کے سن و سال حسن و طبائع میں کتنی چیزیں مشترک ہیں ان کی پسند کا کوئی سوال قابل غور نہیں ہوتا تھا صرف یہ دیکھا جاتا تھا کہ ایک دوسرے کی دولت و ثروت اور وجاہت میں کتنا اضافہ ہوتا ہے"۔ [1]

ان بے جوڑ شادیوں کا اثر کبھی کبھی تعدد ازدواج کی صورت میں ظاہر ہوا کرتا تھا۔ ویسے تو یہ چیز جاگیردارانہ عہد کی دین تھی ہی اور کئی بیویاں رکھنا رسم یا فیشن بن گیا تھا لیکن اکثر بے جوڑ شادیوں کے سبب یہ صورت حال پیدا ہوتی تھی۔ عورتوں کے لئے یہ بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اس لئے کہ کئی عورتوں کے ہونے کی صورت میں ان کی وہ خاندانی اہمیت یا سماجی حیثیت نہیں رہ جاتی جو ہونا چاہیے تھی۔ بڑے طبقوں میں کئی شادیاں کرنے یا مختلف عورتوں سے تعلق رکھنے کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں اگر بعض حالات میں مذہبی یا قانونی طور پر کئی شادیاں کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو ان کے لئے "بالا قانون" کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ بعض جگہ اس طوائفیت کی شکل بالکل دوسری ہے جو کہ بہت زیادہ اخلاق سوز ہے۔

---

[1] سماج کا ارتقاء کلیم اللہ ص ۱۲۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میگنس ہرش فیلڈ (MAGNUS HURSCHFELD) نے ہندوستانی عورتوں کے مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

" یہاں آج بھی بہت سے والدین اپنی لڑکیوں کو پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد دیویاں سمجھتے ہیں۔ مائیں ان کو بچپن ہی میں مندروں میں لے جاکر پجاریوں کے سپرد کر دیتی ہیں۔ اور پجارنیں ان کو " دیوی ،، بننے کی تعلیم دیتی ہیں۔ وہ انھیں ناچ سکھاتی ہیں ، گانا اور پوجا پاٹ کی تعلیم دیتی ہیں۔

یہ نوجوان لڑکیاں پجاریوں کی بیوی کی حیثیت سے رہتی تھیں۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ مندر کی دولت اور تحفہ کے طور پر دوسرے یاتریوں کی تفریح کے لیے بھی پیش کی جاتی تھیں اس زمانے میں اس برائی کے خلاف بہت زیادہ آواز اٹھائی گئی اور یہ " مقدس طوائفیت ،، دکنی ہند کا اس وقت سب سے اہم سوال تھا ،، ؎

عورت کے لیے یہ مسئلہ جتنا اہم ہے اس کا حل اتنا ہی دشوار اس لیے داس کا تعلق مذہب سے ہے۔ اور مذہبی معاملات میں کوئی اصلاح کرنا آسان نہیں۔ عورتوں کے مسائل میں تعدد ازدواج کے بعد طلاق کا حق آتا ہے۔ تمام طبقات کی عورتوں کی زندگی کا یہ ایک اہم مسلہ ہے۔ اس لیے کہ طلاق کا حق نہ ہونے کی صورت میں انھیں ہر طرح شوہر کے ساتھ گذر کرنا پڑتا ہے۔ خواہ وہ کتنی ہی خراب بیماری میں مبتلا ہو۔ یا وہ اپنے عادات و اطوار میں کتنا ہی خراب کیوں نہ واقع ہوا ہو۔

اسی کے ساتھ عورتوں کے مسائل میں جہیز کا مسئلہ بھی آتا ہے۔ یہ مسئلہ اعلیٰ طبقہ کے لیے تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا لیکن درمیانی طبقہ اور ادنیٰ درجے کے

؎ M. HURSCHFELD, 'WOMEN EAST AND WEST' P- 150, 151

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لوگوں کے لئے یہ بہت بڑا مسئلہ ہے۔ اکثر صرف جہیز کی رقم نہ ہونے کی وجہ سے والدین لڑکیوں کی شادی نہیں کر پاتے ہیں اور انھیں کافی عمر تک بیٹھے رہنا پڑتا ہے۔ عمر زیادہ ہوجانے کی وجہ سے شادی کرنے والوں کے مطالبات میں اضافہ ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے بعض وقت شادیاں نہیں ہو پاتیں۔ یا اگر ہوئیں بھی تو بے جوڑ شادیاں ہوئیں — مجبوراً والدین نوجوان لڑکیوں کی شادیاں بوڑھوں سے کرنے پر صرف اس لئے تیار ہوجاتے ہیں کہ ان کے پاس جہیز کا روپیہ دینے کی حیثیت نہیں ہے۔ اس ایک مسئلے نے سماج میں مختلف خرابیاں پیدا کیں۔

عورت کے لئے ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ اسے شوہر کی جائداد میں کوئی حق نہیں ملتا تھا جس کی وجہ سے شوہر کے انتقال کے بعد اس کی زندگی بچّوں کے رحم و کرم پر ہوتی تھی یا بالکل غلامانہ انداز میں اسے جینا پڑتا تھا۔

آزادیٔ نسواں کی جدوجہد اور ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں عورتوں کا حصّہ

آزادی کے مسائل عورتوں کی یوں تو ہر زمانے میں رہے ہیں اور اس کے حل کرنے کی ہمیشہ تھوڑی بہت کوشش بھی ہوئی رہی ہے۔ عورتوں کی آزادی کی باقاعدہ جدوجہد شروع ہونے سے پہلے بھی بعض زمانوں میں عورتوں نے اپنے حقوق طلب کئے تھے۔ لیکن یہ کوشش ابتدا میں منظم اور قانونی نہیں تھی۔ یوں تو ہمیشہ سے عورتیں مختلف علمی ادبی اور سماجی مشاغل میں دلچسپی لیتی رہی ہیں اور بہت سی مشہور عورتیں صرف یہی نہیں کہ اپنے زمانے میں مشہور رہی ہیں بلکہ ان کی شہرت تاریخ کا جز بن گئی ہے۔ جنھوں نے نہ صرف علوم و فنون میں دلچسپی لی بلکہ بعض زمانے میں ملک کی عنانِ سیاست بھی ان کے ہاتھ میں رہی ہے

عہدِ وسطیٰ اور مغلیہ دور میں عورتوں کو اپنی صلاحیتوں کو ظاہر کرنے کا کافی موقع ملا۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ فن تعمیر۔ موسیقی اور مصوری وغیرہ سے لوگوں کو عام طور سے دلچسپی تھی۔ جس کی تاریخی یادگاریں آج بھی مرکزِ نگاہ بنی ہوئی ہیں۔ اس زمانے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں بہت سی عورتیں ایسی تھیں جنھوں نے علوم و فنون میں مہارت حاصل کی۔ گوالیار کے راجہ مان سنگھ کی بیوی مرگ نینا (۱۵۱۶ - ۱۴۸۶) موسیقی میں بہت ماہر تھیں۔ پندرھویں صدی میں روپاوتی اور اس کے بعد میرا بائی کے گانوں کو حیات جاوید ملی۔ میرا بائی کے بھجن آج بھی اُسی عقیدت اور دلچسپی سے سنے جاتے ہیں۔

مغلوں کے زمانے میں مسلسل حملوں نے عورتوں کی سماجی حیثیت کو کافی متاثر کیا۔ عورتوں پر جنگ کے اثرات کس طرح پڑتے ہیں اس کا تفصیلی ذکر اوپر آ چکا ہے۔ لیکن لڑائی جھگڑوں سے جو عام نقصانات ہوتے ہیں اس کے علاوہ مغلوں کے زمانے کی لڑائیوں میں ایک نقصان یہ بھی ہوا کہ عورتوں کی حیثیت غیر محفوظ ہو گئی۔ چونکہ عام طور پر لوٹ مار کے واقعات ہوتے رہتے تھے۔ لہٰذا بودھ کے زمانے سے جو عورتوں کا ایک تبلیغی سلسلہ چلا آرہا تھا۔ وہ ختم ہو گیا۔ یہ بودھ بھکشنی مختلف مقامات پر گھوم پھر کر بودھ دھرم کی تبلیغ کرتی تھیں چونکہ مسلسل حملوں نے راستوں کو غیر محفوظ بنادیا تھا۔ اس لیے وہ جماعتیں بھی ختم ہو گئیں۔ جنوبی ہندوستان میں عورتوں کی حالت کچھ زیادہ اچھی تھی۔ تعلیم کا رواج بھی عورتوں میں تھا اور مقامی زبانوں کے علاوہ عورتیں سنسکرت بھی پڑھتی تھیں۔ پانیکر نے لکھا ہے کہ اُس زمانے میں بہت سی عورتیں شاعری کرتی تھیں۔ جس میں چودھویں صدی عیسوی میں گنگادیوی نام کی ایک عورت نے "مدھوراوجے یم" عنوان کی ایک رزمیہ نظم لکھی تھی۔ اس کے علاوہ ترو مالمبا دیوی اور ورجی بھی جنوبی ہند کی مشہور شاعرات ہیں [1]

مغلیہ دور کی ابتداء میں بابر کی لڑکی بھی قابلِ ذکر ہے اس نے ہمایوں نامہ لکھا تھا۔ جس میں اس زمانے کے حالات اور بادشاہ کی زندگی کا ذکر ہے۔ نورجہاں، اور شاہجہاں کی لڑکی جہاں آرا بھی کافی اہمیت کی مالک تھیں۔ اورنگ زیب کی لڑکی زیب النساء کے نام سے سبھی واقف ہیں وہ فارسی کی بہترین شاعرہ تھی۔ اور

---

[1] WOMEN OF INDIA' Page 9, 10

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تمام علوم و فنون سے دلچسپی رکھتی تھی۔ اپنی ذہانت اور طباعی کی وجہ سے اس زمانے میں اس نے ہزاروں دلوں پر حکومت کی۔

انتظامی امور میں بھی اس زمانے میں عورتوں نے بڑے اہم کارنامے انجام دیے ہیں۔ رانی درگاوتی، رضیہ سلطانہ۔ چاند بی بی۔ تارا بائی۔ اہلیہ بائی ہلکر وغیرہ ان خواتین میں ہیں جو اپنی صلاحیتوں کی بنا پر عورتوں کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ عہد مغلیہ میں عورتوں نے فنون لطیفہ اور دوسرے علوم میں کافی دلچسپی لی۔ اس کے باوجود یہ کہا جاتا ہے کہ عورتوں کا حصہ ہندوستان کی ترقی میں بہت کم ہے۔ یہ الزام صحیح ضرور ہے لیکن اس کی ذمہ داری عورتوں پر نہیں عائد ہوتی۔ عورتوں سے زیادہ ہندوستانی سماج اس کا ذمہ دار ہے۔ خود ویدک زمانے میں جس کے لئے کہا جاتا ہے کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان کوئی تفریق نہ تھی عملی حیثیت سے اس زمانے میں بھی عورتوں پر پابندیاں نظر آتی ہیں ایسی پابندیاں جنھیں سماجی رسوم اور مذہب کا جز تصور کر لیا گیا تھا۔ وہ رسوم اور پابندیاں عورتوں کی ترقی میں ہمیشہ مانع رہیں۔ دوسری وجہ عورتوں کی آزادی کی جد و جہد میں پیچھے رہ جانے یا سماجی تعمیر میں پوری طرح حصہ نہ لے سکنے کی یہ تھی کہ عورتیں عام طور پر فرسودہ خیالات کی تھیں۔ ایک طرف وہ سماجی رسموں کی پابند تھیں تو دوسری طرف غیر ملکی حملے اور بیرونی تہذیب کے اختلاط نے ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا جس میں عورتوں کے لئے ترقی کی راہیں مسدود ہو گئیں تھیں۔ یہ دشواریاں پچھلے سو سال تک قائم رہیں بچپن کی شادی تعلیم کا مسئلہ سیاسی حقوق سے محرومی، معاشی حیثیت سے عورتوں کا مردوں پر انحصار اور شادی بیوگان وغیرہ ایسی چیزیں تھیں جنھوں نے عورتوں کو ایسی سخت زندگی میں گرفتار کر دیا تھا جس کا ٹوٹنا آسان نہیں تھا۔ سیکڑوں سال کی جمی ہوئی گرد کو پھونک کر نہیں صاف کیا جا سکتا۔ اسی طرح عورتوں کو بھی ان سیکڑوں سال پرانی پابندیوں اور روایات کی بت شکنی میں کافی وقت لگا۔ تعلیمی ترقی سماجی اصلاحات

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی تحریک اور صنعتی انقلاب نے عوام میں بیداری پیدا کی۔ اور انھیں بھی عورتوں کی آزادی اور ان کے حقوق کا احساس ہوا۔ دوسری طرف عورتوں نے بھی منظم حیثیت سے اپنی جد و جہد کو شروع کیا۔ وِیولا کلین نے عورتوں کی سماجی اور تہذیبی زندگی اور ان کے حالات کی تبدیلی اور اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"پہلی سب سے اہم وجہ وہ سماجی اور تہذیبی تبدیلیاں ہیں جو صنعتی انقلاب کے سلسلے میں وجود میں آئیں انھوں نے خانگی زندگی میں عورت کی حیثیت کو بدل دیا۔ دوسرے انیسویں صدی میں سائنس نے ایسی ترقیاں کیں کہ جس نے نہ صرف یہ کہ انسان کے معیار اتی عمل کو بڑی حد تک بڑھا دیا۔ بلکہ اس نے عام نظریات کو وسعت بھی دی۔ اور ایک ایسی خواہش پیدا کر دی کہ تمام مسائل کا سائنسی انداز میں تجزیہ کیا جانے لگا"۔ [۵]

صنعتی انقلاب اور انیسویں صدی کی سائنسی ترقیوں نے بڑی حد تک اس جنسی ضد کو کم کر دیا جو مردوں میں عورت کے لیے پائی جاتی تھی۔ ویسے اٹھارویں صدی کے آخیر تک بعض ایسے واقعات ان ممالک میں بھی نظر آتے ہیں جو تہذیب و تمدن کے مرکزوں میں شمار ہوتے ہیں جن سے عورت کی سماجی حالت اور خانگی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے کہ انھیں ان ترقی یافتہ ممالک میں بھی احترام اور عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ اس سلسلے میں دوسری دشواری یہ ہے کہ ہماری معلومات اتنی ناقص ہے کہ ہم تھوڑے دنوں کے حالات پر بھی قطعیت کے ساتھ روشنی نہیں ڈال سکتے کہ کس دور میں عورتوں کی اصلی حالت کیسی تھی اور جو واقعات ہم تک پہنچے بھی ہیں ان کی صحت اور عدم صحت پر یقین کرنا دشوار ہے۔ اٹھارویں صدی کے آخری

---

[۵] VIOLA KLEIN, 'THE FAMINEN CHARACTER' P- 6

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زمانے کا ایک واقعہ ویولا کلن نے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہماری تاریخی یادداشت اور خیالات اتنے محدود ہیں کہ ہم جدید رجحانات اور سو برس کے پہلے کے زمانے کا صحیح طور پر موازنہ کر کے حالات کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ہم ۲۲۔ جولائی سنہ ۱۷۹۷ء کے ٹائمز (TIMES) میں تعجب کے ساتھ مندرجہ ذیل نوٹ پڑھتے ہیں۔ کہ

"صنف لطیف کی بڑھتی ہوئی اہمیت پر بہت سے مصنفین نے روشنی ڈالی ہے۔ اور انھیں تہذیب کی ترقی کا ایک ضروری جز قرار دیا ہے (اسمتھ فیلڈ (SMITHFIELD) کو اس سلسلے میں کافی اہم سمجھا جانا چاہئے۔ اس لئے کہ) بازار میں (عورت کی) قیمت اب آدھی گنی سے ساڑھے تین گنی ہوگئی ہے۔" لہ

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے آخر تک عورتوں کے بیچنے کا رواج عام تھا۔ آج ہم قدیم ممالک کی تہذیب اور حالات پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ اس زمانے میں عورتوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی انھیں مار ڈالنا۔ ان کو حقوق سے محروم رکھنا اور ان کے ساتھ جانوروں سے زیادہ خراب سلوک کرنا درست سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ تمام لوگ ہمارے اعتراضات کا ہدف بنے رہے ہیں۔ لیکن یہ تاریخی شواہد اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ قدیم عورت یقیناً ایک حد تک اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی کی عورت سے بہتر تھی اس لئے کہ بھیڑ بکریوں کی طرح سے ان کا کاروبار نہیں ہوتا تھا۔

خود ویولا کلن نے اپنی کتاب میں اس قسم کے کئی واقعات کا حوالہ دیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانے میں عورتوں اور بیویوں کا بیچنا اچھا خاصا عام تھا۔ ۱۸۲۳ء میں اس کا کتنا رواج تھا۔ اس کا اندازہ (H.M.V. TEMPERLY) کے

لہ VIOLA KLEIN, 'THE FAMINEN CHARACTER' P-6

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ایک مضمون سے کیا جاسکتا ہے جس کا نام ہی SALE OF WIVES IN-
ENGLAND IN 1823 - ہے یہاں پر اس مضمون کی تفصیل میں نہیں جانا ہے صرف اُن حالات
کی طرف ہلکے اشارے سے مقصود ہیں تاکہ عورت کی اس حیثیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ اس
مضمون کے مطالعے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ عورتوں کا فروخت کرنا اس زمانے
میں ایک سماجی بیماری کی طرح تھا اور یہی نہیں کہ یہ بات ۱۸۲۳ء تک محدود رہی ہو
بلکہ انیسویں صدی کے نصف سے زائد میں بھی ایسے حالات ملتے ہیں جن سے بیویوں
کے بیچے جانے پر روشنی پڑتی ہے۔ انگریزی کے مشہور نقاد اور ادیب امرسن
نے بھی ۱۸۵۶ء میں بیویوں کے بیچے جانے کے بارے میں اشارے کئے ہیں۔

MARYWOLL STONE CRAFT انگلینڈ کی پہلی عورت
جس نے سب سے پہلے عورتوں کے بارے میں لکھا اور ان کی ہمدردی میں آواز اٹھائی
اس نے اپنی سب سے اہم کتاب " VINDICATION OF RIGHT-
OF WOMEN " ۱۷۹۲ء میں لکھی اس کتاب سے قبل اس نے لڑکیوں
کی تعلیم کے مسئلے پر ۱۷۸۶ء میں ایک کتاب لکھی تھی۔ اس طرح اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ
لیکن حالات عورتوں کے لئے سازگار نہیں تھے اور ان کی کوئی تنظیم بھی نہیں تھی
ان کے حقوق اور ان کی آزادی کی جدوجہد کے سلسلے میں لکھا جانے لگا تھا۔

آزادی کی اس جدوجہد کی سست رفتاری کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کی
کوشش کرنے والی عورتوں میں صحیح ٹریننگ نہیں تھی۔ ویسے انیسویں صدی کا آخری
زمانہ اور اس کی سماجی تاریخ " WOMEN PIONEERS " سے بھری ہوئی
ہے۔ یہ عورتیں سماجی اصلاح کے ہر شعبہ میں نظر آتی ہیں۔

ROBERT OWEN کی ایک شاگرد FRANCES WRIGHT
نے عورتوں کی غلامی کے مسئلے کو حل کرنے کے سلسلے میں خود بھی عملی طور پر بہت زیادہ
کام کیا REFORM BILL نے HARRIET MARTINEAN کو کامیاب
بنانے کے لئے انتھک محنت کی OCTAVIA HILL جو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی بنیاد رکھنے والی تھیں انھوں نے سماجی بہبود CHARITY ORGANIZATION - SOCIETY
کا بہت زیادہ کام کیا۔

ELEZIBETH FRY نے قیدی عورتوں کی اصلاح کا کام کیا۔

انھوں نے قیدیوں کی دیکھ بھال کے لئے عورتوں کی بہت سی کمیٹیاں بنائیں جو
ادھر ادھر گھوم گھوم کر قیدیوں کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ فلورنس نائٹ انگیل
نے جنگ کریمیا کے زمانے میں ملٹری ہلیتھ سروس قائم کی اور عورتوں کے لئے ایک
نئے شعبے کی بنیاد ڈالی جو آجکل اسپتال میں نرسوں کی صورت میں نظر آتا ہے لے

عورتوں کی آزادی اور مساوات کی باقاعدہ تحریک کی ابتدا مس بی وینتھونی نے
۱۹۴۸ء میں ہوئی۔ امریکی رہنما عورتوں کی مختلف تنظیموں اداروں کے ذریعے تمام دنیا میں پھیل
گئی۔ اینتھونی کا کہنا تھا کہ عورتیں ملکی تعمیر میں مردوں کے برابر کام کرکے ایک مضبوط
اور خوشحال ملک اور ایک اچھی دنیا کی تشکیل کر سکتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی دوسرے
ممالک کے اثرات کے تحت یہ تحریک شروع ہوئی اور دھیرے دھیرے سماجی
رسم ورواج اور مذہبی پابندیوں کے خلاف عورتوں میں ایک کشمکش رونما ہوئی مغرب
کے مقابلے میں ہندوستانی عورتوں کا تعلق مذہب سے زیادہ سخت ہے۔ اس لئے ان میں
نئے رجحانات کا پیدا ہونا یا ان کے لئے اُن نئی باتوں کا فوری طور پر قبول کر لینا آسان
کام نہیں تھا۔ کیلاش ناتھ شرما نے لکھا ہے کہ :-

"۱۸۵۴ء میں سر چارلس ووڈس نے اپنے مشہور خط میں
عورتوں کی تعلیم پر زور دیا ہے۔ بعد میں آریہ سماج اور برہمو سماج
نے بھی تعلیم نسواں کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ ۱۸۶۶ء اور ۱۸۸۶ء
کے درمیان عیسائی مشنریوں نے بھی اس میں مدد دی۔ اِن انجمنوں نے
عورتوں کی ترقی اور اقتصادی آزادی کی بنیاد ڈالی۔ کچھ ہندوستانی عورتوں

لے VIOLA KLEIN, 'THE FAMINEN CHARACTER'
P_17 & 18

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نے بھی عورتوں کی ترقی میں بہت کام کیے۔ ان میں رام بائی۔ رکما بائی
راما بائی رانا ڈے کے نام قابل ذکر ہیں۔

ایشور چندر ودیا ساگر اور پونا کے پروفیسر کاروے نے ودھوا آشرم کھولے۔ پارسیوں نے مختلف قسم کی تعلیم دینے میں سب سے پہلا قدم بڑھایا۔ انڈین نیشنل سوشل کانفرنس نے عورتوں کی ترقی کے لئے مختلف قسم کے کام کیے۔" [1]

اس طرح انیسویں صدی کا آخری حصہ اور بیسویں صدی عورتوں کی آزادی کی جدوجہد کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ اسی زمانے میں سرسید نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی بنیاد ڈالی جو آج اردو ادب میں سرسید تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ اس تحریک کا اصل مقصد ہندوستانی مسلمانوں کو ذہنی معاشرتی اور اخلاقی پستی سے نکالنا تھا۔
انگریزوں کی آمد مغل حکومت کے خاتمہ اور جنگ آزادی کی شکست نے مسلمانوں کو ذہنی اور معاشرتی طور پر کھوکھلا کر دیا تھا۔ تعلیم کی کمی اور کسی فکری نظام کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ پستی کی آخری منزلوں تک پہنچ گئے تھے۔ سرسید نے ۱۸۷۰ء سے تہذیب الاخلاق نکالنا شروع کیا تاکہ اس کے ذریعہ عام مسلمان عورتوں اور مردوں تک تعلیم کی اہمیت اور اور تہذیبی اقدار کو پہنچایا جاسکے۔ انھوں نے اس کے پہلے شمارے میں لکھا تھا کہ:-

"ہندوستانی مسلمانوں کو کامل درجے کی سویلزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے تاکہ جس حقارت سے سولائزڈ یعنی مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ دنیا میں معزز اور مہذب قوم کہلائیں۔" [2]

لیکن یہ خواب اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک مردوں کے ساتھ عورتوں کی تعلیم و اصلاح اور مذہبی عقائد و رسومات کو درست نہ کیا جائے

---

[1] بھارتیہ سماج اور سنسکرت۔ کیلاش ناتھ شرما صفحہ ۲۱۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس لیے سرسید نے تہذیب الاخلاق میں عورتوں کی تعلیم۔ کثرت ازدواج رفاہ عورات وغیرہ عنوانات پر کئی مضامین لکھے سرسید تحریک کے اثر کے تحت بہت جلد ایک معقول اور روشن خیال مسلمان حلقہ پیدا ہو گیا۔ جس نے عام مسلمانوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم و اصلاح پر بھی خصوصیت کے ساتھ زور دیا۔ علی گڑھ ہی میں ۱۹۰۴ء میں پہلی عورتوں کی کانفرنس منعقد ہوئی جس کے بانی عبداللہ صاحب تھے جس میں عورتوں کی آزادی اور تعلیم کے سلسلے میں بہت سے فیصلے کئے گئے اس وقت ہندوستان میں عطیہ فیضی۔ آبرو بیگم۔ اعلیٰ بی۔ مسز رضا اللہ۔ سعید احمد بیگم اور سلطان جہاں بیگم فرماں روائے بھوپال جیسی ترقی یافتہ خواتین موجود تھیں۔

۱۹۰۴ء میں عورتوں میں تعلیم کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے خاتون کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد علی گڑھ میں عورتوں کی تعلیم کے لئے عبداللہ صاحب نے باقاعدہ اسکول قائم کیا جو وومنس کالج کی شکل میں آج بھی موجود ہے۔ جس کے بعد رفتہ رفتہ سارے ملک میں عورتوں کی تعلیم عام ہونے لگی۔

اس آزادی کی جدوجہد میں بعض مذہبی اصلاحی تحریکات کو بھی بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ مثلاً آریہ سماج اور برہمو سماج وغیرہ نے عورتوں کی ترقی کی نئی راہیں کھولیں جن سے سماجی اور مذہبی کاموں اور تعلیم میں عورتوں کو کچھ زیادہ حصہ ملنے لگا۔ ۱۹۱۴ء میں ڈاکٹر اینی بسنٹ نے تمام ہندوستانیوں سے اپیل کی کہ اگر وہ اپنی اور اپنے ملک کی نجات اور بہبودی چاہتے ہیں تو انھیں عورتوں کی حالت کی اصلاح کرنی چاہیئے عورتوں کی جدید انجمن ۱۹۱۷ء میں عورتوں کی ایک بہت بڑی لیڈر مارگریٹ کزنس کے ذریعہ مدراس میں مسز اینی بسنٹ کے تعاون سے قائم ہوئی اس کے چند سال بعد ہی عورتوں کی آزادی کی تحریک تیزی سے بڑھنے لگی۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ان کی رہنما اچھی عورتیں تھیں دوسرے جس چیز نے اس کو بڑھاوا دیا وہ ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد تھی ملک کی تحریک آزادی نے وقتی طور پر عورتوں اور مردوں کو یکجا کر دیا اس تحریک میں بہت سی عورتیں مثلاً مسز اینی بسنٹ سروجنی نائیڈو کستوربا گاندھی۔ بی اماں اور مسز وجے لکشمی پنڈت وغیرہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیش پیش تھیں۔ ایک طرف یہ لوگ سیاسی تحریکات کو بڑھانے میں مدد کر رہی تھیں دوسری طرف عورتوں کے سماجی بہبودی اور ان کی تنظیم کی کوشش کر رہی تھیں۔

سیاسی اصلاحات اور آزادی کے لیئے یہ ضروری تھا کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی حق رائے دہندگی دیا جاتا۔ اس لیئے اس حق رائے دہندگی کے مطالبے کے لیئے ہندوستانی عورتوں کا پہلا وفد سروجنی نائیڈو کی قیادت میں مملکت ہند کے سکریٹری مسٹر مانٹگو (MR. MANTAGU) سے ۱۹۱۹ء میں ملا۔ اس کے کچھ ہی دنوں بعد ویمنس انڈین اسوسی ایشن نے سب سے پہلے عام ہندوستانی عورتوں کی ایک انجمن بنانے کے لیئے عورتوں کی ایک کل ہند کانفرنس بلانے کا اعلان کیا۔

۱۹۱۹ء میں حق رائے دہندگی کے مطالبے کے منسوخ ہونے کے بعد یہ نہیں تھا کہ عورتوں نے اس حق کو چھوڑ دیا ہو وہ باقاعدہ طریقے سے اس کے لیئے جدوجہد کرتی رہیں بعض تاریخی جائزوں سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس وقت دنیا کے بہت سے ملکوں میں عورت کو ووٹ دینے کا حق نہیں حاصل تھا۔ شاید دنیا میں عورتوں کو ووٹ دینا کا سب سے پہلا حق نیوزی لینڈ میں ۱۸۹۳ء میں دیا گیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۲ء میں آسٹریلیا ۱۹۱۷ء میں انگلینڈ ۱۹۱۸ء میں کنیڈا ۱۹۲۴ء منگولیا کی عورتوں کو حق رائے دہندگی ملا۔

آل انڈیا ویمنس کانفرنس جو کہ عورتوں کی جدوجہد کا ایک مرکز تھی اس نے اس بات کا بہت جلد اندازہ کر لیا کہ اس کا کام صرف عورتوں کے تعلیمی اور سماجی مسائل پر ہی غور کرنا نہیں ہے۔ بلکہ بدلتے ہوئے سیاسی حالات اور ملک کی آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینا بھی ان کا فرض ہے۔ ۱۹۱۹ء میں مانٹگو ریفارم سے سیاسی ہندوستان مطمئن نہیں ہوا جس کے نتیجہ میں جلیانوالا باغ کا عظیم سانحہ پیش آیا اس کے بعد ہی عدم تعاون کی تحریک شروع ہو گئی۔ اسی درمیان کنزرویٹو برٹش گورنمنٹ نے ہندوستانی عورتوں کو حق رائے دہندگی دینے سے انکار کر دیا۔ لیکن عورتوں نے اپنی جدوجہد کو کم نہیں کیا۔ اس جدوجہد میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سب سے زیادہ پیش پیش سروجنی نائیڈو تھیں۔ آخر کار ۱۹۲۶ء میں پہلی بار ہندوستانی عورتوں نے ووٹ دینے کا حق حاصل کر لیا۔ اور اسی سال پہلی بار انھوں نے الکشن میں حصہ لیا۔ لیکن کم ہی عورتیں اسمبلی کی ممبر کی حیثیت سے منتخب ہو سکیں اس لئے کہ برٹش گورنمنٹ نے مشروط طریقے پر عورتوں کو ووٹ دینے کا حق دیا تھا۔ صرف وہی عورتیں ووٹ دے سکتی تھیں جو ٹیکس ادا کرتی ہوں۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں گو کہ عورتیں شریک تھیں لیکن عام طور پر وہ تمام تحریکات میں حصہ نہیں لے سکتی تھیں اس لئے کہ اس وقت تک ایسی جگہ انھیں بھیجنے میں احتیاط کی جاتی تھی۔ جہاں کسی تکلیف کے پہنچنے کا امکان ہو۔ کملا دیوی نے لکھا ہے کہ:

> "پہلے گاندھی جی نے کچھ سوچ کر عورتوں کو عام تحریک میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن جب یہ تحریک بہت وسیع ہو گئی۔ تو انھوں نے پہلی بار کچھ منتخب عورتوں کو نمک ستیہ گرہ میں حصہ لینے کی اجازت دی۔ جس سے کہ ہندوستانی انقلاب کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ ستیہ گرہ ۶۔ اپریل ۱۹۳۰ء کی صبح کو شروع ہوئی اور اسی دن سورج غروب ہونے کے وقت تک ایک عوامی تحریک بن کر سارے ملک میں پھیل گئی۔" [۵]

ہندوستانی عورت جو کہ ہمیشہ سے چہار دیواری کے اندر قید تھی اور جس کی دنیا اس کے گھر کے کمروں میں محدود تھی اس نے ہندوستان کی جنگ آزادی کی جدوجہد میں حصہ لینے کے لئے اچانک اپنی اس صدیوں پرانی نقاب کو اتار پھینکا۔ نمک ستیہ گرہ کا دن اگر ایک طرف ہندوستان کی جنگ آزادی کا اہم ترین دن ہے تو دوسری طرف عورتوں کی آزادی اور مساوات کی جدوجہد کا بھی ایک تاریخی دن ہے اس تاریخ کو سینکڑوں اور ہزاروں عورتیں ساحل سمندر پہ بہادر

---

[۵] کملا دیوی چٹوپادھیا۔ دی وومین آف انڈیا۔ از تارا علی بیگ صفحہ ۱۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سپاہیوں کی طرح کھڑی ہوئی تھیں۔ یہ سپاہی بندوقوں یا ہتھیاروں سے لڑنے والے سپاہی نہیں تھے۔ بلکہ ان عورتوں کے پاس ہتھیاروں کی جگہ ہاتھوں میں مٹی کے ڈھیلے تھے۔ ان کے جسموں پر وردیوں کے بجائے معمولی سوتی دھوتیاں تھیں اُن کی طرف جو کبھی دیکھتا حیرت زدہ رہ جاتا تھا کہ کس طرح اچانک انھوں نے اپنی پرانی روایات کو توڑ کر ملک کی آزادی اور سماجی بہبود و ترقی کی جنگ میں حصّہ لیا۔ جن کے لیے مہاتما گاندھی نے لکھا ہے کہ

"جنگ آزادی میں ہندوستانی عورتوں نے جو کام کیا ہے وہ سنہرے حروف میں لکھا جائے گا۔" ۱؎

نمک ستیہ گرہ جس دن شروع ہوئی اسی دن شام کو سڑک کے ہر کونے پر نمک کے پیکٹ لیے ہوئے بغیر کسی خوف کے عورتیں نظر آتی تھیں۔ جو بڑے فخر اور غرور کے ساتھ آزادی کا نمک بیچ رہی تھیں۔ انھیں نہ تو حکومت کے ظلم و استبداد کا خوف تھا اور نہ کسی قسم کی جھجک تھی۔ کملا دیوی چٹوپادھیا نے اپنے مضمون "آزادی کی جدوجہد" میں لکھا ہے کہ کس طرح عورتوں نے نمک ستیہ گرہ میں شرکت کر کے آزادی کی جدوجہد کو آگے بڑھایا۔ اس وقت ہر عورت بے جھجک اس کا اعلان کر رہی تھی کہ:

"ہم نے نمک کا قانون توڑ دیا۔ اور اب ہم آزاد ہیں کون ہم سے آزادی کا نمک خریدے گا۔ کیا تم آزادی کا نمک نہیں چاہتے ہو۔" ۲؎

ان کی یہ آواز بیکار نہیں گئی۔ ان کی آواز سن کر ہر گذرنے والا ایک لمحہ کے لیے ٹھہرتا۔ اور ایک سکّہ نکال کر ان کے ہاتھ پر رکھ دیتا۔ اس طرح نمک خرید کر قانون توڑنے والوں کی فہرست میں ایک کا اور اضافہ ہو جاتا۔ ان ستیہ گرہیوں پر

۱؎ ویمن آف انڈیا ص ۱۹

۲؎ KAMLA DEVI CHATUPPADHIA, 'WOMEN OF INDIA' P-20

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جتنی حکومت کی سختیاں بڑھتی جاتیں اتنا ہی تحریک میں زور پیدا ہوتا جاتا تھا۔ ان تمام عورتوں کو اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ ان کی زندگی ان کی آزادی اور ان کی فلاح وبہبود بیرونی حکومت کے خاتمہ ہی میں ہے۔

اس سیاسی تحریک کی ابتدا سے ہندوستانی عورتوں کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس تحریک میں انھوں نے بہت اہم کام انجام دیے اور شاید یہ کہنا غلط نہ ہو کہ اگر ہندوستانی عورتیں اس جدوجہد میں مردوں کے شانہ بہ شانہ شریک نہ ہوتیں تو تحریک کی کامیابی ممکن نہیں تھی۔ عورتوں کے سیوادل کیمپ ان کے سیاسی کاموں کی ٹریننگ کے لیے سارے ملک میں کھولے گئے۔

۱۹۳۱ء کے شروع میں جب انڈین نیشنل کانگریس کا اجلاس کراچی میں ہوا تو اس میں عورتوں کو بہت سے بنیادی اور دستوری حقوق دینے کا اعلان کیا گیا۔ انڈین نیشنل کانگریس کے اس اعلان سے ہندوستانی عورتوں کی زندگی کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے اور خصوصیت سے اس کا یہ جملہ عورتوں کی آزادی کے سلسلے میں بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کے اعلان نامہ میں کہا گیا تھا کہ:

"جنس کے اختلاف پر کوئی تخصیص نہیں برتی جائے گی"

اس کا ذکر آچکا ہے کہ ہندوستانی عورتوں کی ترقی میں بعض سماجی اور مذہبی امور مانع رہے ہیں اور یہی وجہ تھی کہ عورتوں کی آزادی کا انحصار سماجی اصلاحات پر مبنی تھا۔ اسی لیے بعض ہندوستانی مفکرین نے سب سے پہلے سماجی اصلاحات پر توجہ کی۔ ان مفکرین اور مصلحین میں دوارکاناتھ۔ رابندر ناتھ ٹیگور اور راجہ رام موہن رائے وغیرہ بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے ستی کی انسانیت سوز رسم کو توڑنے کی ہر طرح کوشش کی انھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ عوام کو سمجھایا کہ ستی کی رسم مذہبیاً درست نہیں ہے۔ یہ رسم عام طور پر امرا میں رائج تھی۔ ایم۔ کے۔ پانیکر نے لکھا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ امرا میں اس کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رواج بہت پُرانا ہے۔ حالاں کہ بادشاہوں کے یہاں اس پر عمل نہیں ہوتا تھا۔ مہابھارت میں پانڈو کی دو بیویوں میں ایک کے ستی ہونے کے بارے میں ملتا ہے۔ لیکن دشرت کی بیویوں کے یہاں اس رواج پر عمل نہیں ہوا۔ جنوبی ہند کے لوگ اکثر و بیشتر اس رواج سے بالکل ناواقف تھے۔ شمالی ہند میں بھی عام طور پر اس کا رواج نہیں تھا۔ ۵۱

بعض لوگوں نے اس رسم کے سلسلے میں لکھا ہے۔ کہ عورتیں۔ خود ستی ہونا نہیں پسند کرتی تھیں۔ ان کے عزیز زبردستی انھیں جلا دیتے تھے۔ بعض عورتیں ممکن ہے کہ خود شوہر کے ساتھ اپنی مرضی سے جل کر ختم ہو گئیں ہوں لیکن اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ ہندو خاندانوں میں بیوہ بڑی ذلّت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اس لیئے ذلّت اور تکلیف کے مقابلہ میں وہ ستی ہو جانے کو بہتر سمجھتی رہی ہوں۔

عورتوں کی سماجی اصلاح کے سلسلے میں ایشور چند ودیا ساگر اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے بھی بہت کوشش کی ان لوگوں نے حکومت کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ شادی بیوگان کا قانون بنائے اِن اصلاحات سے عورتوں میں بیداری کی لہر دوڑ گئی۔ ٹراونکور، میسور، کوچین۔ وغیرہ کے تعلیمی مشن اور ملک کے مذہبی اداروں نے بھی سماجی اصلاح اور عورتوں کی آزادی کے لیئے بہت اہم کام انجام دیئے جن میں آریہ سماج اور برہمو سماج کا نام بار بار لیا جاتا ہے۔ ستی کے خاتمے کے بعد بچپن کی شادی اور دوسری اصلاحات کی طرف توجہ کی گئی۔ ان تبدیلیوں اور اصلاحات نے عورت کی پوزیشن کو کافی مضبوط بنا دیا اور انھوں نے اقتصادی آزادی کے لیے بھی سرگرم جدوجہد شروع کر دی۔

عورتوں کی آزادی کی جدوجہد ہندوستان کی جنگ آزادی سے اس طرح ملی ہوئی ہے کہ دونوں کو علیٰحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان کی آزادی کی جو تحریک مہاتما

۵۱ PANIKAR, 'WOMEN OF INDIA' Page-12

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گاندھی کی رہنمائی میں شروع ہوئی تھی۔ اس نے دھیرے دھیرے عورتوں کو روایتی پابندیوں سے نکالا اور مردوں کے شانہ بہ شانہ لاکر کھڑا کر دیا۔ ان عورتوں میں شروع میں صرف وہی چند عورتیں تھیں جو ان بڑے لیڈروں کے خاندانوں سے متعلق تھیں لیکن ان کا میدانِ عمل میں آ جانا ہی بہت بڑی چیز تھی۔ جسے دیکھ کر تمام عورتوں میں اس جدوجہد میں حصّہ لینے کی خواہش پیدا ہوئی اور وہ بھی دھیرے دھیرے اس میں شامل ہو گئیں۔ ڈاکٹر جعفر حسن نے لکھا ہے کہ:

"مہاتما گاندھی کی قیادت میں ۱۹۲۰ء میں جو تحریک شروع ہوئی تھی اس میں تمام ممتاز لیڈروں کی رشتہ دار بیبیاں بھی شریک تھیں۔ کستور با گاندھی۔ علی بھائیوں کی والدہ بی امّاں۔ موتی لال نہرو کی شریک حیات اور ان کی صاحب زادیاں خاص کر وجے لکشمی پنڈت مسز نائیڈو اور کملا دیوی اور اُن کے علاوہ ہزاروں بہنوں لاکھوں عورتوں اور لڑکیوں نے ملک کے مختلف علاقوں میں قومی تحریک کی مختلف مہموں مختلف طرحوں پر حصّہ لیا — حقارتیں جھیلیں۔ آرام قربان کیا۔ لاٹھیاں کھائیں۔ بھوکی رہیں۔ جیل کی سزا بھگتی۔ اور ہزاروں عصمت و ناموس کو بھی بھارت ماتا کی آزادی اور ترقی کے لئے قربان کرنے پر مجبور ہوئیں۔" [۱]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح غلامی کی زنجیروں میں گرفتار روایات کی دیواروں میں قید اور مذہبی قلعوں کی پابندیوں میں محبوس عورتوں نے اپنے حقوق اور اپنے ملک کی آزادی کے لئے ان تمام پابندیوں اور رکاوٹوں کو آنِ واحد میں سیلاب کے تنکے کی طرح بہا دیا۔

---

[۱] ہندوستانی سماجیات ڈاکٹر جعفر حسن صفحہ ۱۴۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہندوستانی عورتوں کی اس دلیرانہ اور سرفروشانہ جذبے سے متاثر ہوکر مہاتما گاندھی نے ۱۹۳۲ء میں پیرس اور سوئیٹزرلینڈ میں بڑے فخر کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ:

"میں یورپ کی عورتوں کو یہ پیغام دے رہا ہوں کہ انھیں ہندوستانی عورتوں کی پیروی کرنی چاہیے جو پچھلے سال ایک دم عوامی تحریک کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور مجھے یقین کامل ہے کہ اگر یورپ کی عورتیں عدم تشدد سے سبق لیں تو انھیں سکون اور اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔" ۵۱

گاندھی جی نے ہندوستانی عورتوں کی آزادی اور فلاح بہبود کے لئے بہت اہم کام انجام دیے ظاہر ہے کہ نئے ہندوستان کے مستقبل کو تعمیر کرنے والے وہی تھے اور وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ بنا ہندوستان اس وقت تک کامیاب اور خوش حال نہیں ہو سکتا جب تک کہ عورتوں کو آزادی اور مساویانہ حقوق نہیں دیے جاتے۔ اسی لئے ایک جگہ اور مہاتما گاندھی نے اپنے ساتھیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا تھا کہ میری سب سے بڑی امید عورتیں ہیں۔ انھیں ایک مددگار اور ساتھی کی ضرورت ہے۔ جو اُن کو اُس کنویں سے نکال سکے جس میں ابتک انھیں رکھا گیا ہے۔ بعض معمولی باتوں کے نتائج تعجب خیز حد تک اچھے برآمد ہوئے ہیں مثلاً ۳۲-۱۹۳۱ء کی ستیہ گرہ میں عورتوں نے بہت اہم حصہ لیا اور اُس کے بعد بھی وہ بڑی خوبی کے ساتھ اپنا کام کرتی رہی ہیں۔ گو کہ ان کے درمیان فلاح و بہبود کا کام صحیح طور پر نہیں ہوا۔ اسی لئے ان کی ایک اچھی تنظیم اور ان میں ایک جماعتی تحریک کی ضرورت ہے۔ ۵۲

عورتوں کی فلاح و بہبود کے سلسلے میں بعض بین الاقوامی اداروں نے بھی بہت اہم

---

۵۱ AMRIT KAUR PREFACE WOMEN & SOCIAL INJUSTICE by M. K. GANDHI
۵۲ " " " " " "

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کام انجام دیے ہیں۔ مثلاً "WOMEN'S LEAGE FOR PEACE AND FREEDOM", "INTERNATIONAL COUNCIL OF WOMEN" AND "INTERNATIONAL FEDERATION OF UNIVERSITY WOMEN" وغیرہ نے اس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔

ہندوستان میں ۱۹۳۵ء میں بعض سیاسی اصلاحات ہوئیں جن کے تحت عورتوں کے حقوق میں کچھ اور اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۶ء میں عورتوں کو ووٹ دینے کا حق تو مل گیا تھا۔ لیکن انھیں ودھان سبھا کا ممبر بننے کا حق نہیں تھا اور ساتھ ہی صرف ان عورتوں کو ووٹ دینے کا حق تھا جو ٹیکس ادا کرنے والی تھیں۔ حالانکہ اس پر عورتوں نے زبردست احتجاج کیا۔ لیکن اس احتجاج کا کوئی اثر نہیں لیا گیا۔ ۱۹۳۶ء میں بہت سی عورتیں اسمبلی کی ممبر کی حیثیت سے منتخب ہوئیں اور ان میں سے بعض نے وزیر اور ڈپٹی اسپیکر کی جگہیں بھی حاصل کیں۔ [1]

اب عورتوں کی اصلاحی تحریک زیادہ تیزی سے بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک طرف اس بات کا بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب ہندوستان میں بھی زیادہ دنوں تک غیر ملکی راج نہیں چل سکتا۔ لہٰذا ۱۹۳۵ء کے نئے دستور نے ہندوستانی عورتوں کو اور بھی زیادہ حقوق دیے اس زمانے میں عورتوں نے مردوں کے برابر حقوق پانے کا مطالبہ بھی کیا تھا۔ اور مشروط حق رائے دہندگی کے خلاف بھی آواز بلند کی تھی۔ لیکن سرکار نے ان مطالبوں کو منظور نہیں کیا۔ ۱۹۳۷ء میں ایک بہت اہم ایکٹ پاس ہوا جسے HINDU WOMEN'S RIGHT TO PROPERTY ACT کہا جاتا ہے۔ اس ایکٹ کے تحت عورتوں کو بعض اقتصادی حقوق بھی مل گئے اور شوہر کی جائداد میں اس کا حصہ ضروری قرار دیا گیا۔

مہاتما گاندھی کی کوششوں سے اس میں سب سے زیادہ مدد ملی انھوں نے

---

[1] کملا دیوی۔ وومن آف انڈیا۔ از تارا علی بیگ صفحہ ۳۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جگہ جگہ اس سلسلے میں تقریریں کیں اور اپنی تحریروں کے ذریعہ ہندوستان کے مردوں سے اِس بات کی درخواست کی کہ وہ عورتوں کو اپنا غلام یا کنیز سمجھنے کے بجائے دوست ساتھی اور ہمارہ سمجھیں اس کو برابر کے حقوق دیں تاکہ اس کی ذہنی اور دماغی قوتیں پوری طرح سے اجاگر ہوسکیں اور وہ بھی مردوں کے ساتھ ملک کی ترقی کی جدوجہد میں برابر کی شریک ہوسکیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ

"عورت مرد کی دوست اور ساتھی ہے جس کو اس کے برابر ذہنی اور دماغی قوت اور استعداد ودیعت کی گئی ہے۔ اس کو حق ہے کہ وہ مرد کے چھوٹے بڑے کاموں میں حصّہ لے اور ساتھ دے۔ اور اسی کے ساتھ اسے مرد کے برابر آزادی کے تمام حقوق حاصل ہیں۔ اس کو اس بات کا بھی پورا حق ہے کہ وہ اپنے کاموں میں مرد کی طرح اپنے کو مکمل آزاد سمجھے۔"

آگے چل کر مہاتما گاندھی نے مزید کہا کہ:۔

"میں اکثر اوقات اس بات کی طرف اشارے کر چکا ہوں کہ مردوں کا عورتوں کے حقوق آزادی اور حقوق مساوات سے انکار کرنا درست نہیں۔" ۵

اس طرح عورتوں کو مساویانہ حقوق دیے جانے کی کوشش ہر شعبہ زندگی میں جاری رہی۔ اس بات کی بھی کوشش کی گئی کہ عورتوں کو مردوں کے برابر تعلیم حاصل کرنے کی صورتیں مہیا کی جائیں خود عورتیں بھی اس جدوجہد میں لگی رہیں مہاتما گاندھی نے گو کہ اکثر جگہوں پر واضح الفاظ میں یہ بات بتادی تھی کہ آزاد ہندوستان میں عورتوں کی کیا حیثیت ہوگی اس کے باوجود خواتین لیڈروں میں اکثر اس قسم کے مسائل اٹھا کرتے تھے کہ ان کی آزادی اور ان کے حقوق کے حدود کیا ہوں گے

---

۵ M.K. GANDAI, 'WOMEN AND SOCIAL INJUSTICE' Page 5, 6

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس سلسلے میں مدراس کی ایک خاتون ڈاکٹر۔ ایس۔ میتھو لکچھمی ایڈی نے مہاتما گاندھی کو ایک بہت طویل خط لکھا تھا۔ جس میں انھوں نے عورتوں کی تعلیم اور آزادی کے سلسلے میں بہت سے سوالات کئے تھے۔ گاندھی جی نے اُس خط کا اقتباس اور ان کے سوالات کے جوابات اپنی کتاب میں بھی دیے ہیں۔

یہاں پر لکچھمی ریڈی کے سوالات اور گاندھی جی کے جواب کا اختصار سے لکھ دینا اس لئے ضروری ہے کہ ہم ان مسائل کو سمجھ سکیں جو اس وقت عورتوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ وہ مسائل زیادہ تر ان کی اقتصادی اور سماجی آزادی اور تعلیم وغیرہ سے متعلق ہیں۔ میتھو لکچھمی نے لکھا تھا کہ اگر عورتوں کا معیار بڑھانے کی کوشش کو کامیاب بنانا ہے تو سب سے پہلے ان میں اچھی تعلیم کی ضرورت ہے۔ آج بہت کم عورتوں کو اچھی تعلیم کی سہولتیں حاصل ہیں جس کی وجہ سے نہ تو ان کا جسمانی اور ذہنی ارتقا صحیح طور سے ہو پاتا ہے۔ اور نہ ان میں اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی قوت پیدا ہوتی ہے۔

میتھو لکچھمی ریڈی نے عورتوں کے مسائل پر روشنی ڈالتے ہوئے گاندھی جی سے دریافت کیا تھا۔ کہ کیا کانگریس ان برائیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے گی یا عوام کو کم از کم اتنی تعلیم دلائے گی کہ وہ اپنی عورتوں کو روائتوں اور سماجی بندھنوں سے آزاد رکھیں اور ان کو بھی جسمانی ذہنی روحانی ترقی حاصل کرنے کے مواقع دیں۔

ہمارے شاعروں صوفیوں اور سنتوں نے ہمیشہ عورتوں کی تعریف کی ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ سوامی وویکانند جی نے کہا ہے کہ:

"وہ ملک اور وہ قوم کبھی بڑائی اور اچھائی کی معراج کو نہیں پا سکتی جو عورتوں کی عزت نہیں کرتی۔ ایسوں کو نہ تو ماضی میں عزت ملی ہے اور نہ مستقبل میں ملے گی۔ آجکل تمہاری نسلوں کے زوال پذیر ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ تم میں "ان زندہ قوتوں" (LIVING IMAGES OF SHAKTI)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے لئے عزت نہیں رہ گئی ہے"۔ ۵۱

ان تمام باتوں کا جواب دیتے ہوئے گاندھی جی نے لکھا تھا کہ یہ صرف عورتوں کی تعلیمی خرابی کا نتیجہ نہیں بلکہ برائی کی جڑ بہت گہری ہے۔ جو سطحی مشاہدے سے نظر نہیں آتی۔ تعلیم کا پورا انتظام بالکل خراب ہے اور اس طرح ہم صرف رسم و رواج کو الزام نہیں دے سکتے بلکہ یہ ایک ایسی حالت ہے جس نے خود ہی آگے بڑھنے اور چلنے سے انکار کر دیا ہے۔ ہمیں اس حالت کو بدلنا ضروری ہے۔

آخر میں گاندھی جی نے میتھو لکھمی ریڈی کے اعتراضات کو صحیح مانتے ہوئے اپنے جواب میں لکھا تھا کہ یہ اعتراضات ایک حد تک صحیح ضرور ہیں۔ لیکن صرف متوسط طبقہ کے لئے۔ جو قصبات میں رہتا ہے اور ہندوستان کے لاکھوں آدمیوں میں جس کی تعداد صرف پندرہ فیصدی ہے دیہاتوں میں رہنے والے عوام میں کم عمری کی شادی کا رواج نہیں ہے۔ اور نہ ہی بیوہ کی شادی کی ممانعت۔ یہ صحیح ہے کہ ان میں دوسری برائیاں ہیں جو ان کی صحیح ترقی کو روک دیتی ہیں ۵۲

عورتوں کی اس جد و جہد کے تحت ہندوستانی عورتوں میں غیر متوقع تبدیلیاں ہوئیں۔ عورتوں نے تعلیمی تحریک میں بھی حصہ لیا۔ خود اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد ادبی حلقوں میں شہرت پیدا کی اور اپنے فن پاروں سے ادب میں بیش بہا اضافے کئے۔ تعلیم کی یہ تحریک چونکہ بنگال سے شروع ہوئی تھی اس لئے بنگالی ادب میں عورتوں کا بہت بڑا حصہ نظر آتا ہے۔ رابندر ناتھ ٹیگور کی بہن سورن کماری دیوی بنگال کی پہلی ناول نگار خاتون ہیں۔ مختصر کہانیوں افسانوں اور ناول نگاری میں آشالتا۔ آشا پورن دیوی اور لیلا موجومدار وغیرہ کو بھی بنگالی ادب میں کافی اہمیت حاصل ہے۔ ہندی زبان نے بھی بہت سی خاتون ادیبوں اور

---

۵۱ M.K. GANDHI, 'WOMEN AND SOCIAL INJUSTICE
Page - 11,12

۵۲ " " " " " "

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شاعرات کو پیدا کیا۔ ہندی میں ہوم دتی دیوی، اوشا دیوی۔ کرشنا ساہتہ۔ ست دتی ملک۔ اور مہادیوی ورما کے نام کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی زبانوں میں اردو کو بے حد اہمیت حاصل رہی ہے اور اُردو نے ہندوستان کی جنگ آزادی کی تحریک میں سب سے زیادہ نمایاں حصہ بھی لیا ہے۔ اُس زمانے کا ادب آزادی کی جدوجہد سے بھرا ہوا ہے۔ اُردو کے بہترین ادیبوں اور شاعرات میں بہت سی عورتوں کے نام نظر آتے ہیں جنھوں نے مختلف نثری و شعری اصناف میں میں کامیاب تخلیقات پیش کی ہیں۔ اردو ناول نویسی اور افسانہ نگاری کے سلسلے میں نذیر حیدر، حجاب امتیاز علی۔ ڈاکٹر رشید جہاں۔ عصمت چغتائی۔ قرۃ العین حیدر صالحہ عابد حسین۔ رضیہ سجاد ظہیر۔ ممتاز شیریں۔ حاجرہ مسرور۔ خدیجہ مستور وغیرہ کے نام ہماری ادبی تاریخ کا جز بن چکے ہیں۔ اُردو شاعروں کی فہرست میں بھی بہت سی عورتوں کے نام نظر آتے ہیں۔ یہ اتفاق ہے کہ ان میں کوئی اس شہرت کو نہ پہنچ سکا جو مردوں کو نصیب ہوئی۔ لیکن اس کے باوجود ان کی ادبی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا شائد اس کا سبب پردہ کا رواج یا ان کے عورت ہونے کی مجبوری ہوئیں کی وجہ سے نہ تو وہ عام مرد شعراء سے گھل مل سکتی تھیں اور نہ مشاعروں میں شریک ہو سکتی تھیں لیکن اس کے باوجود ان کی ادبی خدمات سے انکار نہیں کیا جا سکتا فارسی میں زیب النساء اور جہاں آرا کے نام اہم ہیں۔ دکن چونکہ اردو شاعری کا پہلا مرکز رہا ہے اس لیے وہاں قدیم زمانے سے خواتین شعرا کی اچھی خاصی تعداد نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر نصیر الدین ہاشمی نے لکھا ہے کہ اُردو کی پہلی صاحب دیوان خاتون شاعر لطف النساء امتیاز تھیں ان کی پرورش شاہی خاندان میں ہوئی ان کا تخلص غالباً پہلے لطف تھا بعد میں امتیاز ہوا۔ ۲۶ سال کی عمر میں ۱۲۱۲ ھ میں ان کا دیوان مرتب ہوا۔ ۵ؔ دکن میں خواتین کے علمی و ادبی کارناموں پر نصیر الدین ہاشمی نے ایک پوری

۵ؔ۔ نقوش لاہور نمبر۔ دسمبر ۱۹۶۱ء صفحہ ۲۴۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کتاب "خواتینِ عہدِ عثمانی" کے نام سے لکھی ہے جس میں ان کے کارناموں کی پوری تفصیل ہے۔ موجودہ عہد میں سیدہ اختر۔ ساجدہ زیدی۔ اور ان کے علاوہ بہت سی عورتوں نے شعر و سخن کی خدمت انجام دی۔ کشمیری زبان میں حبہ خاتون گجراتی میں لہوین مہتا۔ دھارووین پٹیل ۔ تلگو میں وسواندرم۔ سودامتی ۔ پدم وتی دیوی۔ تامل میں کو ٹھیا مناگی ۔ آسامی میں سینولتا اور چندر پربھا۔ انگریزی میں سروجنی نائڈو۔ بھارتی سارہ بائی۔ کملا کھنڈیہ نے بیش بہا تصانیف کے اضافے کیے ہیں۔

ادب اور تعلیم کے شعبوں کے علاوہ بھی عورتوں نے رقص و موسیقی میں کافی شہرت حاصل کی اور ان شعبوں میں طرح طرح کی جدتیں کیں۔ رقص و سیقی کے سلسلے میں سینا کار۔ بال سرسوتی۔ رکینی دیوی۔ میری نلنی۔ کماری کملا۔ اندرانی رحمان ۔ ڈھینو اندرانی بیگم اختر، رسولن بائی۔ سرلا سہگل اور تارا چودھری کے نام کافی اہمیت رکھتے ہیں۔

کملا دیوی چٹوپادھیائے اور بیگم بشیر زیدی نے ہندوستان میں تھیٹر اور اسٹیج کو دوبارہ زندگی دی۔

اس طرح دھیرے دھیرے عورتیں ہر شعبہ زندگی میں نظر آنے لگیں اور بہت بڑی حد تک اختلاف جنس پر تقسیم کار کا طریقہ ختم ہو گیا۔ آجکل مغربی ممالک کی طرح ہمارے ملک میں بھی کوئی شعبہ اور کوئی پیشہ ایسا نہیں ملے گا جس میں صرف اختلاف جنس کی بنیاد پر عورتوں کو لینے سے انکار کر دیا جائے۔ مغربی ممالک میں تو عورتیں انڈسٹریز۔ دفاتر اور ہر طرح کے کاموں پر چھا گئیں ہیں۔ ہمارے ملک میں بعض دشواریوں اور تعلیمی سہولتوں کی کمی کی وجہ سے پوری طور پر ایسا نہیں ہو سکا پھر بھی ہر شعبہ میں کام کرنے والی عورتیں نظر آتی ہیں۔ کچھ دن پہلے تک میڈیکل اور قانون کے شعبہ میں عورتیں نہیں تھیں۔ لیکن آزادی کے بعد ان شعبوں میں بھی عورتوں کو جانے کی سہولتیں دی گئیں اور اب اس میں بھی وہ وکیل ڈاکٹر

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور مجسٹریٹ کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ بعض شعبے تو عورتوں کے لئے مخصوص ہو کر رہ گئے ہیں۔

وائیولا کلین نے لکھا ہے کہ:

"کام کرنے والی عورتوں میں سب سے زیادہ تعداد استانیوں کی ہے۔ یہ پیشہ عورتوں کے لئے مخصوص ہوتا جا رہا ہے۔ دوسرے پیشوں میں جہاں تھوڑی تعلیمی اہمیت کی ضرورت ہوتی ہے زیادہ تر عورتیں نظر آتی ہیں۔

مثلاً شارٹ ہنڈ۔ ٹائپسٹ۔ بک کیپرس۔ خزانچی۔ سکریٹریز۔ ٹیلی فون آپریٹر وغیرہ .... اسی طرح نرسنگ بھی ایک دوسرا میدان ہے جس میں عورتیں سب سے زیادہ ملازم ہیں۔ [۱]

ہندوستان میں بھی میڈیکل شعبوں میں عورتیں بڑی تعداد میں نظر آتی ہیں۔ آزاد ہندوستان کے نئے دستور نے عورتوں کو ہر اعتبار سے مردوں کے برابر قانونی حقوق دیکر ہمیشہ کے لئے ہندوستان میں ان کی سماجی اور اقتصادی بنیادوں کو مستحکم کر دیا ہے۔

[۱] VOILA KLEIN, 'FAMINEN CHARACTER' P-28

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دوسرا باب

- کردار نگاری کا عام مفہوم اور معیار
- پریم چند سے پہلے اردو ناول میں نسوانی کردار
- پریم چند کی کردار نگاری اور نسوانی کرداروں کی طبقاتی تقسیم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اصنافِ نثر میں ناول ہی ایک ایسی صنف ہے جو مکمل طور پر ہماری زندگی اور سماج کے نشیب و فراز اور تبدیلیوں کی تصویر پیش کرتی ہے دوسرے اصناف افسانہ اور ڈراما میں بھی زندگی جمل کشمکش حیات اور سماج کی کسی حد تک تصویر نظر آتی ہے۔ لیکن ناول اور ان اصناف میں ایک فرق ہے۔ ڈراما اپنے حدود میں پابند اور وہ حدتوں میں گرفتار ہونے کی وجہ سے وہ وسعت نہیں رکھتا جو ناول کی آزاد فضا کو حاصل ہے۔ افسانے کا کینوس (ڈھانچہ) بہت محدود ہے۔ اس لئے وہ ہماری زندگی کے کسی ایک پہلو کی ترجمانی سے آگے نہیں بڑھتا۔ ناول میں ہم خود اپنے کو چلتا پھرتا ہوا اور کرداروں کا شریک پاتے ہیں ناول کے صفحات ہمارے سماج کا ایک وسیع اسٹیج ہیں —— جس پر ہم سب وحدت زمان و مکان سے آزاد ہو کر اپنا عمل کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ناول کے کینوس یا ڈھانچے کی اسی وسعت نے اسے افسانوں اور دوسری اصناف سے بہتر اور مقبول صنف بنا دیا ہے۔

ناول ہماری زندگی کی سچی تصویر پیش کرتا ہے۔ اس کے ذریعہ ہمیں تہذیبی اقدار اور روایات کا پتہ چلتا ہے۔ ناول کی تنقید کے وقت اس بات پر نگاہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ کہاں تک زندگی کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کس حد تک ہم اسے زندگی کی تصویر کہہ سکتے ہیں ناول کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار زندگی کی صحیح تصویر کشی پر ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پرسی لوبک نے لکھا ہے کہ :

"سب سے پہلے ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ناول زندگی کی تصویر ہے اور زندگی سے ہم اچھی طرح واقف ہیں اس کے بعد اپنے ذوق و شعور کو کام میں لاکر یہ دیکھنا چاہیے کہ در حقیقت یہ (ناول) کس حد تک زندگی کی طرح وسیع، حقیقت پر مبنی اور یقین آنے والا ہے۔" لے

ایک اچھے ناول کو زندگی کا عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ پلاٹ اور کردار کی طرف سے مضبوط ہونا چاہیے۔ ناول میں پلاٹ اور کردار کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اگر پلاٹ کمزور ہے تو ناول کی تعمیر اس طرح نہیں ہو سکے گی کہ اس سے زندگی کے نقوش واضح ہوں۔ زندگی کی ترجمانی کی بنیاد بھی پلاٹ ہی پر ہوتی ہے۔ اس لیے پلاٹ کا اچھا ہونا ضروری ہے۔ لیکن بعض جگہوں پر پلاٹ کی کمزوری اچھی کردار نگاری کی وجہ سے دب جاتی ہے اور کردار نگاری کو اس طرح سے سمجھ کر لیتے ہیں کہ اس کی نگاہ پلاٹ کی کمزوری تک نہیں پہنچتی لیکن اگر کردار نگاری میں کوئی خامی ہے تو ناول کو اچھے ناولوں میں شمار نہیں کیا جا سکے گا۔ ناول کی بنیاد کردار نگاری پر ہے اور کردار نگاری ایک بہت بڑا فن ہے۔ ناول کے لئے جس قدر اچھا پلاٹ ضروری ہے اسی قدر اچھی کردار نگاری کی بھی ضرورت ہے دوسرے الفاظ یوں سمجھئے کہ پلاٹ و کردار ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔

کردار ہی ناول کی کسوٹی ہے۔ اگر ناول نگار نے کردار کی تخلیق میں ذرا بھی لغزش کی تو ناول کا مجموعی تاثر کمزور ہو جائے گا کردار نگاری کا فن شیشہ گری کی طرح مشکل اور نازک ہے۔ ایک ناول میں مختلف قسم کے کردار ہوتے ہیں جو حالات ماحول۔ ذہنی رجحان تربیت فکر عادات و اطوار پسند اور جذبات و احساسات کے لحاظ سے الگ الگ ہوتے ہیں ان پر پوری طرح نگاہ رکھنا ناول نگار کے لئے بہت ضروری ہے۔ چونکہ ناول ذاتی حالات کے ساتھ ساتھ پورے سماج کو اپنے دائرہ عمل میں لے لیتا ہے۔ اس لئے اس میں کردار نگاری کا کام زیادہ مشکل ہو جاتا ہے۔ سماج میں اچھے برے، نیک،

لے PERCY LUBBUCK, 'THE CRAFT OF FICTION P-9

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رحمدل، ظالم، بوڑھے، جوان، عورت اور مرد سب ہی طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان سب کی کردار نگاری اور صحیح موقعہ پر ان کا پیش کیا جانا ساتھ ہی اُن سے صحیح کام کا لینا ہی کردار نگاری کا فن ہے۔ اگر کردار کو کسی خاص بات کا پابند بنا دیا جائے تو وہ کردار مکمل کردار نہیں ہوتا۔

انسان کا جو تصور ہمارے ذہن میں ہے اس میں خامیاں اور خوبیاں دونوں نظر آتی ہیں کسی کامل انسان کا تصور جو خامیوں سے مبرّا اور جامع الصفات ہو ہماری سوسائٹی میں نظر نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری رومانیت کسی ایسے انسان کو ہمارے ذہن میں جنم دے لے۔ یا ہماری مذہبی عقیدت کسی انسان کو انسان کامل مان لے اس کی دوسری بات ہے۔ لیکن ہماری یہ رومانیت یا مذہبی عقیدت اگر کسی ایسے کردار کو ڈرامہ یا ناول میں پیش کرتی ہے تو وہ کردار ہمارے سماج کا زندہ کردار نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک مافوق الفطرت کردار ہوگا۔ جس میں نہ تو زندگی کی حرکت ہوگی اور نہ خیر و شر کی وہ کشمکش جو زندگی اور ناول کے اچھے کردار کے لئے ضروری ہے۔

انسان کے لئے کہا گیا ہے کہ وہ غلطیوں اور کمزوریوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں اچھائیاں اور برائیاں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ وہ بدصورت بھی ہو سکتا ہے اور حسین بھی۔ لیکن اگر اسے حسن میں بے مثال قوت میں یکتا علم میں لاثانی اور اسی طرح تمام اوصاف میں بلند ترین بنا کر پیش کیا جائے۔ تو وہ ہمارے سماجی ڈھانچے میں ہی نہیں سما سکتا۔

تاریخی کرداروں کے لئے تھوڑی سی مشکل ضرور ہوتی ہے اس لئے کہ وہ بنے بنائے کردار ہوتے ہیں۔ ان میں ناول نگار کو کسی ترمیم اور تبدیلی کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں اس کے لئے لازمی ہوتا ہے کہ جس طرح کے کردار اس کو ملے ہیں اسی شکل میں وہ انھیں پیش کر دے۔ وہ خواہ مثالی ہوں یا نہ ہوں۔ ایسے موقعہ پر کردار نگاری اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ پرانے تاریخی قصّوں میں بنے بنائے کرداروں کے ساتھ جنھیں مصنف تبدیل نہ کر سکتا ہو دقت اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

توقت کا پیدا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ ایسے موقعوں پر ناول نگار چند خاص اور اہم کرداروں کو چھوڑ کر کچھ دوسرے معاون کردار پیدا کر لیتا ہے۔ جس سے ناول میں زندگی لانے کی کوشش کرتا ہے۔ ساتھ ہی اس میں زندگی کی کشش پیدا کرنے کے لیے وہ اصل واقعہ میں بعض دوسری باتیں ملا کر اسے دلچسپ بناتا ہے۔ ناول نگار کو اتنی ترمیم کا اختیار ہے ورنہ تاریخ کی کتاب اور ناول میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا۔ لہٰذا تاریخی کرداروں میں ایک حد تک ناول نگار کی مجبوری کے تحت اسے نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔ لیکن دوسرے ناولوں میں کردار کا مثالی ہونا بہت بڑا عیب ہے — وقار عظیم نے لکھا ہے کہ:۔

"مثالی کرداروں کا مقصد بیحد بلند ہے۔ ان کی مثالیں لوگوں کو کچھ نہیں تو کم از کم اچھے خیالات کی طرف توجہ رجوع کر دیتی ہیں۔ لیکن مثالی کردار کے یہ معنی نہیں کہ وہ مافوق الفطرت بن جائے۔ ایک بلند نمونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ انسان نہ معلوم ہو۔" ؎۱

یہ بات کسی حد تک صحیح ہے کہ مثالی کردار انسان کو اچھے خیالات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ اچھے کردار خالص مصلحانہ اور ناصحانہ ہوتے ہیں۔ اس لئے مافوق الفطرت نہ ہونے کے باوجود وہ سیدھے اور سپاٹ ہو جاتے ہیں۔ جو پڑھنے والے پر اپنا کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتے۔ کردار کے لئے ضروری ہے کہ اس میں اتنی کشش اور تاثر ہو کہ اگر انسان ناول پڑھنے کے بعد واقعات کو بھول جائے تب بھی کرداروں کو نہ بھلا سکے اور یہ بات مثالی کردار میں ہونا بہت دشوار ہے۔ کرداروں کو مناسب ماحول میں آزاد چھوڑ دینے سے ان کی نشو و نما ہوتی ہے۔ چونکہ آزادی اُن کے عمل میں حارج نہیں ہوتی اور عمل ہی کردار کی کسوٹی ہے۔ ایسی صورت میں یہ بات فوراً ظاہر ہو جاتی ہے کہ کسی کردار کو پیش کرنے میں ناول نگار کہاں تک کامیاب

؎۱ فن افسانہ نگاری۔ وقار عظیم صہ ۱۳۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہو سکا ہے۔ یعنی وہ کردار جنھیں صرف کسی مقصد کے لئے جنم دیا جاتا ہے وہ اس مقصد کو تو پورا کر دیتے ہیں لیکن اتنے جاندار نہیں ہوتے جتنے فطری کردار ہوتے ہیں ایسے کرداروں کو ریڈون میور نے سپاٹ کردار لکھا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ :۔

"سپاٹ کردار صرف وہی ہے جو ناول نویس کا مقصد حل کرے یعنی کہ وہ اس کا ضروری آلہ کار ہے جس کے ذریعہ وہ ایک نظریہ زندگی کو پیش کرتا ہے۔ [۱]

یہ بات صحیح ہے کہ اگر کردار کو اس کے عمل کے سلسلے میں پابند کر دیا جائے تو اس کی دلکشی ختم ہو جائے گی۔ مثلاً ناصحانہ اور واعظانہ انداز کے کردار لیکن یہ کہنا کہ ایک نظریہ زندگی کو پیش کرنے والا کردار اپنے خالق کا آلہ کار ہوگا غلط ہے۔ اس لئے کہ کردار کسی نہ کسی نظریہ زندگی کو ہی پیش کرنے کے لئے تخلیق کیا جاتا ہے۔ اس نظریہ سے خواہ قاری کو اختلاف یا اتفاق کسی نہ کسی حد تک سارے کردار مصنف کے آلہ کار ہی ہوتے ہیں جنھیں وہ مختلف نظریات، رجحانات، جذبات اور تصورات کو پیش کرنے کے لئے تخلیق کرتا ہے۔ ممتاز حسین نے کردار نگاری سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"کردار نگاری ہمیشہ نارمل ہو۔ کیونکہ آپ ناول کے ذریعہ زندگی کی فلسفیانہ تعمیر کرتے ہیں اور یہ کام بغیر انسانوں کی مدد کے نہیں ہو سکتا ہے۔ جو نارمل ہوتے ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ تاریخ مجموعی اعتبار سے نارمل انسانوں کے عمل کا نتیجہ ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ کردار اپنی فطرت کا مظاہرہ اپنے عمل کے ذریعے کریں۔ کیونکہ عمل ہی وہ معیار ہے جس کی بنا پر کسی کردار کو متعین کیا جاتا ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ چونکہ ناول

---

[۱] EDWIN MUIR, 'THE STRUCTURE OF THE NOVEL' Page-26

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زندگی کی ایک فلسفیانہ تعمیر ہے...... اس لئے کردار صرف
اپنی انفرادیت ہی کے حامل نہ ہوں بلکہ ایک مخصوص طبقے اور
ٹائپ کی بھی نمائندگی کر سکیں۔ یہی وہ طریقہ ہے کہ جس کے ذریعے
آپ لاکھوں انسانوں کی نمائندگی ایک فرد کے ذریعے کرا سکتے ہیں
اور اس طرح آپ اپنے فن میں تحقیق کے ساتھ تعلیم کی منزل تک
پہنچ سکتے ہیں [1]

شخصیت کے ہمیشہ دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک انفرادی دوسرا سماجی اور اجتماعی انسان کے اعمال و افکار میں شخصیت کے ان دونوں پہلوؤں کا مظاہرہ برابر ہوتا رہتا ہے۔ ناول کے کردار بھی مختلف طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے انھیں اپنے عمل سے اپنے طبقے کی نمائندگی کرنی چاہیے۔ کردار کو نہ تو صرف انفرادی ہونا چاہیے۔ اور نہ خالصتاً سماجی یا اجتماعی۔ جب تک ان دونوں باتوں کا صحیح اور متوازن امتزاج کسی کردار میں نہیں ہوگا اس وقت تک ہم اس کردار سے قربت نہیں محسوس کر سکیں گے کردار میں عام چلتے پھرتے انسانوں کے عادات و اطوار اور اچھائیاں برائیاں ہونی چاہئیں۔ اگر یہ باتیں کردار میں نہیں ہیں تو ناول پڑھتے وقت اس کردار سے اجنبیت محسوس ہوگی اور اس کے دکھ درد اور خوشیوں میں قاری پوری طرح شریک نہیں ہو سکے گا۔ اس کی زندگی کے المیہ پہلو ہمارے دل کے ان تاروں کو نہیں چھو سکیں گے جو نہ صرف یہ کہ پڑھنے والے کو تڑپا دیتے ہیں بلکہ اس کے دکھ درد کا شریک بھی بنا دیتے ہیں۔ اگر پڑھنے والے کو کردار کی بدلتی ہوئی حالت سے دلچسپی نہ ہو سکی تو وہ معمولی درجے کی کردار نگاری کہلائے گی۔ سہیل بخاری نے لکھا ہے کہ:

"ہمیں صرف انھیں کرداروں سے ہم دردی ہوگی جو ہماری
ہی طرح دکھ سکھ کا تجربہ کرتے۔ ہماری ہی طرح جیتے اور ہماری

---

[1] بہترین ادب ۱۹۵۱ء ناول اور افسانہ۔ ممتاز حسین ص ۹۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہماری ہی طرح مرتے ہیں انسان نہ صرف فرشتہ ہوتا ہے نہ صرف شیطان وہ ان دونوں کا مرکب یعنی انسان ہوتا ہے۔ جس طرح محض نیک انسان کا ملنا محال ہے اسی طرح محض بد انسان کا ہاتھ آنا ناممکن ہے۔ چنانچہ ہم کو صرف انھیں کردار دلسے دلچسپی ہو سکتی ہے جو ہماری شبیہ پر بنائے گئے ہوں ...... ایک کردار سے مختلف انسانوں کو جو ہمدردی ہو جاتی ہے اس کا سبب یہی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی ذات کا کچھ حصہ اس میں پا لیتا ہے" [1]

کردار نگاری میں کردار کے ارتقا پر بھی نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ اس لیے وہ ایک مستقل عمل کے ذریعہ ہمارے سامنے آتا ہے اور مستقل ارتقائی منزلیں طے کرنے کے بعد آخر میں مکمل ہوتا ہے۔ کردار کی شخصیت کا ارتقا اگر کسی ایک عمل سے رک گیا یا کسی ایک حالت پر قایم ہو گیا تو وہ بے جان کردار سمجھا جائے گا۔ اچھے کردار کے لیے ضروری ہے کہ واقعات اور تجربات اس میں تبدیلیاں پیدا کرتے رہیں۔ ورنہ کردار بے اثر ہو جائے گا۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ واقعات کو اس طرح ترتیب دیا جائے کہ کردار اور واقعات میں ہم آہنگی پیدا ہو۔ تاکہ کردار اپنے تخلیق کے مقصد کو پوری طرح ادا کر سکے۔

پریم چند سے پہلے اردو ناول میں نسوانی کردار

اردو میں ناول نگاری کی ابتدا۔ نذیر احمد سے ہوئی۔ لیکن بعض ناقدین کا خیال ہے کہ نذیر احمد کو پہلا ناول نگار کہنا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کی تحریریں ناول کی تکنیک پر پوری نہیں اترتیں اور ان تحریروں کو ناول کی بجائے تمثیلی افسانے کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ دوسری طرف بعض محققین نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ اردو

---

[1] اردو ناول نگاری سہیل بخاری ص ۲۵، ۴۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں ناول نگاری نذیر احمد سے پہلے شروع ہو چکی تھی ڈاکٹر محمود الہی نے مولوی کریم الدین کے ناول "خطِ تقدیر" کو اُردو کا پہلا ناول قرار دیا ہے۔ خطِ تقدیر کا سنہ اشاعت ۱۸۶۲ء ہے اس طرح یہ نذیر احمد کے ناولوں سے پہلے شائع ہوا۔ ڈاکٹر محمود الہی نے لکھا ہے کہ :۔

> "انھوں نے (مولوی کریم الدین) نے نہ صرف یہ کہ اُردو میں پہلی بار ناول لکھا بلکہ اسے سماج کے مختلف طبقوں کا نمائندہ بنانے کی کوشش کی"۔ [۱]

خطِ تقدیر، مراۃ العروس سے سات سال پہلے شائع ہوا۔ اس میں عام طور پر ۱۸۵۷ء کے واقعات سے پیدا شدہ حالات کو تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ناول "۱۱ سیر" پر مشتمل ہے جنھیں ۱۱ باب بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مولوی کریم الدین تمثیل نگاری میں کامیاب ہیں۔ لیکن ساری کتاب پر داستان گوئی کا رنگ حاوی ہے۔ بعض کرداروں کو پیش کرنے میں کافی کوشش کی گئی ہے اور چند تمثیل میں ان کے خد و خال خاصے دلکش نظر آتے ہیں اس طرح خطِ تقدیر، ایک دلچسپ اور اپنے عہد کا ایک مقبول تمثیلی افسانہ کہا جا سکتا ہے۔ ناول کا نام اسے دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا پھر بھی چونکہ اسے اُردو کے پہلے ناول کے طور پر بعض ناقدین نے پیش کیا ہے۔ اس لئے پریم چند سے پہلے اُردو ناولوں کے نسوانی کردار کا مطالعہ کرنے کے سلسلے میں ہمیں سب سے پہلے "خطِ تقدیر" کے نسوانی کردار کو دیکھنا ہے۔

مولوی کریم الدین نے جہاں بعض مردوں کے کردار مستان شاہ (طالبِ تقدیر) بہلول شاہ فیضان اور دوسرے کرداروں کو تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ وہیں عورتوں کے کرداروں ملکۂ تقدیر، عقل، چترالی، دولت اور

---

[۱] اردو کا پہلا ناول، خطِ تقدیر، مرتبہ ڈاکٹر محمد الہی صفحہ ۳۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تدبیر وغیرہ کو پیش کیا ہے۔ کرداروں کے یہ نام ان کے عمل کی تشریح کرتے ہیں یعنی قصہ میں جس کو جو کام انجام دینا ہے اس کو ویسا ہی نام دیا گیا ہے۔ قصہ چونکہ اصلاحی ہے اور مصنف ہندوستانی معاشرے اور سماج کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اس لئے کرداروں کے ناموں کے انتخاب میں بھی خاص خیال رکھا گیا ہے۔ اس وقت نوجوانوں کو تعلیم کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ مولوی کریم الدین کا خیال تھا کہ بغیر تعلیم و تدبیر کے قوم کا کوئی نوجوان نہ تو ترقی کر سکتا ہے اور نہ اپنے مقصد کو پا سکتا ہے اسی لئے انھوں نے ' ملکہ تقدیر ' جیسے زندگی کا مقدر بھی کہا جا سکتا ہے کو حاصل کرنے کے لئے علوم میں پختگی اور تدبیر و عقل کی رہنمائی کو لازمی قرار دیا ہے ـــ کردار نگاری کے اعتبار سے خطِ تقدیر میں نسوانی کردار کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ چترائی، دولت، تدبیر اور عقل وغیرہ اپنی اپنی جگہ پر اپنے ناموں کے مطابق کام کرتی جاتی ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعہ مصنف سماجی کرداروں کو پیش نہیں کرنا چاہتا بلکہ عقل و عشق کے ذریعہ سوسائٹی کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اور قصے کے قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھنے کے لئے کہیں چترائی کی شوخی اور چلبلا پن بیان کرتا ہے۔ اور کہیں دولت کا قصہ جو ملکہ تقدیر کی زرخرید لونڈی ہے ' خطِ تقدیر ' کے نسوانی کردار اور ان کی کردار نگاری کا اندازہ اس اقتباس سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

> "پیچھے ملکہ کے ایک عورت، خرانٹ صورت، بڑی ہوشیار
> سب اموراتِ شاہی میں واقف کار ملکہ کے پیچھے پیچھے باادب
> شہزادی کے پیشواز کے دامن پکڑے ہاتھ میں اٹھائے چلی جاتی
> تھی۔ ملکہ اس کے آگے آگے چلی آتی تھی۔ میں نے فیضان سے پوچھا
> یہ کون ہے؟ انھوں نے فرمایا یہ ملکہ کی مصاحب کبیر ہے۔ ملکہ تو
> بڑی بھولی بھالی ہے۔ پر یہ نیک بخت واقفِ صغیر و کبیر ہے اس
> کا نام تدبیر ہے" [1]

---

[1] اردو کا پہلا ناول ' خطِ تقدیر ' مولوی کریم الدین مرتبہ محمود الہی ص ۶۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ مولوی کریم الدین کے کرداروں میں وہ خوبی نہیں ہے جس کی بنا پر انھیں کردار بھی کہا جا سکے۔ اُردو ناول کے نقوش نذیر احمد کے قصوں سے واضح ہونے لگتے ہیں۔ ان کی تصنیفات اُردو ناول کی ابتدائی شکلیں ہیں گو کہ اس میں الگ الگ قصّوں کو جوڑا گیا ہے جس کی وجہ سے بعض جگہ پلاٹ میں وہ وحدّت باقی نہیں رہتی جیسے ناول میں ہونا چاہیئے لیکن قصّہ کی ترتیب اور کردار کو پیش کرنے کا انداز نذیر احمد کی تصنیفات کو ناول سے قریب کر دیتا ہے 'خط تقدیر' کی تمثیل 'سب رس' سے ملتی جُلتی ہے اور اسی طرح کے کردار بھی تخلیق کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن نذیر احمد کے کردار تمثیلی ہوتے ہوئے بھی کسی حد تک زندہ کردار نظر آتے ہیں۔ نذیر احمد نے 'مراۃ العروس'، 'بنات النعاش'، 'توبتہ النصوح'، 'ابن الوقت'، 'رویائے صادقہ'، 'مبتلا' اور 'ایامی' میں بہت سے نسوانی کرداروں کو پیش کیا ہے۔ عورتوں کے کرداروں کے لحاظ سے نذیر احمد کے ناول اس لیے بھی بہت اہم ہیں کہ نذیر احمد کا بنیادی مقصد عورتوں کی اصلاح تھا۔ ان کرداروں میں ایک خرابی ہے کہ ان میں خیر و شر کی کشمکش نہیں ہے۔ یہاں عموماً خیر الگ ہے اور شر الگ۔ جس کردار کے ذریعہ بُرائی کو ظاہر کیا گیا ہے وہ شروع سے آخیر تک بُرا ہے اور جس کے ذریعہ اچھائی کو پیش کیا گیا ہے۔ وہ اچھا ہے۔ کردار کی یہ یکسانیت ناول کے لئے اچھی چیز نہیں ہے۔ پھر یہ کردار نگاری کی خامی بھی ہے لیکن اپنی اس کوتاہی کے باوجود نذیر احمد کے نسوانی کردار بالکل بے جان کردار نہیں ہیں۔

نذیر احمد کا عورتوں کے بارے میں ایک خاص تصوّر ہے۔ یہ تصور اس عہد کا تصوّر بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں شرافت، نیکی، پارسائی، تمیز و تہذیب، اخلاق، سگھڑاپا، ایثار اور خدمت کو ایک اچھی عورت کے لئے ضروری قرار دیا جاتا تھا۔ اور ان سب چیزوں کو بیک وقت ہر عورت میں تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ یہی نذیر احمد کی بھی خواہش تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ عام عورتیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نیک، خدمت گذار، تعلیم یافتہ اور سگھڑ ہو جائیں اسی لئے انھوں نے جو نسوانی کردار پیش کیے ہیں وہ عام طور پر دو طرح کے ہیں یا نیک اور بد۔ برے کرداروں کو وہ تضاد کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اچھے اور برے کردار ہر سماج اور ہر عہد میں ہوتے آئے ہیں۔ لیکن نذیر احمد نے انھیں جس طرح پیش کیا ہے اسے کامیاب کردار نگاری میں نہیں شمار کیا جائے گا۔ اس لئے کہ وہ دنیا کی ہر خوبی اپنے اچھے کرداروں میں دکھا دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جن کرداروں کو نذیر احمد نے اپنے خیال کے مطابق بہت اچھا بنا کر پیش کیا ہے وہی کردار نگاری کے اعتبار سے کم جاذب نظر کردار ہیں ان کے مقابلہ میں جو کردار برائی کو پیش کرتے ہیں۔ ان میں کچھ زندگی کے آثار نظر آتے ہیں۔

نذیر احمد کا پہلا ناول "مراۃ العروس" ہے جو ۱۸۶۹ء میں شایع ہوا اس ناول کا مقصد عورتوں کی اصلاح ان کی تعلیم اور امور خانہ داری میں مہارت ہے۔ اسی لئے انھوں نے مراۃ العروس کو نصیحت آمیز اور سبق آموز بنانے کی کوشش کی ہے۔

مراۃ العروس میں دو بنیادی کردار اکبری اور اصغری ہیں جو دو الگ الگ قصوں کی شکل میں ناول میں ہمارے سامنے آتی ہیں ان دونوں کرداروں کے ساتھ مددگار کرداروں کی حیثیت سے نذیر احمد نے بہت سے نسوانی کردار پیش کیے ہیں۔ جن میں بعض دلکش اور دلچسپ ہیں۔ مثلاً ماما عظمت اور محمودہ وغیرہ

اکبری اور اصغری اس ناول کے اہم ترین کردار ہیں۔ اکبری پھوہڑپن، بدمزاجی، بے عملی اور بدعقلی کا نمونہ ہے۔ اس کے برخلاف اصغری تعلیم یافتہ، مہذب، ہنرمند، خوش مزاج امور خانہ داری سے واقف اور ایک شائستہ عورت ہے۔ ان دو کرداروں کو پیش کر کے نذیر احمد یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ زندگی میں خوشی و مسرت۔ علم، اخلاق، تہذیب اور ہنرمندی سے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکبری جو ان تمام چیزوں سے بے بہرہ ہے اپنے گھر کو جہنم بنا لیتی ہے —

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس کی بدمزاجی ہر نقصان اور ہر بات کا الزام شوہر کو دینا۔ غلط اور خراب قسم کی عورتوں پر اعتبار کرنا اس کو پریشانیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کرتا ہے اس کے برخلاف اصغری ایک مثالی عورت ہے اور شائد نذیر احمد کا آئیڈیل بھی ہے جس میں انھوں نے ہر خوبی سمونے کی کوشش کی وہ اپنی تعلیم اور سلیقہ کی وجہ سے سسرال میں سب کا دل جیت لیتی ہے۔ اپنی نند محمودہ کو جس سے اکبری اچھا برتاؤ نہیں کرتی تھی۔ پیار و محبت دیتی ہے اور گھر کو ایک جنتِ ارضی میں تبدیل کر دیتی ہے۔

کردار نگاری کے نقطۂ نگاہ سے اصغری نذیر احمد کا مثالی کردار ہے۔ نذیر احمد نے اُسے تہذیب و شائستگی کا اعلیٰ نمونہ بنا کر پیش کیا ہے۔ اس حیثیت سے اس میں کشش بھی ہے اور زندگی بھی لیکن کردار کا ایک خاص مقصد ہونے کی وجہ سے اس میں یکسانیت زیادہ نظر آتی ہے۔ اسی لئے وہ کردار اپنی تمام خوبصورتی اور دلچسپی کے باوجود نسبتاً کم دلکش ہے۔ اس کے مقابلہ میں اکبری کا کردار جو بے عقل بدمزاج اور پھوہڑ ہے اپنی مختلف قسم کی غلطیوں اور بے وقوفیوں کی وجہ سے زیادہ دلکش نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر احسن فاروقی نے اکبری کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"ایسی مکمل پھوہڑ عورت تو ناممکن ہے۔ مگر پھوہڑپن کی جو جو باتیں الگ الگ لڑکیوں میں مولانا نے دیکھی ہوں گی وہ سب یکجا کر کے انھوں نے نہایت دلچسپ اور جیتا جاگتا نمونہ بنایا ہے اس کا سسرال سے آزادی چاہنا۔ میاں سے بات بات پر بگڑ کر گھر کی چیزیں پھینکنا بچوں کی طرح کھلونوں اور کھانے کی چیزوں کی فرمائش کرنا۔ کم ظرف عورتوں سے کھیلنا اور ان کی باتوں پر اعتبار کرنا۔۔۔۔ یہ سب باتیں مولانا نے اس حسن و خوبی سے یکجا کی ہیں کہ ایک نہایت دلکش جیتی تصویر ہمارے سامنے آجاتی ہے"[1]

---

[1] اردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ محمد احسن فاروقی صہ ۸۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اکبری کا کردار زیادہ پرکشش اور حقیقت سے کسی قدر قریب نظر آتا ہے۔

محمودہ، ماما دیانت، اور اصغری کی ساس کے کردار معمولی حیثیت کے کردار ہیں۔ لیکن ماما عظمت کا کردار پھر ایک دلکش اور زندہ کردار ہے۔ مامائیں اور ملازمائیں زیادہ تر بددیانت اور موقع سے فائدہ اٹھانے والی ہوتی ہیں۔ ہر گھر کو اس طرح کچھ نہ کچھ حقیقی تجربے ضرور ہوں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نذیر احمد نے اس طرح کے کرداروں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ ماما عظمت بھی اسی طرح کی ایک ملازمہ ہے جو ہر طرح سے اپنا فائدہ چاہتی ہے۔ وہ بددیانتی میں بھی پیچھے نہیں ہے۔ گھر والوں کو بیوقوف بنانا اور طرح طرح سے چیزیں حاصل کرنا اس کا معمولی سا کرشمہ ہے۔ نذیر احمد نے اسے بہت پراثر اور زندہ کردار کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی نگاہ میں ماما دیانت زیادہ اہم کردار ہو لیکن کردار کے اعتبار سے وہ ماما عظمت کا پاسنگ بھی نہیں۔ حسن آرا بھی مراۃ العروس کا ایک خوبصورت اور دلچسپ کردار ہے جو امرا اور روسا شوخ و تیز لڑکیوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

"بنات النعش" کے نسوانی کردار وہی ہیں جو "مراۃ العروس" کے ہیں۔ ناول کا موضوع کرداروں کے نام اور ان کا عمل بھی وہی ہے۔ اس لیے یہاں پر ان کرداروں کے تفصیلی جائزے کی ضرورت نہیں ہے۔ نذیر احمد نے خود بھی لکھا ہے کہ "بنات النعش" مراۃ العروس کا دوسرا حصہ ہے۔

توبۃ النصوح ۱۸۷۷ء میں شائع ہوا۔ یہ ناول پلاٹ اور کردار نگاری دونوں کے اعتبار سے ان کے پچھلے دونوں ناولوں سے بہتر ہے۔ اس میں جو نسوانی کردار پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں ورائٹی ہے کردار نگاری کے اعتبار سے بھی اور زندگی اور دلکشی کے اعتبار سے بھی توبۃ النصوح کے نسوانی کردار زیادہ خوبصورت ہیں۔ فہمیدہ۔ حمیدہ۔ حضرت بی۔ نعیمہ اور صالحہ کے کردار ناول میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ نذیر احمد نے عام طور پر متوسط طبقے کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مسلمان گھرانوں کے کرداروں کو پیش کیا ہے۔ یہ وہ طبقہ ہے جو مالی اعتبار سے بہت مطمئین نہ ہوتے ہوئے بھی امارت کی نمائش اور تصنّع میں مبتلا ہے۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے ہنر اور سلیقہ بھی کم ہے۔ نذیر احمد یہ چاہتے ہیں کہ ان میں وہ سلیقہ وہ ہنر پیدا ہو سکے۔ جس سے انھیں عزّت اور وقار حاصل ہو۔ نذیر احمد کا یہ پیام خود نصوح کے کردار میں بھی نظر آتا ہے۔ جہاں تک نسوانی کرداروں کا تعلق ہے۔ فہمیدہ ایک نازک دل رکھنے والی سمجھدار اور سلیقہ شعار عورت ہے جس میں مادرانہ شفقت اور پیار بھرا ہوا ہے۔ حضرت بی کے کردار میں بے حد دلکشی ملتی ہے وہ گھر کی بڑی بوڑھی نانی کا ایک خوبصورت کردار ہے اس طرح کے کردار مختلف ناموں سے اوسط درجے کے مسلمان گھرانوں میں ہر جگہ دیکھے جا سکتے ہیں۔ نعیمہ اور حمیدہ بھی اس ناول کے خوبصورت کردار ہیں۔ حمیدہ پر مذہبیت کا غلبہ ہے۔ اور نعیمہ عیش و آرام میں پلی ہوئی ایک ضدی لڑکی ہے جس کی حرکتیں قاری کے لیے دلکشی رکھتی ہیں۔ صالحہ نعیمہ کی سہیلی ہے جو باشعور نیک اور محبت کرنے والی عورت ہے۔

نذیر احمد نے ان نسوانی کرداروں کے ذریعہ اوسط درجے کے مسلمان گھرانوں کی زندگی اور شوہر و بیویوں کے تعلقات کا بڑا اچھا نقشہ کھینچا ہے اس میں ہمیں فہمیدہ جیسا کردار بھی ملتا ہے جو ہر معاملہ میں شوہر کی تابعدار اور اس کے مزاج کے موافق کام کرنے والی ہے۔ دوسری طرف نعیمہ ہے جو اپنی ضد میں شوہر سے لڑ کر میکے چلی جاتی ہے۔ اور اپنا گھر برباد کر لیتی ہے اس کے علاوہ بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں جو گھر کی روزمرہ کی زندگی میں خوشی افسردگی یا جھگڑے کا سبب بنتی ہیں۔ ان کرداروں کے ذریعہ بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

نذیر احمد کے دوسرے ناول "رویائے صادقہ" "مبتلا" اور "ایامیٰ" اس معیار کے نہیں ہیں جو ان کے پچھلے ناولوں کا معیار ہے۔ ان ناولوں میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فنی کمزوری کا اصل سبب ان کی مذہبیت تھی اسی لئے ان میں بعض جگہ طویل مذہبی مباحث اور علمی تقریریں آگئی ہیں۔ پھر بھی نسوانی کرداروں کے سلسلے میں مبتلا کا ایک کردار ہریالی بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس ناول کا اصل موضوع تعدد ازدواج ہے جس میں انھوں نے یہ دکھلایا ہے کہ غیرت بیگم کہاں تک اپنے شوہر کی دوسری شادی کی ذمہ دار تھیں اور دوسری شادی کے بعد شوہر کو کن مصیبتوں اور پریشانیوں کا شکار ہونا پڑا۔ مبتلا نے ایک بازاری عورت ہریالی سے شادی کر لی تھی۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے لکھا ہے کہ اردو میں پہلی بار نذیر احمد نے ہریالی کے کردار کے ذریعہ کسی طوائف کی زندگی کو پیش کرنے کی کوشش کی انھوں نے لکھا ہے کہ :-

"ہریالی کے کردار میں پہلی بار اردو میں ایک طوائف کی زندگی اور اس کی نفسیات کا گہرا مطالعہ سامنے آتا ہے۔ طوائف ہو کر اس کے دل میں جو انسانیت ہے شوہر پرستی اور وفا شعاری کا جو احساس ہے وہ غیرت بیگم کی خود داری تنگ دلی۔ حسد۔ اور بے مہری کے مقابلہ میں قاری کی شدت سے متاثر کرتا ہے" [۱]

ہریالی کے کردار سے ایک اور خاص بات ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ یہ کہ نذیر احمد نے ایک بازاری عورت کو ایک خاندانی عورت پر فوقیت دی ہے۔ یہ اس زمانے، سماج اور نذیر احمد جیسے مولوی کے لئے بہت اہم بات ہے۔ غیرت بیگم ایک خاندانی عورت ہے لیکن سخت دلی حسد اور تنگ مزاجی کی وجہ سے وہ ہریالی کو اس سے بہتر بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ہریالی اس کے مقابلے میں رحم دل، وفا شعار، شوہر پرست، اور خدمت گذار ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ دو شادیاں کرنے کی خرابیوں اور مصیبتوں کو بھی نمایاں کرتے ہیں اس طرح موضوع اور کردار نگاری کے اعتبار سے 'فسانہ مبتلا' ایک اہم ناول ہے۔

---

[۱] پریم چند کا تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر قمر رئیس ص ۱۱۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

موضوع کے اعتبار سے ایامیٰ بھی نذیر احمد کا اہم ناول ہے۔ جس میں بیوہ عورتوں کی دوسری شادی کی ضرورت کو کہانی کا موضوع بنایا گیا۔ اس کا بنیادی کردار آزادی بیگم ہے۔ جس کی بیوگی کے دردناک حالات پیش کئے گئے ہیں اور بیواؤں کے نکاح ثانی کے اہم سماجی اور انسانی مسئلہ کو ابھارا گیا ہے۔ شاید نذیر احمد پہلے مصنف ہیں جنھوں نے عورتوں کے اتنے بڑے مسئلہ کو اہمیت دی۔ آزادی بیگم کی کردار نگاری میں دردمندی۔ مصیبت بے چارگی۔ بدقسمتی۔ اور تشنگی کو بڑی کامیابی کے ساتھ ظاہر کیا ہے۔

نسوانی کردار نگاری اور عورتوں کے مسائل کے لحاظ سے نذیر احمد کے ناول بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ انھیں صرف اردو کا پہلا ناول نگار ہونے کا ہی شرف حاصل نہیں ہے۔ بلکہ عورتوں کے بعض اہم مسائل کو پیش کرتے ہیں بھی اوّلیت حاصل ہے نسوانی کرداروں کے لحاظ سے اصغری۔ اکبری۔ صالحہ۔ آزادی بیگم۔ غیرت بیگم اور ہریالی وغیرہ کے کردار نذیر احمد کی چابکدستی مہارت اور دیدہ وری کا ثبوت ہیں۔

نذیر احمد کے بعد اردو ناول نگاری میں رتن ناتھ سرشار کا نام آتا ہے۔ سرشار کو سب سے زیادہ شہرت فسانۂ آزاد سے حاصل ہوئی ناول کے فن پر فسانۂ آزاد پورا نہیں اترتا۔ لیکن سرشار نے خود اسے ناول کا نام دیا ہے۔ ناول کے فن کے لحاظ سے فسانۂ آزاد میں کئی کمزوریاں اس کا نہ تو کوئی مربوط پلاٹ ہے۔ نہ ہی کوئی بنیادی موضوع یہ ضرور ہے کہ فسانۂ آزاد اودھ کی زوال آمادہ جاگیردارانہ تہذیب کی ایک تصویر ہے۔ بدلتے ہوئے حالات انگریزوں کی حکومت کے قیام کے اثرات ___ نوابوں کی کھوکھلی اور مصنوعی زندگی کو سرشار نے دلکش انداز میں پیش کیا ہے سرشار نے اگر ایک طرف اس عہد کی لکھنوی تہذیب کو بہت موثر انداز میں پیش کیا ہے تو دوسری طرف اس سماج میں پائے جانے والے اشخاص کی بڑی سچی تصویریں پیش کی ہیں۔ فسانۂ آزاد میں سرشار نے ایک ساتھ اتنے کرداروں کو پیش کیا ہے اور ان میں اتنا تنوع ہے کہ کسی دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔ خورشید الاسلام نے بہت صحیح کہا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے کہ فسانۂ آزاد انسانوں کا ایک جنگل ہے[1]۔ انسانوں کے اس جنگل میں ہر طرح کے کردار ہمیں ملتے ہیں یہ تمام کردار اس وقت کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں ان میں بیگمات۔ نواب زادیاں۔ اور اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والی حسن آرا اور سپہر آرا جیسے کردار بھی ہیں اور ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والی خوش جان کنجڑن، ہر دیا سنارن، مالی مہارن، عباسی مہری، کندیا بھٹیارن، اس کے علاوہ مامائیں۔ ملازمائیں اور ساقنیں زمانے اس طرح کے کئی کردار ملتے ہیں۔ انھیں کرداروں میں ثریا بھی ہے۔ جو نہ متوسط طبقہ میں ہے اور نہ ادنیٰ میں پھر بھی دونوں طبقوں میں شامل ہے۔ ان کرداروں میں ہر ایک کی اپنی الگ خصوصیت ہے۔ اس وقت کے سماجی ڈھانچہ میں ان کرداروں کی بڑی اہمیت تھی یہی وجہ ہے کہ سرشار نے ان کی تصویر کشی کرتے وقت معمولی سے معمولی جذبات پر نظر رکھی ہے۔ فسانۂ آزاد میں اتنے زیادہ کردار ہیں کہ بعض جگہ ان کی سیرت نگاری میں سرشار کی گرفت ڈھیلی ہو گئی ہے لیکن عام طور پر انھوں نے اپنے کرداروں کو زندہ متحرک اور اس عہد کا نمائندہ کردار بنانے کی کوشش کی ہے۔

نسوانی کرداروں کا بیان سرشار نے بڑے خوبصورت انداز میں کیا ہے۔ فسانۂ آزاد میں عورتوں کی تصویر کشی سے اس سماج میں عام عورت کے مرتبہ اور اس کی اہمیت کا بھی احساس ہوتا ہے جن کو پیش کرنے میں سرشار کے قلم نے بڑی تابناکی دکھائی ہے۔ اودھ کی اس زوال آمادہ تہذیب میں عورت کا عام تصور وقتی تفریح اور عشق بازی سے زیادہ نہیں تھا۔ طوائفوں سے بازار آباد تھے چنانچہ زنان خانے سے کر روسا اور نوابوں کے دربار تک اگر کوئی ذکر مشترک تھا تو وہ عشق بازی اور شاہد بازی کا ذکر تھا۔ اسی لیے فسانۂ آزاد میں بھی تفصیل سے ان سارے حالات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔

---

[1] تنقیدیں۔ خورشید الاسلام ص ۸۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سرشار کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے جس طبقہ کے کرداروں کو پیش کیا ہے۔ اس کے لباس، بول چال، انداز اور اداؤں سے بھی اس طبقہ کی نمائندگی ہوتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چنڈو بازوں، افیمچیوں، بھٹیارنوں، چوڑی والیوں، کنجڑوں، ساقنوں اور دوسرے طبقوں کے مرد اور عورتوں کو سرشار نے بہت قریب سے دیکھا تھا ان کی بول چال، ان کے محاورے ان کی نشست برخاست ان کے جذبات و احساسات کی بڑی کامیاب اور دلکش تصویر سرشار کے ناولوں میں ملتی ہے۔ سرشار کے بہت سے کردار صرف ہنسنے ہنسانے کے لیے ہیں اسی لئے آل احمد سرور نے سرشار کی کردار نگاری پر رائے دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"سیرت نگاری سے انھیں کوئی لگاؤ نہیں ہے اور نہ سیرتوں کے تنوع سے وہ معاشرت کی تصویر بنانا جانتے ہیں انھیں تو کارٹون اچھے بنا آتے ہیں۔" [1]

یہ کہنا کہ سرشار کو سیرت نگاری سے کوئی تعلق نہیں یا وہ ان کے ذریعہ معاشرت کی تصویر بنانا نہیں جانتے بالکل درست نہیں ہے وہ کارٹون ضرور بناتے ہیں لیکن یہ کارٹون ہی اس معاشرت کی تصویر پیش کرتے ہیں ان پر طنز کرتے ہیں اور اس معاشرے کی خرابیوں کو نمایاں کرتے ہیں۔ سرشار نے اپنے ناولوں میں دنیا جہان کے کردار بھر دیے ہیں ان میں بعض تو کارٹون بھی نہیں ہیں اس لئے کہ کارٹون تو بڑا پر اثر ہوتا ہے۔ ان کے بہت سے کردار صرف جنسی جذبے کے اظہار کے لئے ہیں ان میں بھی بعض بے اثر ہیں اور اپنے اندر کوئی خاص دلکشی نہیں رکھتے۔ اس زوال آمادہ سماج میں جنس حاوی تھی جس کا اظہار میلوں ٹھیلوں، عرس و چہلم، محرم کے جلوس اور مختلف محفلوں کے بیان سے ہوتا ہے۔ عورت اس وقت ہر بڑے چھوٹے ادنیٰ اور اعلیٰ کے ذہن اور اعصاب پر چھائی ہوئی تھی اس حقیقت کے اظہار کے لیے سرشار نے بہت سے

---

[1] تنقیدی اشارے آل احمد سرور صفحہ ۱۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کردار تخلیق کیے ہیں ان میں سے بعض میں بڑی کشش اور زندگی ہے ان کرداروں کے مقابلے میں انھوں نے بعض ایسے مثالی کردار بھی تخلیق کئے ہیں جو، علم، ذہانت و ذکاوت اور حسن و دلکشی میں اپنی آپ مثال ہیں ان کرداروں سے سرشار کے اس جذبے اور خواہش کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ عورت کو کس طرح کا دیکھنا چاہتے تھے ان کے تمام نسوانی کرداروں کو پیش کرنا مشکل بھی ہے اور غیر ضروری بھی لیکن مختلف طبقات کے کچھ نسوانی کرداروں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ سرشار ان کو پیش کرنے میں کس حد تک کامیاب ہیں۔

فسانۂ آزاد میں سرشار نے حسن آرا کو بہت اہم کردار کی شکل میں پیش کیا ہے جس کی تخلیق میں انھوں نے کافی محنت کی ہے لیکن حسن آرا سے ملنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس طرح نذیر احمد کے ذہن میں اصغری کو پیش کرتے وقت یہ جذبہ تھا کہ ساری عورتیں اسی کی طرح ہو جائیں اسی طرح سرشار کی خواہش تھی کہ ہر عورت حسن آرا کی طرح علم و فلسفہ و منطق میں ماہر کردار میں بلند اور حسنِ سیرت میں بے مثال ہو جائے۔ چونکہ اس وقت عورتوں کی تعلیم کا نہ تو بہت رواج تھا اور نہ کوئی انتظام۔ وہ عورت بہت تعلیم یافتہ سمجھی جاتی تھی جو مراۃ العروس اور بنات النعش پڑھ لے۔ لیکن سرشار عورتوں کو اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے تھے جو ذہنی اور فکری طور پر مرد کے برابر ہو جو علمی مسائل پر گفتگو اور مباحث کے موقعوں پر مرد کے ساتھ برابر کی سطح پر گفتگو کر سکے جو مرد کے مشوروں میں برابر کی شریک ہو ان کا خیال تھا کہ کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے شوہر کی طرح بیوی کو بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا چاہیے۔ اپنے اس سارے جذبے اور خواہش کو انھوں نے حسن آرا کے کردار میں سمو دیا ہے۔ وہ حسن آرا کے زبان سے کہلاتے ہیں کہ:

> "جو میاں اور بیوی دونوں تعلیم یافتہ ہوں تو خوب ہی مزے سے کٹے...... ہاں مورکھ عورتیں چاہے اس کی فکر نہ کریں مگر ہمیں تو شاق گزرے۔ لطف یہ ہے کہ میاں کتاب پڑھ رہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں بیوی مزے سے سن رہی ہیں بیوی نے پڑھا کبھی میاں کو سنایا
کبھی اخلاق پر بحث ہو رہی ہے کبھی شعر و شاعری کا چرچا ہے .....
یہ ان کو صلاح نیک دیں وہ اُن کو مشورہ دیں ان پڑھ لاکھ نہ کی ہو
پھر جاہل ..... ''۵۱

حسن آرا اپنے عہد کی تمام لڑکیوں سے مختلف ہے وہ صرف تعلیم یافتہ ہی ہی نہیں ہے بلکہ شرفا کی تمام لڑکیوں کو بھی تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتی ہے اس سلسلے میں اس نے ایک لکچر لکھا اور میاں آزاد سے اصلاح کی خواہش کی عورتوں کی تعلیم کے بارے میں اپنی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتی ہے کہ:

" ہماری دلی آرزو یہ ہے کہ ہم مدرسۂ نسواں قائم کریں
میں نے ایک لکچر لکھا ہے۔ میاں آزاد اگر اصلاح دے دیں تو میں
کسی دن یہاں کی شریف زادیوں کو جمع کر کے لکچر دوں شاید کسی
کے دل پر اثر کرے اور کوئی نتیجہ نکلے۔'' ۵۲

یہی نہیں بلکہ حسن آرا علمی گفتگو میں حصہ لیتی ہے اور بڑے منطقی دلائل کے ساتھ بحث کرتی ہے۔ شادی اور شوہر کے سلسلے میں اس کے اپنے خیالات ہیں۔ وہ شادی سے قبل شوہر کو دیکھنا اور پسند کرنا چاہتی ہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں جو اس وقت کے معاشرے کے خلاف ہیں یہ وہ زمانہ ہے جب شریف خاندان کی عورتوں کی آواز بھی باہر نہیں سنی جا سکتی تھی اور حسن آرا کا تعلق لکھنؤ کے ایک اعلیٰ شریف خاندان سے ہے۔ لیکن ان باتوں سے سوسائٹی میں رفتہ رفتہ آنے والی تبدیلیوں کا احساس ہوتا ہے۔ حسن آرا کے کردار کے غیر رومانی پن نے اس کی کشش کو کم کر دیا ہے اس کا غیر ضروری طور پر مصلح اور فلسفی بننا اور خشک عالمانہ باتیں کرنا عجیب سا معلوم

---

۵۱ فسانۂ آزاد جلد اوّل رتن ناتھ سرشار ص ۲۹۷
۵۲ " " " " ص ۳۲۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوتا ہے دراصل دشواری یہ ہے کہ سرشار حسن آرا کو ایک مثالی کردار کی شکل میں پیش کرنا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے اپنے سارے نظریات کو حسن آرا کے کردار میں نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے یہی وجہ ہے کہ حسن آرا کردار نگاری کے اعتبار سے سرشار کا کامیاب کردار نہیں بن سکی لیکن اس کے باوجود اس میں دلکشی اور توانائی ہے۔

سرشار کے حسین نسوانی کرداروں کی عام طور پر بہت تعریف کی گئی ہے ان میں ثریا کا نام بھی ہے۔ ثریا سرشار کا ایک عجیب و غریب کردار ہے جو ہمیں مختلف اوقات میں فسانہ آزاد کے صفحوں پر مختلف شکلوں میں ملتا ہے وہ کبھی اللہ رکھی بھٹیارن ہے، کبھی جوگن، کبھی بیگم، کبھی شبو جان اور کبھی بیٹرن عشق نے اسے کیا کچھ نہ بنایا اس نے کیسی کیسی مصیبتیں جھیلیں اور کیا کیا ستم نہ اٹھائے لیکن اس کے کردار پر بھی سرشار کی مثالیت کی چھاپ موجود ہے سرشار نے اسے بُری سے بُری جگہ پہنچا دیا۔ بھٹیارن، جوگن اور بیٹرن تک بنا دیا لیکن اس کی عصمت مآبی پر آنچ نہ آنے دی اس جگہ یہ کردار کچھ غیر حقیقی ہو گیا ہے۔ پھر آزاد کی والہانہ محبت میں اس طرح دربدر پھرنا بھی عشق کے معاملے میں سرشار کی مثال پسندی کی غمازی کرتا ہے۔

ثریا ایک ایسی شوخ و شنگ لڑکی ہے جس کے والدین اور خاندان کا سرشار نے کہیں ذکر نہیں کیا سوائے اس کے کہ اس کی پہلی شادی ایک بوڑھے کے ساتھ ہو جاتی ہے جو کسی طرح اس کے قابل نہیں تھا۔ پھر بھی وہ پوری وفاداری اور عصمت مآبی کے ساتھ اس کی زندگی بھر رہتی ہے سرشار نے اس کی عصمت مآبی کو اس کے کردار کے تابناک پہلو کی شکل میں ہر جگہ نمایاں کیا ہے وہ اپنی عزت کے لیے طرح طرح کی مصیبتیں اٹھاتی ہے۔ پہلے شوہر کے مرنے کے بعد وہ آزاد کے عشق میں گرفتار ہو جاتی ہے اور گھر سے بھاگ جاتی ہے۔ اس کے بعد سرشار نے مختلف انداز میں سماج کا بڑا اچھا نقشہ کھینچا ہے وہ جہاں جاتی ہے لوگ اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں جس سے پناہ مانگتی ہے وہی اس کا گاہک بن جاتا ہے۔ ڈاکٹر لطیف حسین نے ثریا کی مثال فلابیر کی مادام

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بوسیری سے دی ہے[۵] - حالانکہ ثریا اور مادام بوسیری میں بڑا فرق ہے - مادام بوسیری ایک جنسی مریضہ ہے جو اپنے عاشقوں سے دادِ عیش لیتی ہے - اس کا المناک انجام اس کی اچھی زندگی گذارنے کی خواہش کو خواہ کتنا ہی کیوں نہ ظاہر کرے - لیکن اس میں اور ثریا کے کردار میں کوئی مماثلت نہیں ہے ثریا جنسی تشنگی کا شکار ضرور تھی کیونکہ بوڑھے شوہر سے اسے کوئی محبت نہیں مل سکی تھی اس کے بعد اس نے آزاد کی خواہش کی اور اس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا لیکن جب اس کو معلوم ہو گیا کہ وہ آزاد کو نہیں حاصل کر سکتی تو اس نے مادام بوسیری کی طرح خودکشی نہیں کی اور اس سارے عرصہ میں اس نے اپنی عصمت پر آنچ بھی نہ آنے دی اگر وہ خودکشی کر لیتی تو مثالی محبت کے سلسلے میں اس کا کردار بھی بے جان ہو جاتا لیکن محبت میں ناکام ہونے کے بعد بھی ایک باعزت اور اچھی زندگی گذارنے کی کوشش کرنا اس کے کردار کا نمایاں پہلو ہے - وہ آخر میں ایک نواب سے شادی کر لیتی ہے اور اس طرح خوشگوار زندگی گذارنے کی کوشش کرتی ہے اس کے کردار کی سب سے بڑی خوبی حقیقت پسندی اور اعتماد ہے - جیسے بعد میں آزاد بھی ڈانواڈول نہیں کر سکا جس سے وہ بے پناہ محبت کرتی تھی یعنی جب روم سے واپس آنے کے بعد آزاد اس کو اپنی تصویر بھیجتا ہے تو وہ بڑے خوبصورت انداز میں اس کو جواب دے دیتی ہے اور بعد میں خود اس کی شادی میں شریک ہوتی ہے یہ خود اعتمادی، ہوشمندی سمجھداری اور حقیقت پسندی کی بڑی اچھی مثال ہے -

ثریا (اللہ رکھی) اپنے طبقے کا نمائندہ کردار ہے جس کے ذریعہ سرشار نے بے جوڑ شادی کے مسائل، بے سہارا عورت کی نگہداشت اور حفاظت کے مسئلہ کو بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے - ثریا سرشار کا ایک زندہ اور متحرک کردار ہے اس کے ساتھ بھر کر ہم سماج کی بہت سی تصویریں اور عورتوں کے بہت سے

---

[۵] سرشار کی ناول نگاری ڈاکٹر سید لطیف حسین ادیب صفحہ ۱۵۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مسائل سے دوچار ہوتے ہیں ثریا کی شخصیت رومانی بھی ہے اور پرکشش بھی اس میں حسن بھی ہے اور دلکشی بھی وہ عصمت مآب ہوتے ہوئے بھی حسن آراء کی طرح زاہدانہ کردار نہیں ہے۔ عباسی مہری کی زبان سے سرشار نے ثریا کے بارے میں جو بات کہلائی ہے اس کے کردار کا اچھا خاصا اندازہ ہو جاتا ہے وہ کہتی ہے کہ:

" ہاں یوں رنگین ہیں مگر بد نہیں ؟ "[1]

فسانۂ آزاد میں مردوں کے کرداروں کی طرح عورتوں کے بھی بہت سے کردار ہیں سپہر آرا، روح افزا، نازک ادا، بہار النساء، گیتی، گلشن آرا، سمن رقا، اس کے علاوہ کلیریسا، مسٹیڈیا اور رحیمن، غفورن، جانی بیگم، عباسی مہری وغیرہ ان کرداروں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت ہے۔ بعض کو ان کے طبقوں میں ان کے صفات اور عادات کے ذریعے سرشار نے بڑی خوبی سے نمایاں کیا ہے بعض صرف ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور کچھ کردار کی تعریف میں بھی نہیں آتے لیکن اس میں شک نہیں کہ سرشار نے ان تمام کرداروں کے ذریعے اودھ کی انحطاط پذیر تہذیب کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے۔

فسانۂ آزاد کے ان کرداروں کے علاوہ سرشار کے دوسرے ناولوں میں بھی بعض اہم نسوانی کردار ملتے ہیں جن میں جام سرشار میں ظہورن، سیر کہسار میں قمرن، کامنی میں گورا خاص اہمیت کے کردار ہیں۔ یہ کردار تقریباً ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور ایک ہی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سرشار نے انفرادی حسن کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ظہورن مدرن، قمرن چوڑی والی اور گورا ایک معمولی عورت ہے جو معاشی بدحالی اور تنگ دستی کا شکار ہیں۔ جنس زدگی ان کے کردار کی نمایاں خصوصیت ہے۔ اچھی زندگی گذارنے کے لئے یہ لوگ منچلے رئیس زادوں اور عیاش نوابوں کو اپنے دام محبت میں گرفتار کر کے دادِ عیش دیتی ہیں۔

---

[1] فسانۂ آزاد جلد سوم رتن ناتھ سرشار صفحہ ۳۶۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جام سرشار کی ظہورن ایک مہ زن ہے اور نواب امین الدین حیدر کے گھر میں ملازم ہے لیکن نواب صاحب اس پر اس طرح فریفتہ ہوتے ہیں کہ اس کو ایک معمولی عورت سے نورلقا محل بنا دیتے ہیں۔ ظہورن کے کردار میں سرشار نے خاص طور پر دو باتوں کو نمایاں کیا ہے جس کے تحت یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظہورن کا کردار عورت کی نفسیات کا ایک اچھا مطالعہ ہے پہلی بات یہ کہ عورت سوت کی صورت میں دوسری عورت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ظہورن حسین شوخ وطرار عورت ہے لیکن نواب کا حسن پرست مزاج کچھ عرصہ بعد ظہورن کو چھوڑ کر للی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور وہ مس للی کو محل میں لے آتے ہیں یہ بات ظہورن سے برداشت نہیں ہوتی۔ کوئی شریف عورت ہوتی تو شاید عزت وناموس کے ڈر سے نواب کی زیادتی کو برداشت کر لیتی لیکن اس میں عورت کا جذبہ انتقام بیدار ہو جاتا ہے۔ اپنی اس ذلت کا بدلہ وہ نواب کو ذلیل کر کے لینا چاہتی ہے اور یہی اس کے کردار کا دوسرا پہلو ہے اس نے محل چھوڑ دیا اور ایک پیشہ ور عورت کی طرح چوک میں رہنے لگی جو اس کا فطری انتقام تھا۔ وہ محل سے جاتے وقت نواب سے کہتی ہے۔

"ہماری اٹھتی جوانی اور جوبن کو اللہ سلامت رکھے۔ تم سے سنتر ہماری خوشامد کریں گے۔ تم ہم کو چھوڑ دو گے تو ہم بھی تم ایسے تین سو ساٹھ کو چھوڑ دیں گے بہ ڈر ہو گا گھر کی جورو کو ہم سے یہ نہیں سہا جائیگا کہ ہماری چھاتی پر کوئی کودوں دلے،، [۵]

اس میں شک نہیں کہ وہ اپنے انتقام میں کامیاب ہوئی جس کی تاب نہ لاکر بعد میں نواب نے اسے قتل کر کے خودکشی کر لی

سرشار نے ایک خاص طبقہ کی عورت کی اس کے مکالموں، ذہنیت زبان اور محاوروں سے بڑی کامیاب تصویر کشی کی ہے۔

۵۔ جام سرشار ا صفحہ ۱۷۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سیر کہسار کے نسوانی کرداروں میں قمرن سب سے اہم کردار ہے۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ سرشار کے کرداروں میں قمرن ایک لافانی کردار ہے۔ قمرن کا المیہ بھی کچھ اسی طرح کا ہے جس طرح ظہورن کا لیکن پھر بھی دونوں میں فرق ہے۔ قمرن ایک منہارن ہے جس کی دادی ایک ضعیفہ "دلالہ کا رول ادا کرتی ہے۔ قمرن نواب عسکری کے یہاں ایک تقریب میں چوڑیاں پہنانے جاتی ہے۔ نواب عسکری اس کو دیکھ کر فریفتہ ہو جاتے ہیں نواب کی بیوی بننے یا عیش و آرام کی زندگی اور دولت حاصل کرنے کی تمنا میں قمرن کی دادی اس کی بہن نازو اور سہیلی دوگانہ اس کی ہمّت افزائی کرتی ہیں اور نواب کے باغ میں اس کو بھیجتی ہیں آخر کار دونوں میں تعلق قائم ہو جاتا ہے اور قمرن نواب کے محل میں رہنے لگتی ہے۔ یہاں پر قمرن کا کردار تعمیر کرنے میں سرشار نے ایک بات پر نمایاں طور سے زور دیا ہے اور وہ ہے اس کا الھڑ پن، ناسمجھی اور معصومیت جو شاید اس کی کم عمری کی وجہ سے بھی ہے کہ بعض باتیں دادی اور بہن کے بار بار سمجھانے کے بعد بھی وہ کرنے پر تیار نہیں ہوتی وہ لوگ اس کو مکّاری عیّاری اور نواب کی دولت سمیٹنے کی تعلیم دیتی ہیں لیکن وہ اس کو سمجھتی نہیں اپنی نافہمی اور بیوقوفی میں وہ یہ بھی نہیں سمجھتی کہ اس کو نواب سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے اور نواب کے یہاں اسے کس طرح رہنا چاہیے سودے والوں کے لئے مچلنا للّتو اور فضلے سے اس کا تعلق یہ سب اس کے کردار کے نفسیاتی پہلو ہیں شاید اسی لیے علی عباس حسینی نے سرشار کی نفسیاتی مطالعہ کی ان کے کرداروں میں بہت تعریف کی ہے۔ قمرن ایک جنسی مریض ہے جس کی تشنگی کبھی ختم نہیں ہوتی وہ نواب کی کافی دولت تک لے کر بھاگ جاتی ہے۔ اور جب تک دولت رہتی ہے فضلے اس کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہے۔ اس کے بعد چھوڑ کر چلا جاتا ہے اور آخر قمرن کو دق ہو جاتی ہے مرنے سے کچھ روز پہلے وہ نواب کے یہاں واپس آجاتی ہے نواب نے اس کو پناہ دی لیکن آخر وہ بچ نہ سکی قمرن کے کردار کی ایک خوبی یہ ہے کہ تمام برائیوں اور ہرجائی پن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے باوجود اس کے کردار سے نفرت نہیں ہوتی اپنے پیچھے اپنے لئے ایک ہمدردی کا جذبہ چھوڑ جاتی ہے اور اس کا یہی دردناک انجام سرشار کی کردارنگاری اور فنکاری کا ثبوت ہے۔

کامنی میں سرشار نے کئی نسوانی کرداروں گورا، کامنی، ہنیا، اور کملا وغیرہ کو پیش کیا ہے جس میں کامنی کے کردار کی تخلیق میں انھوں نے کافی محنت کی ہے وہ انتہائی حسین، اور بے حد وفادار بیوی کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ لیکن اس کا کردار ناول میں توجہ کا مرکز نہیں بن پاتا اس کے مقابلہ میں گورا ایک معمولی عورت ہے جس طرح کی بدکار یا فاحشہ عورتیں ہمارے سماج میں انگنت ہوں گی لیکن اپنی تمام برائیوں، بدکاریوں اور جسم فروشی کے باوجود اس کا اپنا ایک معیار ایک مقصد اور ایک کردار ہے وہ بے ایمان نہیں ہے اس میں تصنع نہیں ہے۔

غریبی اور مفلسی کی وجہ نہ جانے کتنی عورتیں جسم فروشی پر مجبور ہوئی ہیں گورا بھی اسی طرح کی ایک عورت ہے وہ نہ کم عمر ہے اور نہ الھڑ وہ اچھی پختہ اور تجربہ کار گھر کی عورت ہے لیکن اپنی مالی مشکلات اور جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے وہ ایک دولت مند نوجوان سرن سے تعلق پیدا کر لیتی ہے جو ایک اوباش نوجوان ہے اور جسے روزانہ ایک نئی اور خوبصورت عورت چاہیے۔ گورا اپنی خواہشوں کی تسکین کے لئے سرن کا یہ کام بھی انجام دیتی ہے خود اس کی جسم فروشی کو کوئی نہیں جانتا کیوں کر وہ ایک بیاہتا اور نیک عورت سمجھی جاتی ہے۔ وہ شریف گھرانوں میں بھی جاتی ہے۔ ایسے حقیقی کرداروں کی سماج میں کمی نہیں جو بظاہر تو نیک ہیں لیکن حقیقت میں آوارہ۔ بدچلن اور دھوکے باز ہیں۔ کامنی میں گورا کے کردار کی اٹھان بہت اچھی تھی۔ لیکن سرشار نے اس کی زبان سے جو پند و نصائح کہلائے ہیں اس نے اس کے کردار کی خوبی کو کسی قدر کم کر دیا ہے ورنہ اس میں ایک ارضی کردار کی اچھی خاصی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

سرشار نے شریف، ادنیٰ، ارزل اور اعلیٰ ہر طرح کی عورتوں کے کردار پیش

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کئے ہیں اور مختلف طبقات کی عورتوں کے مسائل اور مجبوریوں کی روشنی میں ان کے کردار کی تعمیر کی ہے سرشار انگریزی سے واقف تھے اور انگلینڈ کا سفر کر چکے تھے اس لئے ان کے کرداروں میں کچھ زیادہ جرأت نظر آتی ہے ڈاکٹر محمد احسن فاروقی سرشار کے خاصے سخت نقاد ہیں اس کے باوجود ان کے نسوانی کرداروں کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ:

"ہر عورت اپنی جگہ زندہ اور دلچسپ ہے اور اس کی بات چیت کا لہجہ اور طریقہ ایسا انوکھا ہے کہ ہمارا دل اسے زندہ مان لینے کو تیار ہو جاتا ہے" [1]

عبدالحلیم شرر اردو کے اہم ناول نگار ہیں۔ فنی طور پر ناول کے جو نقوش نذیر احمد اور سرشار کے یہاں دھندلے تھے وہ شرر کے یہاں زیادہ واضح اور شعوری نظر آتے ہیں۔ شرر کے تاریخی یا معاشرتی ناولوں پر تو اعتراض ہو سکتا ہے لیکن اس بات کو ماننا پڑے گا کہ شرر نے اردو ناول کے دامن کو وسعت دی اور زبان و بیان کے لئے دروازے کھولے اور ناولوں کے لئے زیادہ بہتر زیادہ مکمل اور زیادہ فنی راہ ہموار کی اردو ناولوں کی قبولیت عام کا سہرا ابھی شرر ہی کے سر ہے۔ شرر اردو کے پہلے تاریخی ناول نگار ہیں کہا جاتا ہے کہ سفر یورپ میں انھوں نے اس کاٹ کا ایک تاریخی ناول پڑھا جس میں مسلمانوں کے مذہب اور پیغمبر کا مذاق اڑایا گیا تھا اسی کے رد عمل نے شرر کو تاریخی ناول نگار بنا دیا انھوں نے اتنے ناول لکھے ہیں کہ جن کی فہرست بھی یہاں پر دینا مشکل ہے۔ لیکن بعض ناول جنھیں بہت زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔ ملک العزیز ورجینیا۔ ۲۔ شوقین ملکہ ۳۔ حسن انجیلینا

---

[1] اردو ناول کی تنقید، ڈاکٹر محمد احسن فاروقی صفحہ ۸۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۴۔ منصور موہنا۔ ۵۔ فردوس بریں۔ ۶۔ عزیز مصر۔ ۷۔ فلورا فلورنڈا ۸۔ فتح اندلس۔ ۹۔ فلپانا۔ ۱۰۔ بابک خرمی۔ ۱۱۔ زوال بغداد۔ ۱۲۔ ایام عرب۔

اس طرح شرر کے معاشرتی ناولوں کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ لیکن اسرار دربار حرام پور، ''آغا صادق کی شادی'' اور ''بدر النساء کی مصیبت''، ان کے اہم ناول ہیں۔

ان ناولوں میں شرر نے سینکڑوں نسوانی کردار پیش کئے ہیں ان میں بہت سے دلکش اور زبردست اثر چھوڑنے والے کردار ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ اپنی دلکشی اور تاثر کے باوجود کردار نگاری کے اعتبار سے ان کی کوئی خاص اہمیت ہے ان میں جو بھی تاثر اور دلکشی ہے وہ شرر کی زبان اور ان کی پیدا کردہ فضا کی ہے کردار کی نہیں۔ شرر کی کردار نگاری کی کمزوری کے دو اسباب ہیں۔ پہلا ان کے بیشتر کردار تاریخی ہیں تاریخی کرداروں کے ساتھ مصنف کو یہ دشواری رہتی ہے کہ وہ ان کو تبدیل نہیں کر سکتا ہے اسے ان کو تقریباً اسی طرح کا رکھنا پڑتا ہے جیسا تاریخ میں وہ ملتا ہے دوسرے ان کا مذہبی اور تبلیغی جوش ہے۔ جس نے ان کے تمام کرداروں کو یکساں کر دیا ہے یعنی اگر ان کے ایک ناول کے کردار دوسرے ناول سے بدل دیے جائیں تو ناول پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ مذہبی جوش، شرع کی پابندی کا احساس اور گناہ کے خوف نے عام طور پر ان کے سارے کرداروں کو مثالی کردار بنا دیا ہے ان کے یہاں محبت بے جسموں کی محبت ہے ان کے کردار اگر مسلمان ہیں تو سب سے زیادہ بلند کردار، ایمان دار، راست باز، جری، جانباز اور تلوار کے دھنی ہیں وہ خواہ مرد ہوں یا عورت اور اگر وہ عیسائی یا غیر مسلم ہیں تو وہ بداخلاقیوں کمزوریوں اور برائیوں کا مرکب ہیں۔ ان کی ہیروئین دنیا کی سب سے زیادہ حسین و جمیل، نازک اور حور شمائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نسوانی کردار بھی مثالی ہو کر رہ گئے ہیں۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے لکھا ہے کہ:

''ان کے کردار میں انفرادیت کا کوئی پتہ ہی نہیں اکثر کردار

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

متضاد اور غیر فطری نظر آتے ہیں مرد، عورتیں بچے سب ایک ہی طرح کی چیزیں ہیں .... عورتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی چھو کر بھی نہیں گذرے، ان کے ناولوں میں سے کسی میں بھی ایک بھی زندہ کردار نہیں ملتا۔" [1]

عام طور پر شرر کی بیشتر ہیروئنیں وہ خواہ مہ جبینا ہو یا انجلینا، فلپانا ہو یا ہیلین، عاتکہ ہو یا زمرد سب قدیم داستانوں اور اساطیری کہانیوں کی ہیروئنیں معلوم ہوتی ہیں ویسے ہی نازک ویسی ہی خوبصورت ویسی ہی دلکش اور ان کے مقابلہ میں جذباتی طور پر بالکل سرد۔ بعض جگہ مذہبی جوش میں کسی کردار کو پیش کرتے وقت اسے بہت زیادہ غیر حقیقی بنا دیا گیا ہے۔ مثلاً مذہب کے لئے فلورنڈا کا عصمت فروشی پر اتر آنا بس کے بعد فلورا کو اسلام کی طرف لایا گیا ہے اس میں سوائے اپنے مذہبی غلو اور عیسائیت سے نفرت کے اور کچھ نہیں ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے شرر کی کردار نگاری کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

"شرر نے ساری توجہ کردار نگاری کے بجائے واقعات کو دلنشیں اور دلچسپ بنانے میں صرف کی ہے۔ کردار کٹھ پتلیوں کی طرح مصنف کے اشاروں پر چلتے اور واقعات کی رو میں بہتے نظر آتے ہیں .... وہ حیات اور نفسیات انسانی کی وسعت، پیچیدگی اور گہرائی پر نظر نہیں رکھتے اپنے کرداروں کو وہ ان کی فطرت کے نہاں خانوں اور سماجی محرکات کے آئینہ میں نہیں دکھاتے۔ اس لئے ان کے کرداروں میں زندگی کے وہ آثار اور حقیقت کا وہ رنگ پیدا نہیں ہوتا جو قاری کے دل پر نقش ہو جاتا ہے۔" [2]

---

[1] اردو ناول کی تنقیدی تاریخ۔ محمد احسن فاروقی صفحہ ۱۲۲-۱۲۳

[2] پریم چند کا تنقیدی مطالعہ۔ ڈاکٹر قمر رئیس صفحہ ۱۴۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شرر نے اپنے معاشرتی ناولوں میں عورتوں کے بعض مسائل جیسے تعلیم کا مسلہ، بیوگی کے مسائل پردے کی خرابی اور بچپن کی شادی کے مسائل کو پیش کیا ہے۔ وہ عورتوں کی تعلیم کے بیحد حامی تھے اور اس طرح کے مختلف مسائل کو انھوں نے بعض نسوانی کرداروں کے ذریعہ ظاہر کیا ہے۔ لیکن ان کی مثالیت پسندی اور مذہبیت نے عام طور سے ان کے کرداروں کو متحرک اور متاثر کرنے والا کردار نہیں بننے دیا۔

اردو ناول اپنے پلاٹ، کردار نگاری اور فن کے لحاظ سے اگر کہیں مکمل نظر آتا ہے تو مرزا رسوا کے یہاں۔ رسوا ایک جدت پسند ذہن، باریک بیں نگاہ اور شدید قوت مشاہدہ لیکر آئے تھے یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں واقعات میں تناسب اس کے مختلف حصوں میں ربط و ترتیب اور کردار نگاری میں چابکدستی اور مہارت ملتی ہے وہ اپنے پلاٹ اور کرداروں دونوں پر بہت محنت کرتے ہیں بعض مصنفین کو صرف اپنے اہم کرداروں سے دلچسپی ہوتی ہے اور وہ اپنا سارا زور ان کی تعمیر میں خرچ کر دیتے ہیں۔ لیکن رسوا کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے چھوٹے سے چھوٹے کردار کے ساتھ بھی اتنے ہی مخلص ہیں جتنے بنیادی کرداروں کے ساتھ اور اسی میں رسوا کی فنکاری کا راز پوشیدہ ہے کیونکہ یہی چھوٹے بڑے کردار مل کر پلاٹ کی قوت بنتے ہیں۔ کردار جتنے جاندار اور متحرک ہوں گے پلاٹ یا ناول کا مجموعی اثر اتنا ہی دیرپا اور فنی طور پر مضبوط ہوگا۔ رسوا کے بارے میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کے زیادہ تر کردار بڑے سجل اور زندہ کردار ہیں۔ ایسے زندہ کردار کہ آج ستر سال گزرنے کے بعد بھی اجڑے ہوئے لکھنؤ کے چوک کی گلیوں میں کوئی سایہ گزرتا ہوا مل سکتا ہے۔ کردار نگاری کے معاملہ میں رسوا کا مشاہدہ اس قدر تیز ہے کہ معمولی سے معمولی کردار کی چھوٹی سے چھوٹی خصوصیت بھی ان سے نظر انداز نہیں ہوتی وہ واقعات کی ترتیب اور حالات و حادثات کے کردار کے خدوخال اس طرح ابھارتے ہیں کہ ایک زندہ حرکت کرتی ہوئی تصویر سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور کہتی ہے کہ میں امراؤ جان ادا ہوں، میں بسم اللہ ہوں، میں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خانم ہوں میں بوا حسینی ہوں اور میں وہ ماں ہوں جس کی بیٹی کو بدمعاش اٹھالے گئے۔

رسوا نے پانچ ناول لکھے ہیں 'افشائے راز، اختری بیگم، ذات شریف، شریف زادہ اور امراؤ جان ادا۔ ابتدائی دو ناول ان کے فن کے بتدریج ارتقاء کی نشاندہی کرتے ہیں۔ پہلا ناول افشائے راز نامکمل ناول ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے کردار اور پلاٹ دونوں میں اثر کی کمی ہے اس کے نسوانی کرداروں میں بگّن میں کچھ حرکت ہے۔ لیکن وہ بھی بہت اہم نہیں بن پایا۔ عورتوں کے مسائل کے سلسلے میں ایک بات ضرور سامنے آتی ہے کہ اس زوال آمادہ تہذیب میں طوائف کی بڑی اہمیت ہے وہ سماج میں ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ ہر شریف آدمی، کسی نہ کسی طوائف کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عہد کا سب سے بڑا فیشن طوائف ہے باپ اور بیٹے سب بالا خانوں کی سیر کرتے ہیں اور بُری نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ بیویاں گھر پر اپنی زندگی کو روتی رہتی ہیں۔ افشائے راز میں نواب سلطان محل کی بیگم کی زبانی اور علی مرزا کی بیوی کی بیچارگی کے ذریعے اُسے ظاہر کیا گیا ہے

اختری بیگم مرزا رسوا کا ایک معاشرتی ناول ہے۔ اس ناول میں بھی لکھنؤ کی معاشرتی زندگی اور غدر کے بعد شرفاء کی گھریلو پریشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ناول کا بنیادی کردار اختری بیگم ہے۔ جو ایک یتیم لڑکی ہے لیکن ایک کثیر دولت کی وارث اختری بیگم اور دوسرے معاون کرداروں کے ذریعہ رسوا نے اس تصنع اور برائیوں سے بھرے ہوئے سماج کی تصویر پیش کی ہے۔ مختلف قسم کے نسوانی کردار۔ ملازمائیں مغلانی بہریان اور عیاشی و بدکاری کے جنم دیے ہوئے بہت سے کردار اس ناول میں اُس زندگی کی تصویر کو مکمل کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ ان سارے کرداروں کے درمیان اختری بیگم کا کردار کسی قدر روشن نظر آتا ہے۔ اور اس کردار کے ذریعہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ برائیوں کے ڈھیر میں کہیں نہ کہیں اچھائی بھی نظر آجاتی ہے اس ناول میں زینب بیگم خورشید بیگم نادری بوٹن اور اس طرح کے بہت سے کردار ہیں جو اس عہد کی بڑی کامیاب تصویر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں ان کرداروں میں بوٹن کا کردار کافی جاندار اور خوبصورت ہے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اسی طرح ذات شریف اور شریف زادہ دونوں ناول اپنے عہد کی برائیوں نوابوں
اور جاگیرداروں کے حسرتناک انجام کو پیش کرتے ہیں۔ جن میں اس عہد کی افلاس زدہ زندگی
تصنع، گھٹن، ملائیت اور مریضانہ سماجی قدریں نظر آتی ہیں۔ اور یہ سب اس تہذیب
کی تباہی کا افسانہ کہتے ہیں۔

ذات شریف میں مہری اماّمن، کلثوم بیگم، اور مہری شریف زادہ میں
عابد حسین کی بیوی نسوانی کرداروں کی شکل میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ شریف زادہ کو
چونکہ رسوا نے برائیوں اور خرابیوں کے علاج کی شکل میں پیش کیا ہے اور عابد حسین اور ان کی
بیوی کی زندگی ان کا آئیڈیل ہے۔ ان کا مقصد ہے کہ لوگ ان کی زندگی سے اپنی
اصلاح کریں اور اس بدلتے ہوئے زمانے میں باعزت طور پر جینے کا ایک راستہ
اپنائیں اس مقصدیت اور آئیڈیل کی وجہ سے شریف زادہ کے کردار کسی قدر
کمزور نظر آتے ہیں حالانکہ عابد حسین کی بیوی اور فدا حسین کی بیوی کے مکالموں کے
ذریعہ رسوا نے اس عہد کے رسوم و عقائد زندگی اور مزاج کی بڑی کامیاب تصویر
پیش کرنے کی کوشش کی ہے ویسے کمزور کردار ہونے کے باوجود عابد حسین اور
فدا حسین دونوں کی بیویاں ارضی کردار ہیں اور اس طرح کے کردار گھروں میں مل
جانا مشکل بات نہیں ہے رسوا نے آئیڈیل تو ضرور بنایا ہے لیکن اسے خلائی تخلیق
نہیں بننے دیا ہے خصوصیت کے ساتھ فدا حسین کی بیوی ایک تنک مزاج،
پھوہڑ، بدسلیقہ، رسم و رواج کو مذہب پر فوقیت دینے والی عورت
کی کامیاب تصویر ہے۔

ذات شریف کے کردار اس کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہیں ایک تو
ان میں کسی کو رسوا نے آئیڈیل بنانے کی کوشش نہیں کی ہے دوسرے اس کا موضوع
بھی زیادہ دلچسپ ہے جو اس سماج کی بڑی اچھی تصویر پیش کرتا
ہے جب کوئی تہذیب مٹنے لگتی ہے تو اس سماج میں عیاشی، مکاری،
تصنع اور بناوٹ بہت بڑھ جاتی ہے یہی حال ذات شریف میں ہے لکھنؤ تباہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہو چکا ہے نہ وہ دربار رہ گئے جہاں سینکڑوں بے کاروں، لفاظوں اور نوالہ چوروں کی پرورش ہوتی تھی اور نہ آمدنی کے وہ ذرائع جن سے بڑے گھروں کی آبادی تھی اب تو بچی کھچی دولت تھی جس کو چھیننے والے بہت تھے کوئی جادو ٹونے سے کوئی ملا اور مولوی بن کر کوئی دولت مند عورتوں سے نکاح ثانی کرکے۔ ذات شریف میں کئی نسوانی کردار ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے لیکن نسوانی کرداروں کے مقابلے میں اس میں مردوں کے کردار زیادہ جاندار ہیں۔ کلثوم بیگم۔ جہری امامن اور جہری (بیگم کی ملازمہ) صرف اپنے طبقہ کے نمائندے ہیں۔ کلثوم بیگم ناول میں بہت دیر تک ہمارے ساتھ تو نہیں رہتیں وہ ایک بیوہ ہیں جن سے حکیم صاحب عقد ثانی کرنا چاہتے ہیں لیکن کلثوم بیگم کا رعب دبدبہ اور جاہ و جلال انھیں صحیح معنوں میں اودھ کی اعلیٰ مراتب بیگمات کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ جہری، امامن۔ اتا اور دوسری جہری کے ذریعہ ان گھروں اور اس سماج کی بہت سی خراب باتوں پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

امراؤ جان ادا (۱۸۹۹ء) رسوا کا فنی اعتبار سے سب سے زیادہ کامیاب ناول ہے اس ناول میں کردار نگاری بھی اپنے عروج پر ہے اس کے چھوٹے چھوٹے کردار بھی اپنے اندر ایسی رنگ رکھتے ہیں کہ نگاہیں خیرہ ہو جائیں۔ طوائفوں کی زندگی اور لکھنؤ کی زوال آمادہ تہذیب پر نہ امراؤ جان ادا سے پہلے ایسا کامیاب ناول لکھا گیا اور نہ آج تک کوئی اس موضوع پر رسوا کے دامن تک پہنچ سکا ہے بظاہر یہ ناول ایک طوائف کی زندگی پر ہے لیکن درحقیقت یہ اس عہد کی تہذیب اور بالخصوص اس ادارے پر ہے جہاں جسم فروشی ہوتی ہے۔

اس ناول کا بنیادی اور سب سے اہم کردار امراؤ جان ادا ہے جس کے گرد مختلف کردار اور اس تہذیب کے نقوش دائروں کی شکل میں ابھرتے رہتے ہیں یہاں پر امراؤ جان ادا کی کہانی کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ وہ عہد تھا جب طوائف کا گھر ایک تہذیبی ادارہ سمجھا جاتا تھا۔ روسا اور امرا کے لڑکے نشست و برخاست کے آداب اور تہذیب سیکھنے کے لیے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اچھی طوائفوں کے گھروں پر بھیجے جاتے تھے۔ طوائفیں رقص و موسیقی کے ساتھ علم و ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتی تھیں ہر بڑا آدمی اپنا زیادہ وقت طوائفوں کے ساتھ گذارتا تھا۔ نوابی ختم ہوگئی تھی جاگیرداری باقی نہیں رہ گئی تھی لیکن آن بان اور لین دین تھی۔ گھر کی جمع پونجی اور آبائی نوادرات طوائفوں کی نذر ہو رہے تھے بیوی کہلانے کو اب بھی بیگم اور محل کہلاتی تھیں لیکن اس کی حیثیت ایک مجبور پرندے سے زیادہ نہیں تھی ہفتہ عشرے میں کہیں ایک بار نواب زنان خانے میں آتے تو بیچاری صورت دیکھ لیتیں طوائفوں کے گھر نوابوں کے محلوں سے زیادہ آراستہ اور سجے ہوئے تھے۔ یہ وہ پس منظر جس پر اس ناول کی بنیاد رکھی گئی ہے جسے ایک طوائف کی زبانی بیان کیا گیا ہے یہ طوائف امراؤ جان ادا جو اس ناول کا ایک جیتا جاگتا کردار ہے ایک سیدھے سادے شریف مسلمان خاندان کی لڑکی تھی جسے زمانے کے سنگدل ہاتھوں نے طوائف کی زندگی گذارنے پر مجبور کیا۔ مرزا رسوا نے بڑی فنکاری اور ذہانت کے ساتھ یہ کردار بنایا ہے۔ ناول میں مختلف چھوٹے بڑے واقعات اور حادثات سے اس کا کردار نمایاں اور روشن ہوتا گیا ہے۔ ویسے قصہ کی ابتدا ہی میں بڑی حد تک مرزا رسوا نے اس کے کردار کو واضح کر دیا ہے۔ امراؤ جان ادا کے کردار کے خد و خال کو پیش کرنے کے لئے اس کا یہ شعر ہی بہت کافی تھا۔

کس کو سنائیں حالِ دلِ زار اے ادا
آوارگی میں ہم نے زمانے کی سیر کی

اس شعر میں رسوا نے امراؤ جان ادا کے کردار کے تقریباً سبھی پہلوؤں کو بڑے اچھے انداز میں پیش کر دیا ہے۔ حالِ دلِ زار، نواب اودھ کے دربار تک رسائی دولت اور تمام سامان عیش و عشرت کے باوجود زندگی کی اس تلخی بے اطمینانی بےچینی اور کرب کو ظاہر کرتا ہے جس کی کسک ساری زندگی وہ محسوس کرتی رہی۔ وہ طوائف ہونے اور ساری عمر طوائف رہنے کے باوجود طوائف نہ بن سکی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس کے کردار میں خیر و شر کی یہی کشمکش اسے ایک زندہ متحرک اور عورت کے صحیح جذبات و احساسات کا ترجمان بنا کر پیش کرتی ہے۔ یہ کشمکش امراؤ جان ادا کے کردار میں مختلف جگہوں پر ظاہر ہوتی ہے۔ وہ بڑی زندگی گذارنے کے بعد بھی شرافت کی گھریلو زندگی گذارنا چاہتی ہے۔ یہ اس کی رگوں میں شریف ماں باپ کے خون کا مطالبہ بھی ہے۔ باعزت زندگی گذارنے کا شدید احساس اس کے ان الفاظ میں ملتا ہے۔ جہاں وہ مرزا رسوا کو اپنی داستان سنانا شروع کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے:۔

"....اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اگر میں اُس عالم میں رہتی تو خوش رہتی یا ناخوش اسے آپ قیاس کر سکتے ہیں میری ناقص عقل میں تو یہ آتا ہے کہ میں اسی حالت میں اچھی رہتی۔" لہ

اور اسی لئے وہ آخر عمر میں اس پیشہ سے تائب ہو جاتی ہے اس کے اندر یہ کشمکش اس وقت بھی ملتی ہے جب اس کا ستارہ عروج پر تھا اس کے پاس پیسے کی کمی نہیں تھی اس کے پرستاروں میں نواب بھی تھے رئیس و امیر بھی اور عام آدمی بھی۔ اس زمانے میں رام دئی سے ملاقات کے وقت کے جذبات یوں بیان کرتی ہے۔

"جب رام دئی یہ باتیں کر رہی تھی تو مجھے اپنی قسمت پر افسوس آرہا تھا اور دل ہی دل میں کہہ رہی تھی تقدیر ہو تو ایسی ہو۔ ایک میری پھوٹی تقدیر نکلی بھی تو کہاں رنڈی کے گھر میں۔" ٹہ

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اپنی تمام کامیابیوں اور شہرت کے باوجود اس کے اندر ایک عورت بے چین تھی جو گھریلو زندگی کے لئے تڑپ رہی تھی۔

لہ امراؤ جان ادا: رسوا مرتبہ ابو اللیث صدیقی صفحہ ۸۱

ٹہ " " " " " " " " صفحہ ۳۲۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ کشمکش اس کے کردار کو بہت جاندار بنا دیتی ہے

امراؤ جان ادا کے کردار کے کئی حصے ہیں اس کی پہلی شکل ہمارے سامنے اس وقت آتی ہے جب وہ ایک آٹھ نو سال کی لڑکی ہے، ماں باپ اور بھائی کے ساتھ خلوص و محبّت سے بھری ہوئی زندگی ہے۔ جس کی شادی طے ہو چکی ہے۔ سامان تیار ہو چکا ہے۔ ناول کے اس حصہ میں ایک کم سن لڑکی کے جذبات کی ترجمانی بڑے خوبصورت انداز میں کی گئی ہے اس کے بعد اس کی زندگی کا وہ المیہ شروع ہوتا ہے جس نے اس کی معصوم خوشیوں کے بدلے میں دُنیا کی دولت اور عیش و عشرت کا سامان اس کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ یہاں پر اس کا کردار بہت سے دوسرے کرداروں سے ملکر ابھرتا ہے سب سے پہلے خانم اور بوا حسینی ہیں اس کے بعد بسم اللہ، خورشید۔ مردوں میں گوہر مرزا۔ نواب اور عشاق فیضو ڈاکو اور دوسرے بہت سے لوگ جو خود بھی ایک طرف رسوا کی بہترین کردار نگاری کا نمونہ ہیں۔ اور جن کے ساتھ امراؤ جان ادا کا کردار اردو ناول کے ایک عظیم کردار کی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ امراؤ جان ادا کے ذریعہ جہاں رسوا نے طوائفوں کے کردار کو اجاگر کیا ہے وہ بھی بہت خوبصورت حصے ہیں۔ وہ رنڈیوں سے عشق کا ذکر کرتے ہوئے کہتی ہے۔

"میرا رنڈی کا پیشہ ہے اور یہ ہم لوگوں کا چلتا ہوا فقرہ ہے جب کسی کو دام میں لانا چاہتے ہیں اس پر مرنے لگتے ہیں ہم سے زیادہ کسی کو مرنا نہیں آتا ٹھنڈی سانسیں بھرنا، بات بات پر رو دینا، دو دو دن کھانا نہ کھانا، کنوئیں میں پیر لٹکا کر بیٹھ جانا یہ سب کچھ کیا جاتا ہے۔ کیسا ہی پتھر دل آدمی کیوں نہ ہو ہمارے فریب میں آ ہی جاتا ہے۔ مگر میں آپ سے سچ کہتی ہوں نہ مجھ سے کسی کو عشق ہوا نہ کسی سے مجھ کو،، [۵]

---

[۵] امراؤ جان ادا۔ رسوا مرتبہ: ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی صفحہ ۱۷۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

یہ ایک طوائف کا تجربہ ہے امراؤ جان ادا بڑی مردم شناس عورت ہے رسوا نے مختلف میلوں میں لوگوں کے چہروں اور انداز سے ان کے کردار اور ان کی دلی حالت کا مطالعہ کرایا ہے۔ ڈاکٹر آدم شیخ نے امراؤ جان ادا کے بارے میں لکھا ہے کہ :۔

"امراؤ جان ادا میں رسوا نے یوں تو امراؤ جان طوائف کی سرگذشت قلمبند کی ہے۔ لیکن اس کی دور بین اور مشاق نظروں سے کوئی بھی چھوٹے سے چھوٹا واقعہ یا معمولی کرداریوں ہی نہیں گذرتا وقتیکہ انھوں نے اس واقعہ یا کردار پلاٹ کی منطقی تعمیر یا تسلسل کے لیے نہ استعمال کیا ہو" [1]

اس میں شک نہیں رسوا نے اس میں چھوٹے چھوٹے کرداروں سے پلاٹ کی منطقی تعمیر اور چھوٹے چھوٹے واقعات سے کرداروں کو زندہ اور متحرک بنایا ہے۔ امراؤ جان ادا کا فیض آباد جانا اور وہاں مجرا کرنا دیکھنے میں ایک معمولی واقعہ ہے۔ لیکن یہ معمولی واقع امراؤ جان ادا کے کردار اور اس کی نسوانی نظرت کو زندہ جاوید بنا دیتا ہے اگر رسوا نے یہ واقعہ نہ رکھا ہوتا تو شاید امراؤ جان ادا کا کردار اتنا ابھر کر نہ آتا اور اس حصہ کو رسوا نے بڑی کامیابی کے ساتھ ایک ماہر نفسیات کی طرح برتا ہے۔ امراؤ جان ادا جس کے کردار کی تعمیر میں شروع سے رسوا نے اچھائی اور برائی کی کشمکش کا ایک پہلو رکھا ہے وہ یہاں پر مکمل ہو جاتا جب ہمیں اس کے اندر اپنی زندگی، اپنی حالت، اپنی بے عزتی اور اپنے پیشہ کی ذلت کا احساس زیادہ شدید اور بھرپور نظر آتا ہے۔

خانم کا کردار بھی اس ناول کا ایک اہم کردار ہے جسے رسوا نے بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ خانم ایک بڑی ہوشیار سمجھدار اور جہاندیدہ عورت ہے

---

[1] مرزا رسوا حیات اور ناول نگاری۔ ڈاکٹر آدم شیخ صفحہ ۱۶۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو لڑکیاں خریدتی انھیں رقص و موسیقی کی تعلیم دلاتی اور ان سے اپنے گھر کی محفل سجاتی ہے۔ اس کا گھر خوبصورت جوان لڑکیوں سے بھرا رہتا ہے وہ ہر ایک کا بیحد خیال رکھتی ہے سب کے دربار الگ ہیں لیکن حاکم وہ ایک ہے جو سب کو اپنے قابو میں رکھتی ہے۔ اس کے کردار میں بھی خیر و شر کی کشمکش ہے ایک طرف وہ لڑکیاں خریدتی اور ان سے جسم فروشی کا کاروبار کراتی ہے دوسری طرف اپنی ذہنی تسکین کے لئے وہ اس کا جواز بھی تلاش کر لیتی ہے امراؤ جان ادا کے خریدنے کے بعد وہ کہتی ہے۔

"خدا جانے کس کی لڑکی ہے ہائے ماں باپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ خدا جانے کہاں سے موئے پکڑ لائے ہیں۔ ذرا بھی خوف خدا نہیں۔ بوا حسینی ہم لوگ بالکل بے قصور ہیں عذاب ثواب انھیں موؤں کی گردن پر ہوتا ہے۔ ہم سے کیا۔ آخر یہاں نہ بکتی اور کہیں بکتی" [51]

اس کی شخصیت کا دوسرا پہلو اس جگہ نمایاں ہوتا ہے۔ جب ایک جگہ وہ خالص طوائف کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔ رسوا نے اس جگہ جو زبان اور محاورے استعمال کئے ہیں وہ خاص طوائفوں کے ہیں۔ نواب چھبن سے گفتگو میں وہ ایک خالص کاروباری عورت دکھائی دیتی ہے۔ اس کی بات چیت کے پیچھے طوائفوں کے معاشرے کی پوری تصویر نمایاں ہے۔ وہ نواب چھبن سے کہتی ہے:-

"حضور کو نہیں معلوم کہ بیسوائیں چار پیسے کی میت ہوتی ہیں کیا آپ نے یہ مثل نہیں سنی کہ رنڈی کس کی جورو؟ ہم لوگ مروت کریں تو کھائیں کیا۔ یوں آپ آئیے آپ کا گھر ہے میں منع نہیں

---

51 امراؤ جان ادا مرزا رسوا مرتبہ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی صفحہ ۹۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کرتی مگر آپ کو اپنی عزت کا خود ہی خیال کرنا چاہیئے،" لے

برائیوں کی شدت اور انتہار رد عمل کے طور پہ مذہبیت اور ضعیف الاعتقادی کو جنم دیتی ہے یہ بات طوائفوں میں کچھ زیادہ ہی ملتی ہے کہ وہ مذہبی رسوم کی ادائیگی بڑے دھوم دھام سے کرتی ہیں اس طرح اپنے حساب سے وہ اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیتی ہیں اس کے بیان میں ایک طرف رسوا نے اس زمانے کی معاشرتی زندگی اور طوائفوں کی معاشرت کو پیش کیا ہے اور دوسری طرف خانم اور دوسری طوائفوں کے کردار میں اس مذہبی پہلو کو نمایاں کیا ہے جو ان کی زندگی کے ایک بہت بڑے تضاد کو ظاہر کرتا ہے۔ خانم کی مذہبیت کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"خانم کی تعزیہ داری تمام شہر کی رنڈیوں سے بڑھ چڑھ کر تھی امام باڑے میں ٹیکے، شیشہ کے آلات جو شے تھی نادر تھی عشرہ محرم میں دس روز تک مجلس ہوتی تھی عاشورے کے دن سینکڑوں محتاج مومنین کی فاقہ شکنی کی جاتی تھی چہلم تک ہر جمعرات کو مجلس ہوتی تھی" ۲ے

خانم کی بیٹی بسم اللہ بھی ناول کا ایک بہت جاندار کردار ہے۔ یہ ایک خالص طوائف ہے اس کی رگوں میں طوائف کا خون ہے اس لئے یہ ان عورتوں سے بڑی حد تک مختلف ہے جو طوائف بننے پر مجبور کی گئی ہیں۔ مثلاً امراؤ جان ادا اور خورشید وغیرہ۔ بسم اللہ میں رنڈیوں والی ساری مکاری، عیاری کا فاحشہ پن چھپا ہوا ہے وہ بے مروت بھی ہے اور بد مزاج بھی عشق باز بھی ہے اور مکار بھی بسم اللہ کے کردار کے ذریعہ رسوا نے ایک پیدائشی طوائف کا کردار بڑے مکمل طور پر

لے امراؤ جان ادا۔ مرزا رسوا مرتبہ: ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی ص۱۶۳

۲ے " " " " " " " " ص۱۸۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پیش کیا ہے ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"ناول کا سب سے زیادہ اور زندہ رہنے والا کردار بسم اللہ جان ہے۔ خانم کی یہ تیز، خود غرض اور خود بیں لڑکی نہایت کمال کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ اس میں ایک خاص قسم کی بے مروتی، ایک خاص قسم کی معشوقانہ بے رحمی اور ایک خاص بدلہ لینے کی ادا ہے جس سے اس کا مکمل رنڈی پن اور ایک خاص انفرادیت ہمارے سامنے آجاتی ہے۔" [۱]

بسم اللہ کے بارے میں امراؤ جان ادا کی رائے دیکھئے۔

"بسم اللہ جان کو عشق بازی میں بڑا ملکہ تھا انسان تو انسان فرشتہ ان کے جال سے نہیں نکل سکتا تھا۔ ہزاروں ان کے عاشق تھے اور وہ ہزاروں پر عاشق تھیں۔"

"بسم اللہ خورشید کے تلوؤں کی برابری نہیں کر سکتی تھیں اس پر وہ تمکنت وہ غرور وہ غمزہ وہ نکتورا کہ خدا کی پناہ ...... آشناؤں سے اس کا سلوک کچھ اچھا نہ تھا۔" [۲]

خورشید پھر ایک ایسی لڑکی ہے جو پیدائشی طور پر طوائف نہیں ہے۔ اس لیے وہاں کی دوسری عورتوں سے مزاج مختلف ہے۔ رسوا نے اس بات کو امراؤ جان ادا کے کردار میں بھی نمایاں کیا ہے اور خورشید کے کردار میں بھی انھیں دونوں کرداروں سے بسم اللہ اور دوسری رنڈیوں کے کرداروں کا فرق ظاہر ہوتا ہے۔ خورشید بیسواڑے کے ایک زمیندار کی بیٹی ہے وہ جسم فروشی پر مجبور ضرور ہے لیکن ہر وقت وہاں سے نکل جانا چاہتی ہے اس کی خواہش ہے کہ وہ کسی ایک کی ہو کر رہے وہ ہر وقت اسی کشمکش میں

---

[۱] اردو ناول کی تنقیدی تاریخ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی صفحہ ۱۵۱

[۲] امراؤ جان ادا صفحہ ۱۸۰، ۱۹۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ملتا ہے اور جب اس کو راجہ صاحب کے آدمی اغوا کرے چلتے ہیں تو صرف اسی لئے مزاحمت نہیں کرتی اس طرح اس کو خانم کے روز کے گاہکوں سے نجات مل رہی تھی اس کو معلوم تھا کہ اب کبھی وہ گھریلو عورت بن کر زندگی نہیں گزاریگی لیکن یہ سکون ضرور تھا کہ وہ صرف ایک کی ہو کر رہے گی۔

بوا حسینی اور آبادی تو چھ دو چھوٹے چھوٹے کردار ہیں۔ لیکن اپنی جگہ پر پلاٹ کی ترتیب اور ربط میں ان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا پھر یہ دونوں کردار نسوانی کردار کے دو ٹائپ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ناول میں یہ کتنے ہی مختصر کیوں نہ ہوں لیکن رسوا نے ان کی کردار نگاری میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔

بوا حسینی خانم کی ملازمہ ہے جس کے سپرد امراؤ جان ادا کی حفاظت ہوتی ہے امراؤ مسّی تک بوا حسینی کے پاس ہی رہتی ہے۔ بوا حسینی کی شخصیت میں رسوا نے ایک طرف عورت کی ساری محبت اور مادرانہ شفقت سمو دی ہے اور دوسری طرف وہ عورت کی بیچارگی کا بھی نمونہ ہے۔ جو ایک مجبور اور بے بس ماں کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی مادرانہ محبت، ہمدردی اور شفقت اس پہلی رات دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ جب امراؤ جان خانم کے یہاں بھیجی گئی ہے وہ بوا حسینی کی کوٹھری میں رات میں اپنے ماں باپ کو خواب میں دیکھتی ہے اور رونے لگتی ہے اسے روتا دیکھ کر بوا حسینی کا دردمند دل بھر آتا ہے :-

" چراغ روشن تھا میں نے دیکھا کہ حسینی بوا کے آنسو بھی برابر جاری ہیں " [۵]

لیکن دوسرا ٹائپ آبادی ہے جو خالص رنڈی کے کردار کو پیش کرتی ہے اور جس کے کردار کے ذریعہ رسوا نے رنڈیوں کے معاشرے اور ان کی زندگی کی کامیاب عکاسی کی ہے اس موقع پر رنڈیوں اور اس طرح کی نوچیوں کے بارے میں امراؤ جان ادا کا بیان بیحد اہم ہے۔ وہ کہتی ہے :-

---

[۵] امراؤ جان ادا مرزا رسوا صفحہ ۶۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"بعض بیوقوف رنڈیوں نے کسی کی لڑکی کو لے کے پالا، اس سے دل لگایا مگر جب وہ جوان ہوئی لے دے کے کسی کے ساتھ نکل گئی ــــــ آبادی نے بھی جل دیا ہوتا مگر وہ تو کہو اس کے کرتوت پہلے ہی کھل گئے نہیں تو مجھے لوٹ ہی جاتی ۔ مرزا کیا، عورت کیا رنڈی قوم میں بدکاروں کی زندگی کا اصول ہی ایسا بگڑا ہوا ہے کہ ایک دوسرے میں محبت نہیں ہو سکتی نہ کوئی سمجھدار کسی کو دل دے سکتا ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ رنڈی کسی کی نہیں ہوتی" [1]

ان نسوانی کرداروں کے ذریعہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسوا نے عورتوں کے ایک بہت اہم مسئلہ جسم فروشی اور طوائفوں کی سماجی حیثیت کو پیش کیا ہے اس طرح رسوا کی کامیاب اور لافانی کردار نگاری کے ساتھ ساتھ عورتوں کے ایک طبقہ اور سماجی اہمیت کے بہت بڑے مسائل ہمارے سامنے آتے ہیں رسوا کا یہ ناول بلاشبہ کردار نگاری کے اعتبار سے بے مثال ہے جس کے تمام کردار اپنے ماحول اور معاشرے کے مکمل اور نمائندہ کردار ہیں ۔

رسوا کے بعد مرزا سعید دہلوی اور راشد الخیری کے نام ملتے ہیں لیکن ناول نگاری میں رسوا کے سامنے ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے سوائے اس کے کہ مرزا سعید دہلوی نے نفسیاتی ناول لکھے ۔ راشد الخیری اصلاحی گروپ سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کے یہاں عورت کا کردار مظلومیت اور پستی کی غمازی کرتا ہے ۔ وہ بار بار ایک ہی طرح کی باتوں کو دہراتے ہیں ۔ ان کا جذباتی انداز بیان بھی ہمیشہ یکساں رہتا ہے ۔ اسی لئے ناول نگاری میں ان کی بہت زیادہ اہمیت نہیں ہے ۔

پریم چند بحیثیت کردار نگار

پریم چند نے بے شمار افسانے اور بارہ ناول لکھے ہیں ناولوں میں ہم خرما و

---

[1] امراؤ جان ادا مرزا رسوا صفحہ ۳۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہم ثواب سے لے کر منگل سوتر (نامکمل) تک اردو ناول نگاری اس کی تکنیک اور پریم چند کے فن کے ارتقا کی تصویر نظر آتی ہے۔ یہ ناول اگر ایک طرف اردو میں ناول نگاری کے فن پر روشنی ڈالتے ہیں تو دوسری طرف پریم چند کی کردار نگاری کے تدریجی ارتقا کو بھی پیش کرتے ہیں۔ پریم چند کے ان ناولوں میں انگنت کردار ہیں جو مختلف طبقات سے تعلق رکھتے ہیں ان کے مسائل اور مطالبات مختلف ہیں لیکن پریم چند نے انھیں اپنے طبقے کا نمائندہ کردار بناکر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے ابتدائی ناولوں میں کمزور کردار نگاری کی مثالیں بھی ملتی ہیں لیکن ان کے بہت سے کردار اردو ناول کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہنے والے بھی ہیں۔ ناول میں اچھی کردار نگاری کے لئے ضروری ہے کہ اس میں پیش کیے گئے کردار زندہ اور حقیقی زندگی میں چلنے پھرنے والے کردار معلوم ہوں انھیں اپنے داخلی ربط کی پوری ترجمانی کرنی چاہیے۔ ٹی ایس ایلیٹ نے کہا ہے کہ فنکار کو انسان دوست ہونا چاہیے۔ انسان کی فطرت سے بخوبی واقف ہونے کے لئے اور یہ جاننے کے لئے کہ کس قسم کے کرداروں کو اور کرداروں کی کن خصوصیات کو نمایاں کرنا چاہیے۔ ٹی ایس ایلیٹ نے اس سلسلے میں جو نکات پیش کیے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ فن کار کو انتہائی رواداری کے ساتھ زندگی کو پیش کرنا چاہیے۔

پریم چند اپنے کرداروں کے ساتھ پوری رواداری برتتے ہیں۔ گو کہ بعض جگہ ان کی اصول پرستی ان کے کرداروں کے ارتقا میں حائل ہو جاتی ہے پھر بھی ان کے کردار جامع نہیں نظر آتے۔ ان میں ایک حرکت ہے۔ وہ ناول کے پلاٹ سے اس طرح مربوط ہیں اور اپنے طبقے کے مسائل کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ان کی کوتاہی اور عیب بھی نمایاں نہیں ہو پاتے۔ کردار کی اچھائی کے لئے ان میں صداقت کا ہونا ضروری ہے۔ اگر ناول نگار حقیقت نگاری کے معاملہ میں کمزور ہے تو کردار کا عمل صحیح نہیں ہوگا۔ اور عمل ہی کردار کے لئے اصل چیز ہے۔ عمل کی بنیاد کہانی یا پلاٹ پر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے۔ کہ کردار عمل اور پلاٹ یہ تینوں چیزیں ایک دوسرے میں کچھ اس طرح منسلک ہیں کہ انھیں علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ پریم چند کو ناولوں میں کہانی کی خوبی ہر جگہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نظر آتی ہے لیکن جو بات ان کے ابتدائی ناولوں کے کچھ کرداروں کو کمزور کر دیتی ہے۔ وہ ان کا مبالغانہ انداز یا پیام ہے۔ انھوں نے اپنے ذہن میں کچھ قدریں متعین کر لی ہیں اور کسی نہ کسی طرح وہ اپنے اُن کرداروں سے اس سلسلے میں کام لیتے ہیں ایسی جگہوں پر کردار اکثر کمزور ہو گئے ہیں۔ کردار نگاری کی تعریف کرتے ہوئے شکسپیر کے کرداروں کے بارے میں ولیم ہیزلٹ W. HAZLITT نے لکھا ہے کہ :-

> " یہ صرف عہدوں۔ جنس۔ عمر اور محبت کے راز و نیاز کے
> پہلوؤں کی کردار نگاری نہیں کرتا بلکہ (اس کے یہاں) بادشاہ سے لے کر
> فقیر تک، ہیرو سے لے کر جیب کترے تک، دانشور سے لے کر احمق
> تک اپنی پوری حقیقت کے ساتھ سامنے آتے ہیں " لہ

پریم چند کے ناولوں میں بھی ہمیں ہر طرح کے چھوٹے بڑے کردار مل جاتے ہیں جن میں ہر طبقہ کے لوگ ہیں۔ اعلیٰ طبقے کے زمیندار اور جاگیردار۔ معمولی درجے کے کاشتکار یا دوسرے غریب انسان جن میں بڑے لوگوں کے کردار بھی ہیں اور اچھے لوگوں کے بھی۔ اوسط درجے بورژوا طبقے یا معمولی زمیندار اور ایسے لوگ جو جدید حالات اور تقاضوں کے تحت ملکی آزادی اور سماجی بہبود کی جد و جہد کے لئے کوشاں ہیں۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان اصلاحات اور کوششوں کے مخالف ہیں۔ پریم چند کو بھی شکسپیر کی طرح مختلف طبقوں کے لوگوں کو پیش کرنا پڑا۔ یوں بھی ناول ہمارے پورے سماج اور ماحول کا احاطہ کر لیتا ہے اس لئے اس میں ہر طرح کے کردار آ جاتے ہیں۔

پریم چند کے کرداروں کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو انھیں بہ آسانی دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ان کی پہلی قسم وہ ہے جو پریم چند کے کسی تصوّر کو پیش کرتے ہیں اور جنھیں پریم چند نے مثالی بنا کر پیش کیا ہے۔

ایسے کردار سختی سے اصول پرستی کا شکار ہیں۔ دوسرے قسم کے کردار وہ ہیں

لہ W. HAZLITT 'PREFACE CHARACTER OF SHAKESPEARES PLAYS'

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جو حالات کے ساتھ تبدیل ہوتے جاتے ہیں اس قسم کے کردار بہت اچھے سمجھے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ پہلی قسم کے کردار تو اپنی مثالیت اور اصول پرستی کی وجہ سے سپاٹ اور بے کیف ہو جاتے ہیں لیکن دوسری قسم کے کرداروں میں ان کے تبدیل ہونے کی وجہ سے تاثر اور دلکشی قائم رہتی ہے۔ ان کی تبدیلیاں ان کی شخصیت کو زندہ متحرک اور پر اثر بنائے رہتی ہیں۔ اصل میں دوسرے قسم کے کرداروں ہی میں خیر و شر کی کشمکش پائی جاتی ہے۔ ایسے کرداروں کا احاطۂ عمل محدود نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کی کردار نگاری مشکل ہوتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ پریم چند نے اپنے کرداروں کو منتخب کرنے کے لئے عام انسانوں اور عام مسائل کا سہارا لیا ہے وہ کردار کے انتخاب میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ ان کے کردار مطالعہ کے وقت جانے پہچانے سے معلوم ہوتے ہیں۔ سہیل بخاری نے لکھا ہے کہ :-

> "ان کے کردار عام انسانوں کے جیتے جاگتے نمونے ہوتے ہیں جن سے ہم قریب قریب روزانہ ملتے رہتے ہیں۔ ان میں کوئی اجنبیت اور مغائرت نہیں پاتے۔ ان کے صرف وہی کردار غیر فطری ہوتے ہیں جن کے اصول ضرورت سے زیادہ بلند ہوتے ہیں وہ واقعات کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ لیکن بے موقع ان کی مثالیت پسندی اور اصول پرستی ہی انھیں غیر فطری بنا دیتی ہے۔ اور پھر پوری فضا مصنوعی نظر آنے لگتی ہے۔" [1]

پریم چند کے کردار اپنی بعض خصوصیات میں ڈکنس (DICKENS) کے کردار سے ملتے جلتے نظر آتے ہیں جس طرح ڈکنس کردار کو ایک مخصوص نگاہ سے دیکھتا ہے اسی طرح پریم چند بھی کردار کے سلسلے میں ایک مخصوص زاویہ نظر

---

[1] اردو ناول نگاری۔ سہیل بخاری صفحہ ۹۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

رکھتے ہیں اس لئے کہ ان کے کردار ایک خاص محور پر گھومتے ہیں۔
پریم چند کی مثالیت نے ان کے بعض کرداروں کو فنی حیثیت سے کمزور کر دیا ہے۔ وہ کردار بھی جو ان کے تبلیغی مشن کے سلسلے کشمکش میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ اچانک اور غیر ارادی طور پر ایک دم بدل جاتے ہیں۔ ان کی اچانک، اس تبدیلی سے ان کی شخصیت پرکشش ہونے کی بجائے دھندلی پڑ جاتی ہے اس لئے کہ جہاں پر کردار اپنے نظریہ اور اصول کو بدلتا ہے وہاں پریم چند اس کی تبدیلی کا کوئی ذہنی یا نفسیاتی جواز نہیں پیش کرتے ہیں۔ پریم چند کے بعض نقادوں نے ان کی کردار نگاری پر سخت اعتراضات کئے ہیں۔ ایسے نقادوں میں خصوصیت کے ساتھ پنڈت کشن پرشاد کول کا نام آتا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:-

"پریم چند نے ایسے تمثیلی اور معیاری کردار پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ وطن پرستی جن کا عقیدہ اور ایمان ہو جن میں حوصلہ اور ہمت ہو جو قوم پر سے تن من دھن سب نچھاور کر سکتے ہوں جنھیں نہ صرف قوم کے لیے مرنا بلکہ جینا بھی آتا ہو جن کے دل ایسی محبت سے سرشار ہوں کہ جو سچی ہو پائیدار ہو پاکیزہ ہو جس میں خود غرضی کی جگہ بے غرضی اور ایثار ہو۔ مگر مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ اس کوشش میں قطعی ناکامیاب رہے ...... اگر پریم چند کو ان کرداروں کی نقشہ کشی میں کامیابی ہے تو صرف اس معنی میں کہ ان کے کردار تہی دماغ سنکی اور جوشیلے انسان ہیں۔ اور ایسے انسانوں کی زندگی کا انجام سوائے خودکشی کے اور کچھ نہیں۔" [1]

پنڈت کشن پرشاد کول کا یہ بیان ان کی انتہا پسندی کی غمازی کرتا ہے۔

---

[1] نیا ادب پنڈت کشن پرشاد کول صہ ۱۵۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس میں شک نہیں کہ پریم چند کی کردار نگاری بعض جگہ کمزور ہے اور ان کے کردار اچانک اتنی تیزی سے اپنا نظریہ بدل دیتے ہیں کہ حقیقت سے دور کی بات معلوم ہونے لگتی ہے لیکن اس سے یہ مطلب نہیں نکالا جا سکتا کہ پریم چند کے تمام کردار تیسرے درجے کے کردار ہیں ان کے یہاں اچھے کردار بھی ہیں جو قاری کے ذہن پر اپنے عمل کے ذریعہ اچھا اثر چھوڑتے ہیں عورتوں اور مردوں کے کرداروں میں بیسوں ایسے کردار ہیں جو کول صاحب کے بیان کی تردید میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ ان کی مثالیت اگر ایک طرف ان کے کرداروں کو سست بناتی ہے تو دوسری طرف ان کے بہت سے کردار ناولوں کی روح بن جاتے ہیں۔ ان کے برے کردار برائیوں سے بچنا سکھاتے ہیں اور ان کے اچھے کرداروں کی مثالیت نیکیوں کو عام کرتی ہے۔ پریم چند کے وہ کردار جنھیں ہم غیر فانی کہہ سکیں۔ ان میں ٹنخا۔ ہوری۔ دھنیا۔ سمن۔ سکھدا۔ ونے۔ سور داس لونگی۔ نرملا۔ گیان شنکر۔ منی وغیرہ کے کردار ہیں۔ ان کرداروں کو دیکھ کر یہ کہنا ناانصافی ہوگی کہ پریم چند کے سارے کردار معیار سے گرے ہوئے ہیں۔ پنڈت کشن پرشاد کول نے جس قسم کے اعتراضات کئے ہیں وہ حقیقت کے خلاف ہیں۔ ان کا یہ کہنا کہ پریم چند کے کرداروں میں گوشت پوست خون اور دماغ کچھ ہوتا ہی نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے پریم چند کی کردار نگاری کے بارے میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔

"پریم چند کا میدان اتنا ہی وسیع ہے جتنی کائنات۔ وہ ایک اچھے "قصہ" گو اور درجنوں جیتے جاگتے کرداروں کے خالق ہیں...... اگرچہ نفسیات انسانی کی گہرائیاں ان کے بس کی نہیں ان کا مشاہدہ تیز اور قوی ہے اور انھیں کرداروں کا پیدا کرنا اور انھیں بڑھتے اور کھلنے کھولنے کا موقع دینا خوب آتا ہے...... جہالت غربت اور بیماری رسم و رواج کا بھوت دولت کی غلط تقسیم مذہب کے نام پر انسانیت کا خون پریم چند سے دیکھا نہیں جاتا۔ وہ نہایت شریف آدمی ہیں اور

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بعض تلخ حقائق کی تاب نہیں لا سکتے۔ وہ مرد عورت کی محبت کو بیان نہیں
کر سکتے۔ ان کے یہاں جذباتیت زیادہ ہے ان کے کرداروں میں
بہت جلد انقلاب آتا ہے۔ [1]

آل احمد سرور کے اس بیان کی روشنی میں اگر ہم پنڈت کشن پرشاد کول کی رائے کا مطالعہ کریں تو ان کی انتہا پسندی زیادہ واضح شکل میں نظر آنے لگتی ہے۔ اس کے بارے میں اوپر بھی لکھا جا چکا ہے کہ پریم چند کے کردار اچانک تبدیل ہو جاتے ہیں ان کی کردار نگاری کی یہ خامی ضرور ہے لیکن چونکہ وہ اپنے خاص نظریات کی تبلیغ چاہتے تھے لہٰذا مجبوراً ان کو بدلنا پڑتا تھا۔ اور چونکہ پریم چند نے ہندوستانی زندگی کے ہر شعبہ طبقہ کے کردار پیش کئے ہیں اس لئے اتنے زیادہ کرداروں میں ان کے یہاں کچھ کردار غیر معیاری بھی آگئے ہیں۔ ان کی کردار نگاری کے سلسلے میں عزیز احمد کی رائے بھی قابل غور ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ

"پریم چند کے ہر کردار کی آخر میں اصلاح ہو جاتی ہے نذیر احمد
نے صرف گھریلو اخلاقی اصلاح کی کوشش کی تھی جو کہ ایک حد تک ممکن ہے۔
لیکن پریم چند اخلاقی معاشی ذہنی نفسیاتی ہر قسم کی اصلاح ہر فرد اور
ہر کردار پر اس طرح زبردستی عائد کرتے ہیں کہ نفسیات اس کی متحمل
نہیں ہو سکتی...... جب پریم چند کا کوئی کردار اصلاح پذیر ہوتا ہے
تو یوں دفعتاً اور بلا کسی منطقی یا نفسی وجہ کے اس میں تبدیلی پیدا
ہو جاتی ہے کہ خاطر ہرگز قائل نہیں ہوتا"۔ [2]

پریم چند کے کرداروں کے بارے میں ایسا نہیں ہے کہ ان پر اعتراضات کی

---

[1] تنقیدی اشارے۔ آل احمد سرور صفحہ ۲۲-۲۱

[2] ترقی پسند ادب عزیز احمد صفحہ ۱۵۲ دوسرا اڈیشن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گنجائش نہ ہو لیکن تمام کرداروں پر اعتراض کرنا درست نہ ہوگا۔ اوپر کے صفحات میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان کے کردار کی ایک بڑی خامی ان کا دفعتاً بدل جانا ہے۔ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ان کے کچھ خاص اصول اور نظریات تھے۔ اور ان کی نگاہ میں تہذیبی اقدار مذہبی پابندیوں اور اخلاقی اصولوں کی بہت زیادہ اہمیت تھی ایسی صورت میں ان کے کرداروں کے لئے اُن اخلاقی تہذیبی اور مذہبی اصولوں کی پابندی لازمی تھی۔ ممتاز حسین کے خیال کے مطابق کردار کو اپنی فطرت کا مظاہرہ اپنے عمل کے ذریعہ کرنا چاہیے۔ اس لئے کہ عمل ہی وہ کسوٹی ہے جس کی بنا پر کسی کردار کو متعین کیا جا سکتا ہے [۱]

اور پریم چند کے کردار اپنے عمل کے ذریعہ اپنی فطرت کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ روزمرہ کی زندگی سے اتنا قریب رہتے ہیں کہ سماج کے جیتے جاگتے کردار معلوم ہوتے ہیں اور ایک کردار کی اچھائی کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ زندگی سے قریب ہو۔

ہرسروپ ماتھر نے پریم چند کی کردار نگاری کے بارے میں لکھا ہے کہ:۔

"پریم چند کے ناولوں میں کردار حالات سے متاثر ہوتے ہیں اور متاثر کرتے ہیں لیکن سب کرداروں کے بارے میں ایسا نہیں کہہ سکتے۔ ان کے ہوری۔ رادھا ناتھ سمن وغیرہ کے کردار حالات سے پوری طرح متاثر ہوئے ہیں۔ جب کہ پریم شنکر۔ امرت رائے۔ امرکانت وغیرہ کے کردار حالات سے متاثر نہیں دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے وہ کردار حالات سے بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں جو حقیقت پسند ہیں لیکن مثالی کرداروں پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پریم چند نے کردار نگاری میں حرکت اور ڈرامائی انداز کا یکساں طور پر خیال رکھا ہے وہ کردار کے خیال جذبات اور حالات کو بیان ہی نہیں کرتے۔ ان پر حاشیے اور رائے بھی دیتے جاتے ہیں۔" [۲]

---

[۱] نئی قدریں۔ ممتاز حسین صفحہ ۲۵۷

[۲] پریم چند اپنیاس اور شلپ (ہندی) ہرسروپ ماتھر صفحہ ۱۸۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پریم چند کے کردار بلا شبہ ہمارے سماج کے جیتے جاگتے کردار ہیں۔ ان کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ زندگی میں عام انسانوں کی طرح سانس لیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کے کرداروں میں مثالی کردار بھی ہیں لیکن وہ اپنی اصول پرستی کی بنا پر اُن کرداروں کے پیش کرنے کے لئے مجبور تھے ان کے کردار خواہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں اپنے عمل میں کمزور نہیں دکھائی دیتے ان کا ہوری دیہاتی کسانوں کا ایک نمائندہ شخص ہے۔ جس کو پیش کرنے میں پریم چند نے پوری مہارت سے کام لیا ہے۔ اسی طرح متوسط طبقہ کے کرداروں میں رمانا تھ۔ سمن اور دوسرے بہت سے کرداروں کو اہمیت حاصل ہے۔ جن کے گرد متوسط طبقے کی وہ تمام کمزوریاں۔ خامیاں اور مجبوریاں پھیلی ہوئی ہیں جو قدم قدم پر انسان کی ترقی کی راہ میں حائل ہوتی ہیں اور جن کے تحت اُسے مجبوراً جو اپنے ضمیر اور اپنی پسند کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے اور ناپسندیدہ زندگی اپنانی پڑتی ہے۔

پریم چند نسوانی کرداروں کو زیادہ پسند کرتے ہیں شاید اسی لیے عام طور پر ان کے نسوانی کردار مثالی ہیں گو کہ پریم چند کردار کے سلیے یہ ضروری نہیں سمجھتے کہ اس میں کمزوریاں برائیاں اور دوسرے عیوب نہ ہوں۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ کردار کو مثالی اور دلکش بنانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ بے قصور ہوں بڑے بڑے بزرگوں میں کچھ نہ کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں کردار کو زندہ بنانے کے لئے اس کی کمزوریوں کی نمائش سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ بلکہ یہی کمزوریاں اس کردار کو انسان بنا دیتی ہیں [۵۱]

پریم چند نے مختلف جگہوں پر فن کردار نگاری پر روشنی ڈالی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پریم چند کردار نگاری کے فن سے بھی بہت اچھی طرح واقف تھے انھوں نے سرشار کے کرداروں کی بحث کے سلسلے میں بہتر کردار کی خصوصیات

---

[۵۱] ساہتیہ کا ادیشین - پریم چند (ہندی) صفحہ ۵۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

"مگر اس کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے کہ ناول لکھنے کی کامیابی یہی نہیں ہے کہ کرداروں میں صرف خوبیاں پیدا کر دی جائیں سچی کاریگری تو اس میں ہے کہ کرداروں میں جان ڈال دی جائے ان کی زبان سے جو الفاظ نکلیں وہ خود بخود نکلیں نکالے نہ جائیں جو کام وہ کریں خود کریں ان کے ہاتھ پاؤں مروڑ کر زبردستی ان سے کوئی کام نہ کرایا جائے،، ؎[1]

اس خیال کے باوجود پریم چند کے بعض کردار ان کی مثالیت اور اصول پرستی کا شکار نظر آتے ہیں انھوں نے کرداروں کے لئے جو اصول بنایا اسے اپنے کرداروں پر عائد نہیں کیا انھوں نے خود لکھا ہے کہ اگر کسی کردار کا ارتقا رک جائے تو اسے ناول سے نکال دینا چاہیئے کیونکہ ناول کا انحصار کرداروں کی ترقی ہی پر ہے اگر کردار مردہ ہوں گے تو ناول کمزور رہےگا ؎[2]

پریم چند کے کردار اپنی خامیوں کے باوجود پُر اثر ہوتے ہیں ان میں جذبات قوت اور عمل سبھی کچھ پایا جاتا ہے۔ پروفیسر جناردن پرسار جھانے لکھا ہے کہ :-

" ان کے ناولوں کے کردار چاہے معمولی طبقے کے ہوں یا غیر معمولی طبقے کے ہوں اپنا اثر پوری طرح قاری کے دل پر چھوڑ جاتے ہیں وہ جتنے مضبوط ہیں اتنے ہی غیر فانی بھی۔ ان کی عادتوں کی اچھائیاں اور برائیاں ہمارے اپنے کردار کی اچھائیوں اور برائیوں کے ساتھ ایک طرح کا روحانی تعلق ظاہر کرتے ہوئی دکھائی دیتی ہیں اسی لئے ان میں دلوں کو متاثر کرنے کی قوت کی کمی نہیں ہوتی ...... جہاں ہم انھیں اپنے بلند اصول پر خود کو قربان کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہاں ہمارا

؎[1] ساہتیہ کا ادیشیہ پریم چند (ہندی) صفحہ ۶۲

؎[2] پریم چند قلم کا سپاہی - امرت رائے صفحہ ۱۰۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

دل بھی پاک جذبے سے بھر جاتا ہے۔ جہاں ہم انھیں اپنی بری خواہشوں
کی آگ میں جلتے ہوئے دیکھتے ہیں وہاں ہمدردی کا جذبہ ہمارے
دلوں میں بھی بیدار ہو جاتا ہے۔" ۵۱

پریم چند کی کردار نگاری کے بارے میں اوپر کے صفحات میں تفصیلی جائزہ لیا جا چکا ہے ان کے ناقدین میں اس مسئلے پر اختلاف ہے۔ بعض ناقدین کا خیال ہے کہ وہ کردار نگاری میں ناکام ہیں لیکن بعض انھیں اپنے مقصد میں کامیاب سمجھتے ہیں ان دونوں رایوں کو اوپر پیش کیا جا چکا ہے نتیجے کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ یقیناً ایک کامیاب کردار نگار ہیں۔ بعض کرداروں کا خراب ہو جانا یا ان کی مقصد پرستی ان کو اچھے کردار نگاروں کی صف سے سے علیحدہ نہیں کر سکتی۔ انھوں نے بہت سے زندہ پرکشش حیات آفریں۔ ڈرامائی اور مضبوط کرداروں کی تخلیق کی ہے جو ہمیشہ بہترین کرداروں کی صف میں جگہ پائیں گے۔ ویسے خود ان کا خیال تھا کہ اگر قاری کردار کی کسی بات سے متفق نہیں ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مصنف کردار نگاری میں ناکام ہے۔ ۵۲

اس میں شک نہیں کہ صرف قاری کی رائے پر کردار کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کردار کا معیار صرف قاری کو بنا دیا جائے تو مختلف قسم کے بہت سے مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا اور پھر شاید اس کا فیصلہ کرنا ناممکن ہو جائے کہ کونسا کردار اچھا ہے اور کونسا خراب۔

پریم چند کردار کی تخلیق میں حتی الامکان تمام جزئیات پر نگاہ رکھتے ہیں۔ اور عام طور پر وہ اس کے پیش کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں کے بہت سے کردار غیر فانی ہو گئے ہیں۔

پریم چند کی کردار نگاری میں ان کے نسوانی کرداروں کو بہت زیادہ اہمیت

---

۵۱ پریم چند کی اپنیاس کلا (ہندی) جناردن پرساد جھا صفحہ ۹۵
۵۲ " " " " " صفحہ ۹۵

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حاصل ہے اس کے تفصیلی مطالعے کے لئے ہمیں ان کے نسوانی کرداروں کو کئی حصّوں میں تقسیم کرنا پڑے گا اس لئے کہ مختلف طبقات کے کردار انھوں نے مختلف نوعیتوں اور مسائل کے ساتھ پیش کئے ہیں۔

پریم چند کے یہاں اگر ہم عورتوں کا تفصیلی مطالعہ کریں تو ان کے کرداروں کو پہلی نگاہ میں تین حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یہ تقسیم سماجی طبقات کے مطابق ہوگی یعنی اعلیٰ طبقے کی عورتیں جن میں راجپوت شہزادیوں اور رانیوں کا شمار ہوتا ہے۔ مثلاً امادے۔ لاچھل دیوی۔ سروپ دیوی۔ رانی یا چوگان ہستی کی رانی جانوی اور اندو وغیرہ جو جاگیردارانہ طبقے سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور اپنے خاص معیار اور روایتوں کے ساتھ ہمارے سامنے آتی ہیں۔

پریم چند کے ناولوں میں اعلیٰ طبقے کی عورتوں کے بعد متوسط اور بورژوا طبقہ کی عورتیں بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے اکثر مسائل صرف انھیں طبقوں سے لئے ہیں۔ ان میں مختلف قسم کی عورتیں ملتی ہیں اس طرح ہم اس ایک گروہ کو کئی اور گروہوں میں تقسیم کر سکتے ہیں مثلاً متوسط طبقے کا ایک گروہ تو ان عورتوں کا ہے جو مغربی تہذیب سے متاثر ہوا ہے۔ اور اس نے اپنا رہن سہن مغربی بنا لیا ہے اس حصّے کے مسائل دوسروں سے کچھ مختلف ہیں۔ ساتھ ہی ان میں قومی و ملکی مسائل پر غور کرنے کی صلاحیت زیادہ ہے۔ دوسرے وہ عورتیں جو خالص مشرقی ہیں لیکن ان مشرقی عورتوں میں بھی دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک تو وہ جو روایات سے اس طرح لپٹی ہوئی ہیں کہ کسی تبدیلی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وہ گھریلو زندگی ہی کو سب کچھ سمجھتی ہیں شوہر ان کا مجازی خدا ہے اور وہ ہر طرح اس کی تابع ہیں۔ دوسرے وہ عورتیں جو مشرقی ذہن رکھنے کے باوجود سیاسی اور سماجی زندگی میں دلچسپی لیتی ہیں۔ اور بعض ان میں بہت اہم کام انجام دے جاتی ہیں۔

پریم چند کے دور میں سرمایہ دار یعنی بورژوا طبقہ یا کاروباری طبقہ بھی پیدا ہو رہا تھا۔ صوفیہ۔ سکھدا۔ گوبندی۔ اسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ مالتی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جیسے کردار بھی کس حد تک بورژوا طبقہ کی نمائندگی کرتے ہیں پریم چند اس نئے ابھرتے ہوئے بورژوا طبقہ اور اس کی نفسیات سے بے نیاز نہیں تھے۔

متوسط طبقہ کی عورتوں میں تیرا گروہ ان عورتوں کا ہے جو سماجی اصلاح چاہتی ہیں وہ اپنے طبقے میں کسی وجہ سے جگہ نہیں بنا سکیں جن میں ہم طوائفوں کا شمار کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے کردار اچھے سماج کے لئے بدنما داغ ہوتے ہیں۔ اس لئے سماج کی تعمیر کے وقت ان کو وہ حیثیت نہیں دی جاتی جو دوسری عورتوں کو حاصل ہوتی ہے۔ یہاں پر یہ کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ایسی عورتوں کو ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا ہے اور ان کو سماج میں وہ مرتبہ نہیں ملتا جو ہر عورت کا پیدائشی حق ہے۔ ایسی عورتیں اپنے ماحول اور حالات سے لڑنے کے لئے جدوجہد میں لگی رہتی ہیں۔ اور سماج کی اصلاح کر کے اپنے جینے اور باعزّت رہنے کا حق چاہتی ہیں ان تینوں گروہوں کی عورتوں کو برجن، پریم وتی، مادھوی، پورنا، سمترا، پریما، سمن، شانتا، بھولی، صوفیہ، گائتری، نرملا، رنگیلی بائی، جالپا، رتن، زہرہ، سکھدا، نینا، سکینہ، مالتی، گوبندی وغیرہ کے کرداروں میں بہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے، ان میں مغرب اور نئی روشنی سے متاثر ہونے والی عورتیں بھی نظر آئیں گی اور وہ عورتیں بھی ملیں گی جو بالکل مشرقی انداز میں صرف اپنے گھروں میں محدود ہیں اور جن کا کام روائت پرستی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ وہ عورتیں بھی دکھائی دیں گی جو خالص مشرقی تمدن میں گھری رہنے کے باوجود ترقی پسند رجحان رکھتی ہیں اور اپنے مسائل کو سمجھتی ہیں وہ ہندوستان کے سیاسی اور سماجی کاموں میں دلچسپی لیتی ہیں۔ انھیں عورتوں میں وہ بھی مل جائیں گی۔ جو غیر اخلاقی زندگی گذارتی ہیں۔ یعنی طوائفیں وغیرہ لیکن اس کے باوجود وہ اپنے معاشرے میں اصلاح کے لئے کوشاں ہیں۔

پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کرداروں کی تیسری تقسیم ہم نچلے طبقہ کی عورتوں کی کر سکتے ہیں جن میں اچھوت اور دیہاتی زندگی گذارنے والی یا گاؤں کے دوسرے طبقوں سے تعلق رکھنے والی عورتیں آتی ہیں پریم چند نے اپنے ناولوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں اس طبقہ کی عورتوں سے بھی بہت زیادہ کام لیا ہے۔ ان کے نچلے طبقہ کے بعض کردار تو عزفانی ہو چکے ہیں اور ان پر تفصیلی بحث آگے آئے گی۔ اس تیسرے حصے میں ہمکو، منیّ، جگو۔ سلونی۔ دھنیا۔ پنیا۔ سلیا۔ چوہیا۔ سونا۔ روپا۔ چھبیسا۔ مہارابن اور رہری وغیرہ کے کردار ملتے ہیں جو اپنے طبقے اور پیشے کے مطابق بہر صورت نمائندہ کردار کہے جا سکتے ہیں۔

پریم چند سے نسوانی کرداروں کے بارے میں نقادوں میں اختلاف رائے ہے بعض نقادوں کا خیال ہے کہ عورتوں کے کردار پیش کرنے میں پریم چند کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی۔ اور بعض لوگ ان کے عورتوں کے کرداروں کو مردوں کے کرداروں پر فوقیت دیتے ہیں۔

کشن پرشاد کول نے عورتوں کی کردار نگاری کے سلسلے میں پریم چند کو قدامت پرست کہا ہے اور ان کو ترقی پسندوں میں شمار نہیں کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ پریم چند نے عورتوں کا وہی معیار پیش کیا ہے جو کھیا گوت گیتا۔ پرانوں اور ہزاروں سال پہلے کی کتابوں ملتا ہے [۵]

یہ صحیح ہے کہ عام طور سے پریم چند کے یہاں عورتوں کا معیار کم و بیش یہی پیش کیا گیا ہے لیکن اس وقت عورتیں ان ہی نظریات کی حامل تھیں۔ اس لئے یہ پریم چند کی حقیقت نگاری تھی کہ انھوں نے عورتوں کی سچی تصویر پیش کی دوسرے ان کے ابتدائی ناولوں میں تو اس قسم کا معیار ضرور رہا ہے لیکن اس کے بعد ان کے یہاں عورت ایک دوسری شکل میں نظر آتی ہے۔ وہ رہبر ہے۔ وہ رہنما ہے۔ وہ ہر قسم کی جدوجہد میں مرد کے دوش بدوش ہے۔ اس جدوجہد میں وہ شوہر کے نظریات سے اختلاف بھی کرتی ہے۔ اور پابندی و سختی سے اپنے نظریے کی وکالت بھی کرتی ہے۔ وہ مذہبی مناقشوں اور دھرم کے نازک معاملوں میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیتی ہے اور مرد کی مخالفت کرتی ہے۔ وہ اچھوتوں

---

[۵] نیا ادب۔ کشن پرشاد کول صفحہ ۱۷۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے مسندروں میں داخلے کے معاملے میں ایک مجاہد کی طرح میدان میں آجاتی ہے۔ اور اچھوتوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے اپنے خاندان اور سماج کی تمام روائتوں کو توڑ دیتی ہے۔ اور جان کی بازی تک لگا دیتی ہے وہ مردوں کے ساتھ جیل جاتی ہے اور ملک کی تعمیر۔ سماجی اصلاح۔ بیوہ کی شادی وغیرہ کے مسائل میں دلچسپی لیتی ہے۔ اس لئے اگر ایک طرف پریم چند شوہر پرستی ہو جانے والی اور شوہر میں ایشور کا روپ دیکھنے والی عورتوں کا ذکر کرتے ہیں تو دوسری طرف انھوں نے ایسے بھی کردار پیش کئے ہیں جو صرف ترقی پسند رجحانات ہی نہیں بلکہ مردہ روایات کے لئے باغیانہ جذبہ جہد و عمل بھی رکھتے ہیں ایسی صورت میں یہ الزام کہ پریم چند کے یہاں "زنانہ کردار" صرف بھگوت گیتا اور پرانوں کے زمانے کے ہیں صحیح نہیں معلوم ہوتا ان کے یہاں عورت بیوی، بیٹی، اور ماں کی صورت میں خدمت و فا، ایثار و محبت جیسی اعلیٰ اقدار کی علامت ضرور ہے لیکن وہ مرد کے جابرانہ اقدار اور ظلم و جبر کے خلاف بغاوت بھی کرتی ہے ایسے مثبت کرداران کے ناولوں میں موجود ہیں۔ جو مظلوم منفی کردار ہیں وہ اس وقت کے ہندوستانی سماج میں عورت کی اصل حیثیت کا حقیقت پسندانہ اظہار ہیں۔ اس صورت حال کے خلاف پریم چند قارئین کے دلوں میں نفرت اور بیزاری پیدا کرتے ہیں اور عورت کی سماجی حیثیت کو بہتر بنانے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

پریم چند نے اپنے ناولوں میں مختلف سیاسی و سماجی مسائل اٹھائے ہیں۔ اور ان میں انھوں نے عورتوں سے بھی اسی قدر کام لیا ہے جتنا کہ مردوں سے۔ انھوں نے عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ وہ خود چونکہ اصلاح پسند تحریک سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اپنے عقائد اور نظریات عام طور پر اپنے ناولوں میں پیش کئے ہیں۔ بیوہ کی شادی کے وہ بہت سخت حامیوں میں سے تھے۔ اسی لئے انھوں نے اپنی دوسری شادی ایک بیوہ سے کی اور اپنی ناول نگاری کے ابتدائی دور میں ہی بیوہ پر ایک ناول لکھ کر ان مسائل اور بیوہ کی شادی کی اہمیت اور ضرورت کا لوگوں کو احساس دلایا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

اس میں شک نہیں کہ پریم چند کے نسوانی کردار بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اور ان کو پیش کرنے میں انھوں نے بڑی مہارت دکھائی ہے۔ شچی رانی گرگ نے پریم چند کے عورتوں کے کردار کا گورکی کے عورتوں کے کردار سے موازنہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

> "...... پریم چند کے بارے میں کچھ نقادوں کی رائے ہے کہ وہ عورتوں کی کردار نگاری میں کامیاب نہیں ہوئے لیکن ہمیں تو لگتا ہے کہ بھارتیہ جیون میں عورتوں کے جذبات طور و طریق اس کی طاقت اور کمزوری اور کردار کی بلندی اور پستی کی جتنی نفسیاتی عکاسی پریم چند نے کی ہے۔ وہ گورکی سے کہیں زیادہ ہے۔" [1]

پریم چند کی کردار نگاری کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے عورتوں کے کردار کے کسی نفسیاتی گوشے کو تشنہ نہیں چھوڑا۔ سید مقبول حسین نے پریم چند کے نسوانی کرداروں کا مقابلہ میری کوریلی کی سیبل (سنہ ۱۸۷۷ء) اور ہالکن کی میرتی سے کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ پریم چند کے ناولوں میں عورتوں کے کردار مردوں کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتے ہیں [2]

---

[1] پریم چند اور گورکی ــــ شچی رانی گرگ "مقدمہ"
[2] زمانہ کانپور پریم چند نمبر ص ۲۴۲

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تیسرا باب

- مشترکہ خاندان میں عورت کی حیثیت ۔
- پریم چند کے ناولوں میں مشترکہ خاندان کا مسئلہ
- ہندو سماج میں بیوہ
- پریم چند کے ناول ، ہم خرما و ہم ثواب ، بیوہ ، جلوۂ ایثار اور غبن میں بیوہ کے مسائل ۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مشترکہ خاندان کا مسئلہ ہندوستانی سماج میں ایک عرصہ سے بحث کا موضوع رہا ہے۔ مختلف لوگوں نے اس کی خامیوں اور خوبیوں پر روشنی ڈالی ہے۔ بعض اس کے موافق اور بعض سخت مخالف ہیں لیکن اس مخالفت کے باوجود اسے ختم نہیں کیا جا سکا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں خامیوں کے ساتھ ساتھ کچھ خوبیاں بھی ضرور ہیں۔

پریم چند نے بھی مشترکہ خاندان کے مسائل پر وقتاً فوقتاً قلم اٹھایا ہے اور بعض ناولوں میں تفصیل سے اس مسئلہ کو پیش کیا ہے۔ پریم چند کے ناولوں میں سماجی محرکات اور اصلاحی تحریکات کا مطالعہ کرتے وقت دوسرے مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی اہم صورت میں سامنے آتا ہے۔ یہاں مشترکہ خاندان کے معنی بتانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کے کردار کو سمجھنا ضروری ہے۔ مشترکہ خاندان کی پہلی صفت یہ ہے کہ اس میں حکم خاندان کے سب سے بڑے بزرگ کا چلتا ہے۔ اس کے فیصلہ کے سامنے کسی کو بولنے کا حق نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر کسی کو کوئی حق ہے تو اس کی بیوی کو اس سے ظاہر ہے کہ مشترکہ خاندان کا ڈھانچہ شخصی ہوتا ہے۔ مشترکہ خاندان میں عورت کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوتی اسے ایک بے اجرت خادمہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کو وہ سماجی حقوق بھی نہیں ملتے جو عام طور پر ایک عورت کو ملنے چاہیئے۔ کیلاش ناتھ شرما نے لکھا ہے کہ :-

"مشترکہ خاندان میں سب سے بڑے آدمی کا حکم چلتا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے اس کا ہر فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ جس کا قبول کرنا سب کے لیے ضروری ہوتا ہے...... لڑکیوں کی جگہ ہندو مشترکہ خاندان میں صرف ایک ایسے زیور کی ہے جو مہاجن کے پاس گروی کر دیا گیا ہو اور جسے اس کو اصلی مالک کو واپس کرنا ہو۔ جس طرح مہاجن کو اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ اسی طرح مشترکہ خاندان میں عورتوں کو بھی کوئی حق نہیں حاصل ہے۔ ان کی اقتصادی ضروریات دوسروں پر منحصر ہوتی ہیں۔ بیوہ بھی اپنے شوہر کی جائداد میں حصہ پانے کا دعوہ نہیں کر سکتی عورتوں کے فرائض میں خاندان اور شوہر کی خدمت کرنا اس کے سکھوں کا خیال رکھنا۔ اور بچوں کو پیدا کرنا ہے ساس بھی بہو کے آنے پر یہ سمجھتی ہے کہ اسے ایک لونڈی مل گئی۔ خاندان کے دوسرے افراد بھی اس کو اسی نگاہ سے دیکھتے ہیں" ٥٢

ایسے خاندان میں بیاہ کر آئی ہوئی عورت کو شوہر کے علاوہ اس خاندان کے تمام افراد کی خوشی کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ خاندان کے سربراہ کا جا و بے جا حکم ماننا اس کا دھرم ہوتا ہے۔ اس کی خوشی یا اس کے جذبات کا کوئی خیال کرے یا نہ کرے لیکن اسے ہر ایک کا خیال کرنا پڑتا ہے کبھی کبھی بعض خاندانوں میں چھوٹے چھوٹے معاملات پر جھگڑے بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف منفرد خاندان میں اس طرح کے مسلے نہیں ہوتے۔ ان میں عورت نسبتاً آزاد فضا میں سانس لیتی ہے وہ اپنے گھر کی مالک ہوتی ہے اس لئے اس کی انا اور خود اختیاری کے جذبے کو صدمہ نہیں پہنچتا۔

مشترکہ خاندان میں لڑکے کی بہت زیادہ اہمیت ہوتی ہے۔ یوں تو ہندو مذہب کے مطابق مرد کو عورت پر ہمیشہ فوقیت حاصل ہے۔ لیکن یہ فوقیت مشترکہ خاندان میں کچھ اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے کہ باپ کے مرنے کے بعد کل دولت اور

---

٥٢ بھارتیہ سماج اور سنسکرت (ہندی) کیلاش ناتھ شرما صفحہ ١٩٣

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ساری ملکیت کا مالک اور وارث وہی ہوتا ہے۔ اسی کو باپ کی آخری رسوم (سنسکار) ادا کرنے کا حق ہے۔ ماں کا درجہ بھی قابلِ احترام ہے۔ لیکن صرف احترام کی حد تک ــــ خاندانی حقوق کے معاملہ میں اس کی حیثیت دوسری عورتوں ہی کی طرح ہے۔

مشترکہ خاندان میں بعض اچھائیاں بھی ہیں۔ اس کی وجہ سے خاندان کی وحدت باقی رہتی ہے دوسرے خاندان کے وہ افراد جو کمزور اور بوڑھے اور بیمار ہوں یا کسی وجہ سے کام کے لائق نہ ہوں ــــ تو مشترکہ خاندان میں ان کی دیکھ بھال علاج معالجے کا خیال رکھا جاتا ہے ایک شکل میں وہ بوڑھوں ناداروں اور بے سہارا بچّوں کے لئے پناہ گاہ ہے۔

مشترکہ خاندان میں عام طور پر بیویوں کی حیثیت زیادہ قابلِ اطمینان نہیں ہوتی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ مشترکہ خاندان میں ان کی اپنی انفرادیت نہیں ہوتی اور نہ ان کی ذاتی دلچسپی کا کوئی خیال رکھا جاتا ہے۔ بیویاں گھر کی بہوئیں ہوتی ہیں اس لئے ان کا یہ فرض ہے کہ وہ گھر کے تمام کام انجام دیں۔ ساس اور سسر کی خدمت کریں اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کریں۔ ایسی صورت میں نئی بیاہ کر آنے والی لڑکیاں کچھ ہی دن میں مشترکہ خاندان کی ان سخت گیریوں سے پریشان ہو جاتی ہیں اور جلد ہی ان کے تعلقات خاندان کے دوسرے لوگوں سے بگڑنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس نفاق کو بعض مرتبہ نظریاتی اختلافات بھی ہوا دیتے ہیں۔ اور اس کے باوجود کہ شوہر بھی اُن نظریات کو درست سمجھتا ہو وہ کچھ کر نہیں پاتا کیونکہ خاندان کے سربراہ کے آگے کسی کی بات کی سنوائی نہیں ہوتی۔ اور اور اس کا ہر فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں آپس میں بد دلی اور علیحدگی پسندی کا رجحان بڑھتا ہے۔

پریم چند نے ایک اچھے نباض کی حیثیت سے سماج کی ان خرابیوں کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعض ناولوں میں اس مسلہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ انھوں نے پورے طور پر مشترکہ خاندان کی مخالفت کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مخالفت زیادہ شدید اس لئے بھی ہو کہ پریم چند کو ذاتی طور پر بھی مشترکہ خاندان کا تلخ تجربہ تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ان کی پہلی بیوی کی علیحدگی کی اصل وجہ ان کا مشترکہ خاندان تھا۔ اس خاندان میں وہ اپنی سوتیلی ماں (چاچی) کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اور وہ ساس بہو ہر وقت آپس میں لڑا کرتی تھیں جس کی بنا پر وہ اپنے میکے واپس چلی گئیں۔ پریم چند نے خود دوسری شادی کے بعد اپنی پہلی بیوی کا ذکر کرتے ہوئے شیو رانی دیوی سے کہا تھا کہ اگر چاچی نہ ہوتیں تو شائد ہم دونوں کی آپس میں نبھ جاتی۔ [1]

مشترکہ خاندان میں پیدا ہونے والے عورت کے دوسرے مسائل پر وقتاً فوقتاً پریم چند نے اپنی ناولوں میں اظہار خیال کیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ "غبن" میں رتن کا کردار مشترکہ خاندان کی لعنتوں کا شکار بنتا ہے۔ غبن کا اصل موضوع زیورات ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی مشترکہ خاندان کے مسئلے کے تحت رتن کا کردار ابھر کر سامنے آتا ہے۔ رتن کے ماں باپ صرف دولت کے لالچ میں اس کی شادی ایک دولتمند بوڑھے وکیل سے کر دیتے ہیں۔ رتن اس المیہ کو برداشت کرتی ہے اور اپنے کو ایک مثالی ہندو عورت بنانے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن وکیل صاحب کے انتقال کے بعد اس کی دنیا بدل جاتی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وکیل صاحب کے بعد ان کے مکان اور مال و متاع کی مالک وہ خود ہوگی۔ لیکن وکیل صاحب چونکہ مشترکہ خاندان کے ایک فرد تھے۔ اس لئے ان کے کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ساری ملکیت اور جائیداد بھتیجوں کو مل جاتی ہے اور رتن جو گھر کی مالکن تھی ان لوگوں کی دست نگر ہو کر رہ جاتی ہے اس کو اس بات کا احساس بھی نہیں تھا کہ کسی وقت وکیل صاحب کے بھتیجوں سے اس کو تکلیف پہنچ سکتی ہے اور اسی لئے جب منی بھوشن نے اس سے بنگلہ خالی کرنے کو کہا تو وہ بہت بگڑی۔ وہ وکیل صاحب کی ملکیت کو اپنی ملکیت سمجھتی تھی۔ لیکن منی بھوشن کے ایک ہی جملے نے ساری حقیقت واضح کر دی اس نے کہا۔

"آپ کا اس گھر پر اور چچا صاحب کی جائداد پر کوئی حق

---

[1] پریم چند۔ ہنس راج رہبر بار دوم صفحہ ۱۳۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہیں یہ میری ملکیت ہے آپ مجھ سے صرف گذارہ کا دعوا کر سکتی ہیں۔ ۵۱

یہ مشترکہ خاندان کا قانون تھا کہ عورت کا شوہر کی ملکیت میں کوئی حق نہیں ہے۔ اس کے مرنے کے بعد وہ وارثوں سے صرف گذارہ کا دعوہ کر سکتی ہے۔ یا دوسری شکل میں وہ خاندان گھر کی خادمہ بن کر زندگی گذار سکتی ہے۔ منی بھوشن اس کو صاف الفاظ میں مشترکہ خاندان کے اصول سمجھاتے ہوئے کہتا ہے۔

"آپ تو پڑھی لکھی۔ ایک بڑے وکیل کی بیوی تھیں۔ قانون کی بہت سی باتیں جانتی ہوں گی۔ مشترکہ خاندان کی بیوہ کا شوہر کی جائداد پر کوئی حق نہیں ہوتا" ۵۲

رتن یہ سوچ کر کہ جب اس کو خادمہ ہی کی طرح زندگی گذارنی ہے تو اس گھر میں کیوں رہے وہ کہیں بھی محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پال سکتی ہے۔ گھر سے نکلنے کا ارادہ کرتی ہے۔ منی بھوشن اس کو روکتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر آپ کی مرضی نہ ہو تو میں کچھ دن یہ بنگلہ نہ بیچوں۔ لیکن رتن نے اب زیادہ دیر اس گھر میں رکنا بہتر نہیں سمجھا اس نے اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اور آنسوؤں کے سیلاب کو روکتے ہوئے کہا کہ :-

"میں نے کہہ دیا اس گھر کی کسی چیز پر میرا دعویٰ نہیں میں کرایہ کی لونڈی تھی۔ لونڈی کا گھر سے کیا تعلق نہ جانے کس پاپی نے یہ قانون بنایا تھا۔ اگر ایشور نہیں ہے اور اس کے یہاں انصاف ہوتا تو ایک دن اسی کے سامنے اس پاپی سے پوچھوں گی کیا تیرے گھر میں ماں بہن نہ تھیں تجھے ان کی توہین کرتے شرم نہ آئی۔ اگر میری زبان میں اتنی طاقت ہوتی کہ اس کی آواز سارے ملک میں پہنچ سکتی تو میں اپنی

---

۵۱ غبن - پریم چند صفحہ ۲۹۶
۵۲ " " صفحہ ۲۹۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بہنوں سے کہتی۔ بہنوں کسی مشترکہ خاندان میں شادی مت کرنا اور
اگر کرنا تو جب تک اپنا گھر الگ نہ بنا لینا آرام کی نیند نہ سونا خاندان
تمھارے لئے پھولوں کی سیج نہیں کانٹوں کا بستر ہے۔ تمھیں پار
لے جانے والی کشتی نہیں۔ تمھیں نگل جانے والا جانور ہے" ؎۱

اس طرح رتن کے الفاظ میں پریم چند کھلم کھلا مشترکہ خاندان کی مخالفت کرتے ہیں۔ مشترکہ خاندان نے ہمارے سماج میں صرف یہی نہیں کہ بیوہ عورتوں کو کوئی حق نہ دیا ہو بلکہ دوسرے مسلے بھی پیدا کئے ہیں کم عمری کی شادی کو بھی مشترکہ خاندان کی وجہ سے زیادہ ترقی ملی۔

مشترکہ خاندان کے محبوب پر پریم چند نے غبن سے پہلے گوشۂ عافیت میں بھی اظہار خیال کیا ہے۔ گوشہ عافیت میں جو خاندان ہمارے سامنے آتا ہے اس میں لڑائی کی بنیاد مشترکہ خاندان ہی ہے۔ اس میں ایک فرد کثیر الاولاد ہے۔ اور ایک کی بیوی تیز مزاج اس طرح آپس میں لڑائی کچھ تو عورتوں کی وجہ سے ہوتی ہے اور کچھ اخراجات کے مسلے پر اس ناول میں پریم چند نے مشترکہ خاندان کے مسلے کو اس طرح پیش کیا ہے کہ لکھن پور کے زمیندار کے مرنے کے بعد ان کے لڑکے گیان شنکر کو ان کے بھائی پربھا شنکر کا رہنا بار ہونے لگا وہ سمجھتا ہے کہ ہمارے حصے کا روپیہ پربھا شنکر خرچ کر رہے ہیں ان کا خرچ زیادہ ہے اور گیان شنکر کا کم۔ گیان شنکر کے ذمہ ان کی بیوی اور ایک بچہ اور ایک بھابی کا خرچ تھا۔ اور پربھا کر شنکر کے بیوی کے علاوہ دو لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ پربھا شنکر بذات خود بہت نیک اور سمجھدار آدمی تھے۔ اسی لئے گیان شنکر کی زیادتیوں کو ہمیشہ نظر انداز کر جاتے تھے۔ لیکن پربھا شنکر کی بیوی خاموش رہنے والی عورت نہیں تھی۔ وہ کھری کھری سناتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب پربھا شنکر کا لڑکا رشوت لینے کے الزام

؎۱ غبن پریم چند صفحہ ۳۰۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پھنسا تو گیان شنکر نے اس کی سفارش کرنے سے انکار کر دیا۔ اس طرح دل میں بیٹھا ہوا ذرا سا میل بڑے جھگڑوں کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اور پھر یا تو مشترکہ خاندان ٹوٹ جاتے ہیں اور بٹوارہ ہو جاتا ہے یا پھر کسی ایک کو دب کر رہنا پڑتا ہے۔

مشترکہ خاندان سے پیدا ہونے والے جھگڑے پریم چند کے ناول "گئودان" میں بھی ملتے ہیں۔ گئودان کا خاکہ بہت وسیع ہے اس میں ہندوستان کے سب ہی طبقہ کے لوگ چلتے پھرتے مل جاتے ہیں۔ اب تک جن ناولوں میں پریم چند نے مشترکہ خاندان کے مسئلہ کو چھیڑا تھا۔ ان میں انھوں نے اس کے لئے اوسط اور ادنیٰ اوسط درجے کے خاندان کا انتخاب کیا تھا لیکن گئودان میں انھوں نے اس کے لئے ادنیٰ درجہ کا ایک خاندان چنا۔ یہ معمولی درجے کے کسان کا ایک خاندان ہے باپ کے مرنے کے بعد اس کا بڑا لڑکا ہوری حسب دستور خاندان کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس کی بیوی دھنیا اور وہ خود ملکر اپنے چھوٹے بھائی ہیرا اور شوبھا کی پرورش کرتے ہیں اور ان کے بڑے ہو جانے پر گھر کی تقسیم کر دیتے ہیں۔ تاکہ بعد میں کوئی جھگڑا نہ ہو۔ لیکن جب ہوری اپنی دیرینہ آرزو پوری کرنے کے لئے کسی نہ کسی طرح ایک گائے لے آتا ہے۔ تو ہیرا یہ سمجھتا ہے کہ ہوری نے اس کے ساتھ بٹوارے میں بے ایمانی کی ہے اور اس نے باپ کی چھوڑی ہوئی رقم میں سے روپیہ چرا کر ہی گائے خریدی ہے اور اسی لیے دشمنی میں وہ گائے کو زہر دے دیتا ہے۔ اس خاندان میں پریشانیوں کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔

ان جائزے کے پیش نظر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ پریم چند نے کسی نہ کسی طرح سماجی عیوب پر اپنے ناولوں میں نشتر زنی کی ہے۔ وہ مشترکہ خاندان کو سماج کے لئے ایک عیب سمجھتے تھے اسی لئے جگہ جگہ پر اس کی خامیاں ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن رتن جیسی عورتیں مشترکہ خاندان کے خلاف باغیانہ جذبے رکھتی ہیں۔ تو کہیں دھنیا اور ہوری کا حشر ہم کو مشترکہ خاندان کے خلاف ایک خاموش سبق دے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاتا ہے۔

مشترکہ خاندان میں مختلف رشتوں کی کڑیاں ایک دوسرے سے اس طرح جڑی ہوتی ہیں کہ کبھی وہ اختلاف اور جھگڑوں کا سبب بنتی ہیں اور کبھی ایک دوسرے کو سہارا دیتی ہیں اس سلسلے میں بیوہ کی حیثیت البتہ کچھ عجیب ہو جاتی ہے کیونکہ ایک لحاظ سے اس کے سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور وہ گھر میں بالکل تنہا رہ جاتی ہے۔ وہ ایک طرف سماجی مسئلہ بن جاتی ہے اور دوسری طرف جذباتی اور جنسی کیونکہ اپنی عمر کے لحاظ سے وہ مختلف لوگوں کی توجہ کا مرکز بن سکتی ہے یا بہت زیادہ ضعیف ہو جانے کے بعد خاندان پر ایک بوجھ قرار دی جا سکتی ہے ــــ اس طرح بیوہ کا مسئلہ مشترکہ خاندان میں ہمیشہ سے ایک اہم مسئلہ رہا ہے۔

دنیا کی سماجی تاریخ پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو عورتوں کے بہت سے مسائل کے ساتھ بیوہ کا مسئلہ زیادہ اہم صورت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ دنیا کے تمام ممالک نے اپنے اپنے طور پر اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیوہ کی شادی کے سلسلے میں جو کراہیت محسوس کی جاتی تھی اس کو مغربی ممالک اور کچھ دوسرے ملکوں میں ختم کر کے انھیں برابر کا درجہ دیا گیا ہے۔

اور ان کی شادیوں کو اسی طرح قابل قبول قرار دیا ہے جس طرح دوسری عورتوں کی شادی ہوتی ہے۔ اسلامی قوانین نے بھی ان کے ساتھ برابری کا سلوک کیا۔ انگلینڈ اور یورپ میں تو بیوہ کی شادی عام ہو گئی ہے اور عورت کو یہ بھی حق ہے کہ نا اتفاقی کی صورت میں مرد سے علیحدگی اختیار کر کے کسی وقت بھی دوسری شادی کر لے۔ لیکن ہندوستان ان ملکوں کے مقابلہ میں ابھی بہت پچھڑا ہوا ہے۔

راجہ رام موہن رائے سے لے کر گاندھی جی تک اس کا سلسلہ بہت پہلے شروع ہو چکا تھا۔ جتنے مصلحین نے ہندو سماج میں اصلاح کی تحریکیں چلائیں سب نے اس مسئلے پر کافی زور دیا۔ اس مسئلے کا حل صرف ایک تھا کہ عورت اور مرد کو مساوی حقوق دیے جائیں۔ جب تک ان میں مساوات نہیں ہو گی اس پر عمل ممکن نہیں ہو گا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مہاتما گاندھی نے لکھا ہے کہ :

"مرد اور عورتیں مرتبہ میں برابر ہیں وہ ایک ایسا لاثانی جوڑ ہیں جو ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے وجود کے بغیر دوسرے کے وجود پر غور نہیں کیا جا سکتا اس لئے ضروری ہے کہ اگر کسی کے حقوق کی حق تلفی ہو یا کسی کی حیثیت کم کر دی جائے تو وہ دونوں کی تباہی کا برابر سبب ہوگا۔" [1]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سماج میں اِن خرابیوں کی اصل جڑ عدم مساوات ہے اگر لوگ دونوں جنسوں کے حقوق کی حفاظت کریں اور انھیں برابر کا مرتبہ دیں تو سماج کی بہت سی برائیاں ختم ہو جائیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ قدیم ہندوستان میں بیوہ عورتوں کی شادی کا رواج تھا۔ لیکن "مہاکاویہ" کے زمانہ میں اس پر بھی پابندی لگ گئی۔ کیلاش ناتھ شرما نے لکھا ہے کہ مہاکادیہ کے کال میں دو حالتوں میں بیوہ کی شادی کی اجازت تھی ایک تو اس کی جس کا شوہر بچپن میں مر جائے۔ اور وہ سسرال نہ گئی ہو یعنی بال ودھوا۔ دوسرے وہ عورت جس کو کوئی زبردستی بغیر شادی کے بھگالے گیا ہو۔ [2]

لیکن یہ بات بھی کچھ ہی دنوں تک رہی اس کے بعد اس پر بھی پابندی ہو گئی۔ ہندو سماج میں یہ پابندی برہمنوں کے عروج کے ساتھ آئی۔ اس پابندی نے سماج میں عورت کی حیثیت کو تقریباً ختم کر دیا۔ بچپن کی شادیوں نے بیواؤں کی تعداد میں اضافہ کر دیا۔ شوہر کے انتقال کے بعد ان بدنصیبوں کے لیے کہیں ٹھکانہ نہیں تھا اس لئے کہ شوہر کی موت اِن کی بدقسمتی قرار دی جاتی تھی۔ اور اس بدقسمتی کو دور کرنے کے لئے بیوہ عورتوں کو شوہر کے ساتھ زندہ جلا دیا

---

[1] M.K.GANDHI, 'WOMEN AND SOCIAL INJUSTICE' Page 6

[2] بھارتیہ سماج اور سنسکرت (ہندی)، کیلاش ناتھ شرما ص ۱۴۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاتا تھا۔

شوہر کے ساتھ جلنے والی عورتوں میں شائد ہی کچھ ایسی عورتیں ہوں جو مذہبی جوش و عقیدت اور نروان کی پرمسرت زندگی کے تصور میں بخوشی جان دینا گوارا کر لیتی ہوں ورنہ زیادہ تر تعداد دو قسم کی عورتوں کی ہوتی تھی ایک وہ جو بیوہ کی تکلیف دہ زندگی دیکھ کر اس پر موت کو ترجیح دینا پسند کرتی تھیں۔ اور دوسری وہ جن کو بدنصیب سمجھ کر لوگ زبردستی چتا پر ڈال دیتے تھے۔ اور اس کے شور ہنگامے سے بچنے کے لئے اس کو افیم یا کوئی اور نشہ آور چیز پلا دیتے تھے۔ اور آگ لگانے کے بعد خود نعرے لگا کر اس کے چیخنے چلانے کو شور و غل میں دبا دیتے تھے۔ ڈاکٹر جعفر حسن نے لکھا ہے کہ :۔

"..... بسا اوقات بیوہ کو دھوکے یا جبر سے مجبور کیا جاتا تھا کہ کہ وہ ستی ہو جائے اور محض اس لئے کہ وہ عین وقت پر موت کے ڈر سے اپنی رائے بدل نہ دے اسے افیون وغیرہ کے ذریعہ غنودگی کے عالم میں مرگھٹ تک پہنچا دیا جاتا تھا اور آگ کی تکلیف سے بلند ہونے والی چیخوں کو بھلانے یا ستی ان ستی کرنے کے لئے مختلف نعرے لگائے جاتے تھے جس میں زیادہ عام "ستی ماتا کی جے" کا نعرہ ہوتا تھا" [1]

اس کے علاوہ بہت سی عورتیں آگ میں جل کر مر جانے کی تھوڑی دیر کی تکلیف کو زندگی بھر کی تکلیفوں بھوک۔ طعن و تشنیع کی آگ میں جل جل کر مرنے سے بہتر سمجھتی تھیں۔ چونکہ بیوہ عورت کی سماج میں کوئی عزت نہیں تھی اس لئے اس کے زندہ رہنے کے دو ہی راستے تھے یا تو وہ گھروں میں ملازماؤں کا کام کرے یا قحبہ خانہ کی رونق بن جائے۔ دوسری شادی کی مذہب کی طرف سے اجازت نہیں تھی

---

[1] ہندوستانی سماجیات۔ ڈاکٹر جعفر حسن صفحہ ۵۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شادی بیاہ کے موقعوں پر بیوہ کو بدشگونی سمجھا جاتا تھا۔ اس معاشی اور معاشرتی مسلہ کے ساتھ جنسی مسلہ بھی تھا۔ ساری عمر نفس سے جہاد کرنا مشکل تھا۔ اس لئے طوائف بن کر اپنے خیال کے مطابق وہ جینے کا ایک راستہ تلاش کر لیتی تھیں۔

شروع میں ذکر آ چکا ہے کہ بچپن کی شادی نے ہندوستان میں بیواؤں کی تعداد بہت بڑھا دی ہے۔ مشہور جرمن ماہر جنسیات میگنس ہرش فیلڈ کا خیال ہے کہ ہندوستان میں عام طور پر کم عمر کی بیوائیں ہیں اور خصوصیت کے ساتھ وہ عورتیں جو قحبہ خانوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ تقریباً سب بچپن کی بیوہ ہیں اس نے اپنے دورے کے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ہندوستان میں بیواؤں کی زندگی بڑی ذلت آمیز ہے اور چونکہ ہندوستانی لڑکیوں کی نسبت اور شادی بہت زیادہ کم عمری میں ہو جاتی ہے۔ اس لئے کم عمر بیواؤں کی تعداد بھی بہت ہے۔ وہ لڑکیاں بھی بیواؤں میں ہی شمار ہوتی ہیں جن کے منگیتر کا انتقال منگنی کے بعد ہو جاتا ہے۔ اس وقت ان بیواؤں کی تعداد جن کی عمر پانچ سال اور اس سے کم ہے تقریباً پندرہ ہزار ہے۔"[ا]

ان اعداد و شمار سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ہندوستان میں بیوہ کا مسلہ کس قدر غیر معمولی ہے۔ اس مسلے نے زیادہ خراب صورت اس لئے اور اختیار کر لی کہ ہمارے ملک میں عورت اقتصادی طور پر مرد کی دست نگر ہے۔ اگر مغربی ممالک کی طرح یہاں بھی عورتیں خود کفیل ہوتیں تو بیواؤں کی ذلت آمیز اور گری ہوئی زندگی نہ گزارنی پڑتی۔ بلکہ شوہر کے مرنے کے بعد وہ باعزت اور اچھی زندگی گذارنے کے لئے خود کام کر سکتی تھیں۔

کیلاش ناتھ شرما نے لکھا ہے کہ "برہمنوں نے عورت کی شادی کو کنیادان

[ا] M. HURSCHFELD, 'WOMEN EAST AND WEST' Page 167

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کا نام صرف اسی لئے دیا کہ شوہر کے انتقال کے بعد وہ دوسری شادی نہ کرسکے۔
اس لئے کہ جس کو ایک بار دان میں دے دیا جائے۔ اس کا دوبارہ دان نہیں ہو سکتا۔[۵۱]
مذہب کی اندھی تقلید کرنے والوں کو یہ سمجھایا گیا کہ یہ عورت کی بدقسمتی
ہوتی ہے جس کی بنا پر بھگوان اس کے شوہر کو اس سے الگ کر لیتا ہے۔ اگر کوئی
دوسرا شخص بیوہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ بدقسمتی اس کو بھی نقصان
پہنچائے گی۔

ان بندشوں اور غلط باتوں کی وجہ سے بیواؤں کو مجبوراً گزارنی پڑتی
تھی۔ معاشی ضروریات اور نفسانی خواہشات ان کو کجروی اور گمراہی کے راستے پر
ڈال دیتی تھی۔ کیلاش ناتھ شرما نے لکھا ہے کہ:

" مذہبی پابندی سے بیوائیں شادی نہیں کر سکتی تھیں
مگر کسی نہ کسی طرح اس قسم کے تعلقات ہو جاتے تھے جنھیں سماج
میں غلط کہا گیا ہے "[۵۲]

ہندو بیواؤں کی طرح مسلمان بیواؤں کی حالت بھی گری ہوئی ہے گو کہ مذہبی
اور شرعی اعتبار سے انھیں ہندو بیواؤں کے مقابلہ میں بہت سی آزادیاں حاصل
ہیں لیکن سماج نے انھیں ان آزادیوں کے استعمال سے محروم کر رکھا ہے۔

مسلمانوں میں بھی کم عمری میں شادی کا رواج تھا۔ لیکن جس بات نے مسلمان
بیواؤں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ وہ تعدد ازدواج تھا۔ چار شادیوں کی اجازت
کی وجہ سے ایک مرد کے انتقال کی صورت میں کئی عورتوں کو بیوگی کی زندگی گزارنی
پڑتی تھی۔ مسلمانوں میں عورت کو شوہر کی جائداد میں حق اور دوسری شادی کی اجازت
ضرور تھی۔ لیکن سماجی پابندیوں کی وجہ سے دوسری شادی مشکل سے ہوتی تھی۔

---

۵۱ بھارتیہ سماج اور سنسکرت۔ کیلاش ناتھ شرما صفحہ ۱۸۰
۵۲ بھارتیہ سماج اور سنسکرت (ہندی) کیلاش ناتھ شرما صفحہ ۱۸۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس جائزے سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ بیوہ کے مسائل ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دونوں کے یہاں قریب قریب یکساں ہیں۔ انھیں مذہبی طور پر جو آزادی اور حقوق ملے ہیں۔ سماجی رکاوٹیں ان کے استعمال میں حائل رہتی ہیں۔ اس طرح ان کی حالت سماجی اور اقتصادی طور پر درست نہیں ہونے پاتی۔

اٹھارھویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں عورتوں کی اصلاح کے سلسلے میں بہت سی تحریکیں چلیں۔ اُن تحریکوں میں جہاں ان کی آزادی اور دوسرے حقوق کی تحفظ کی کوشش کی گئی وہیں بیوہ کے مسائل کو بھی حل کرنے کی کوشش کی گئی اور ان کے لئے آشرم کھولے گئے۔ ان کی تعلیم کا بندوبست بھی ہوا۔ انڈین نیشنل سوشل کانفرنس نے بیواؤں اور دوسری عورتوں کی ترقی اور ان کی زندگی کے سدھار کی بہت زیادہ کوشش کی بیوہ کے مسائل اور عورتوں کی اصلاح میں صرف مصلحین اور لیڈران وطن ہی نہیں شریک تھے بلکہ ادیبوں نے بھی اس مسلے پر وقتاً فوقتاً لکھا ہے اور اپنے قلم کے نشتروں سے سماجی عیوب کے بخیے ادھیڑے خصوصیت کے ساتھ پریم چند نے بیوہ اور دوسری عورتوں کے مسائل پر کافی لکھا ہے۔ ان کی ناول نگاری کی ابتدا ۱۸۹۶ء میں ہوئی جس وقت کہ یہ تمام اصلاحی تحریکیں اپنے عروج پر تھیں۔

اپنے ابتدائی ناول اسرار معابد (اسرار محبت) میں اگرچہ پریم چند نے بیوگی کے مسلہ سے بحث نہیں کی ہے لیکن عورتوں کی زندگی میں جو عدم توازن تھا۔ اس کا ذکر ضرور کیا ہے۔ بدقسمتی سے ان کے دوسرے ابتدائی ناولوں کے متعلق ہماری معلومات بہت کم ہے۔ کوئی "ہم خرما وہم ثواب"، "پرتگیا"، اور "پریما"، کو ایک ہی چیز بتاتا ہے جیسے رام رتن بھٹناگر [۵۱] کوئی "پریما"، کو "ہم خرما وہم ثواب"، کا ہندی ترجمہ بتاتا ہے جیسے پیارے لال شاکر میرٹھی [۵۲]

---

۵۱ بحوالہ پریم چند کا تنقیدی مطالعہ قمر رئیس صفحہ ۱۵۶

۵۲ زمانہ کانپور پریم چند نمبر صفحہ ۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کوئی بیوہ کو انھیں ناولوں کی ترقی یافتہ شکل کہتا ہے۔ اس لئے یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ کونسا ناول پہلے لکھا گیا۔ اور کون بعد میں لیکن یہ یقین سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ بیوہ کا مسئلہ ان کے ذہن پر برابر چھایا رہا اور وہ اس کے حل کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔ اسی لئے ان کی ابتدائی ناول "ہم خرما و ہم ثواب" میں بھی بیوہ ہی کا مسئلہ ملتا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پریم چند کی ناول نگاری کے ابتدائی محرکات عورت اور بیوہ کے مسائل ہی تھے۔

ہم خرما و ہم ثواب ان کا ابتدائی ناول ہونے کی وجہ سے فنی اعتبار سے کمزور ناول ہے اس میں پلاٹ اور کردار نگاری دونوں ہی کم تر درجہ کی ہیں لیکن عورتوں اور بالخصوص بیوہ کے مسئلے کے سلسلے میں ناول بہت اہم ہے جن لوگوں نے اس ناول کی کمزوری پر اعتراض کئے ہیں انھوں نے صرف اس کے فن کردار نگاری اور مکالموں کو ہی دیکھا ہے ان مسائل کو نہیں دیکھا جو یہاں بار بار پیش کئے گئے ہیں۔ پریم چند نے بیوہ کے مسئلے پر اس کے بعد "بیوہ" ہی کے نام سے پورا ناول لکھا جسے ہم خرما و ہم ثواب "کی بہترین شکل کہا جاتا ہے ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کا اور بیوہ کا موضوع ہی ایک نہیں ہے بلکہ کرداروں کے نام بھی ایک ہی ہیں اس میں شک نہیں کہ بیوہ میں پریم چند کی کردار نگاری، پلاٹ اور (TREATMEMT) ساری چیزیں ہم خرما و ہم ثواب کے مقابلے میں بہتر درجہ کی ہیں لیکن اگر بیوہ کے مسئلے کے لحاظ سے دونوں ناولوں کا مقابلہ کیا جائے تو ہم خرما ہم ثواب بیوہ سے بہتر ہوگا۔

ہم خرما و ہم ثواب ایک نوجوان وکیل امرت رائے کی کہانی ہے جو پریما سے محبت کرتا ہے لیکن اس کی شادی پریما سے صرف اس لئے نہیں ہو پاتی کہ اس نے سناتن دھرمی عقیدے کو ترک کر دیا ہے اور آریا سماجی ہو گیا ہے وہ سماجی و مذہبی اصلاح میں بڑی شدت سے حصہ لیتا ہے اور پریما کو بھولنے کی کوشش کرتا ہے اسی درمیان اس کے جاننے والے بسنت کمار کا انتقال ہو گیا جس کی بیوہ پورنا کی اس نے بہت مدد کی پورنا پریما کی سہیلی بھی ہے اور اس کے مکان کے برابر رہتی ہے۔ پریما نے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ضد کرکے پورنا کو سر منڈانے اور بیوگی کی دوسری رسموں کے کرنے سے باز رکھا گو کہ اس پر محلے کی عورتوں نے بڑی لعن طعن کی۔ پورنا خاموشی سے گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہی تھی پریما کے والد پریما کے ساتھ امرت رائے کے رشتے سے انکار کر ہی چکے اس لئے امرت رائے پورنا سے شادی کرنا طے کرتا ہے اور پورنا کو خط لکھتا ہے پہلے وہ اس پر رضامند نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ سوچتی ہے کہ یہ شادی جائز بھی ہو گی یا نہیں۔ پھر برہمنی کی شادی کھتری سے کیسے ہو گی۔ لیکن آخر میں وہ تیار ہو جاتی ہے اس شادی کے ارادے کا جب لوگوں کو علم ہوتا ہے تو وہ اسے ادھرم'' اور ہندو تہذیب کی بے حرمتی قرار دیتے ہیں شادی کے دن بھی بڑا ہنگامہ ہوتا ہے لیکن ! فوج اور پولیس، کی مدد سے آخر شادی ہو جاتی ہے۔

امرت رائے کو پورنا سے شادی کے بعد پریما کے والد اس کی شادی زبردستی ایک شخص دان ناتھ سے کر دیتے ہیں وہ اس کے ساتھ خوش تو نہیں رہتی۔ امرت رائے کی محبّت میں وہ غمگین اور اداس رہتی ہے۔ دان ناتھ میں رقابت کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے اور وہ امرت رائے کو قتل کر دینے کے لئے ایک اندھیری رات میں اس کے گھر آتا ہے۔ ادھر پریما اس کے خطرناک ارادہ سے پورنا کو مطلع کر دیتی ہے۔ اس لئے جیسے ہی دان ناتھ اس کے گھر میں داخل ہوتا ہے۔ پورنا گولی چلا دیتی ہے اسی درمیان دان ناتھ بھی فائر کر چکا تھا اس لئے دونوں وہیں پر ختم ہو جاتے ہیں۔ پریما بیوہ ہو جاتی ہے اس واقعہ کے ایک سال بعد امرت رائے پریما سے شادی کر لیتا ہے۔

اس ناول میں پریم چند نے مندروں میں ہونے والی برائیوں پر سے بھی پردہ اٹھایا ہے۔ پورنا کے پڑوس میں ایک نوجوان بیوہ رام کلی رہتی تھی جو روز پوجا کے لئے مندر جایا کرتی تھی۔ ایک دن وہ اپنے ساتھ ضد کرکے پورنا کو بھی لے گئی۔ پریم چند نے مندر کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے۔

''پورنا نے چونک کر داہنی جانب دیکھا تو ایک نہایت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عالی شان سنگین عمارت ہے .... اندر ایک پختہ وسیع صحن ہے جس میں سینکڑوں مرد اور عورتیں جمع ہیں ...... بارہ دری میں ایک نہایت وجیہہ وشکیل شخص زرد ریشم کی مرزائی پہنے ...... مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہے اس کے روبرو ایک ماہ پارہ نازنین پشواز پہنے بصد ناز و انداز جلوہ افروز ہے۔ رام کلی نے پورنا کا ہاتھ پکڑا اور بارہ دری کی طرف چلی ۔ بے شمار عورتیں جمع تھیں ایک سے ایک حسین گہنوں میں لدی ہوئی ۔ بے شمار مرد تھے ایک سے ایک خوش رو سب ایک ہی جگہ ملے جلے کھڑے تھے آپس میں نظر بازیاں ہو رہی تھیں نظر بازیاں ہی نہیں بلکہ دست درازیاں بھی ہوتی جاتی تھیں پورنا کی ہمت اندر گھسنے کی نہ پڑی مگر رام کلی گھس گئی اور وہاں کوئی آدھ گھنٹے تک اس نے خوب گلچھرے اڑائے جب وہ نکلی تو پسینہ میں غرق تھی اور تمام کپڑے مسل گئے تھے ؛" لہ

ہم خرما و ہم ثواب کی کہانی کسی لحاظ سے بڑی انقلاب انگیز اور جرأت آمیز ہے۔ ہندو سماج میں یہ بڑا انقلابی قدم تھا۔ پریم چند خود آریہ سماجی تھے اور ان تمام باتوں کی اصلاح چاہتے تھے جنھوں نے عورت کو حقیر بنا رکھا تھا اس معاملہ میں وہ جذباتی اور جوشیلے بھی تھے اس لئے خود انھوں نے ایک بیوہ سے شادی کر کے عملی طور پر ایک مثال قائم کی ، ہم خرما و ہم ثواب میں بھی ان کا ہیرو امر کانت ایک بیوہ عورت پورنا سے شادی کرتا ہے ۔ یہاں ایک بات اور قابلِ غور ہے کہ امر کانت کی یہ پہلی شادی ہے اگر وہ بھی دوہاجو ہوتا تو شاید اتنے تعجب کی بات نہ ہوتی۔ ہندو سماج تو یوں ہی بیوہ کی شادی کی اجازت نہیں دیتا تھا نہ کہ ایک کنوارے آدمی کا بیوہ عورت سے شادی کرنا۔ اس شادی کے سب خلاف تھے اس لئے کہ یہ سناتن دھرم کے عقیدے کے خلاف تھی جو عورت مرد کے رشتہ کو جنم جنمانتر کا رشتہ بتاتا

لہ بحوالہ پریم چند کا تنقیدی مطالعہ قمر رئیس صفحہ ۱۵۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے لوگوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ اس شادی کو نہ ہونے دیں گے وہ اس کو قتل کی دھمکی دیتے ہیں۔ گروہ بنا کر شادی کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن پریم چند پولس اور فوج کی مدد سے شادی کرا دیتے ہیں پھر بھی نہیں پورنا کے انتقال کے بعد امر کانت جب دوسری شادی کرتا ہے تو وہ بھی بیوہ سے۔

امر کانت اور پورنا کی شادی کے سلسلے میں پریم چند نے ہندو سماج پر ایک اور ضرب لگائی ہے یعنی دو مختلف ذاتوں کے درمیان شادی۔ امر کانت چھتری ہے اور پورنا برہمنی۔ ہندو دھرم کے مطابق ان کی شادی نہیں ہو سکتی تھی لیکن پریم چند نے صدیوں پرانی اس روایت کو توڑ کر دونوں کی شادی کرا دی۔ اس کے علاوہ پورنا کو پریا بیوگی کی رسوم سر منڈانا وغیرہ نہیں ادا کرتے دیتی ہے۔ عورتیں اس پر اعتراض کرتی ہیں لیکن پریم چند اپنے خیالات کو منوا لیتے ہیں۔ مندروں کی عیاشیوں اور بدکاریوں کے بارے میں ایک اقتباس دیا جا چکا ہے اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف ہم خرما وہم ثواب، فنی اعتبار سے ان کا کمزور ترین ناول ہے تو خیالات کے اعتبار سے بہت انقلابی ہے۔ پریم چند نے اس ناول میں بیوگی، اس کی اخلاقی گراوٹ اس کا باعزت طور پر زندگی گزارنا اس کی زندگی کی مصیبتیں معاشی اور جذباتی پریشانیاں سب کو پیش کیا ہے اور ساتھ ہی اس کا حل بھی دیا ہے ایسا حل جو صحیح معنوں میں حل کہا جا سکے جو ہم ایک نوجوان کے ایک دوہاجو عورت سے شادی کی شکل میں دیکھتے ہیں اس ناول کی میری نگاہ میں اس لئے بھی بہت اہمیت ہے کہ اس کے بعد اپنے تمام اصلاحی جذبے عورتوں اور بیواؤں سے ہمدردی کے باوجود پریم چند بدل گئے تھے اس کے بعد ان کے پاس بیواؤں کا حل آشرم ہو گیا تھا "امرت کائت کا گھر،، نہیں ایک وقت میں وہ بیوا کی شادی کے لئے فوج اور پولس بلا لیتے تھے لیکن بعد میں وہ کوشش بھی نہیں کرتے ان کے نظریے میں اتنی بڑی تبدیلی کی وجہ کیا تھی یہ بتانا مشکل ہے ہو سکتا ہے کہ ہم خرما وہم ثواب، کی اشاعت کے بعد ان پر دباؤ پڑا ہو کہ ان کے اس طرح لکھنے سے ہندو دھرم کی بدنامی ہوتی ہے یا وہ خود اس خیال کے ہو گئے ہو کہ بیوہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کو گرہست کی زندگی کے بجائے آشرم کی زندگی گذارنا چاہیے اس طرح اس کا روٹی کپڑے کا مسئلہ حل کرکے وہ مطمئن ہو گئے دوسرے آشرم میں وہ مذہب کے سائے میں رہے گی اس طرح عیاشی اور بدکاری سے بچ جائے گی اور یہی پریم چند چاہتے ہیں۔ بہر حال اس بات کی اب تک نہ تو تحقیق ہوئی ہے اور نہ پریم چند کی نفسیاتی تحلیل کہ معلوم ہوتا کہ اتنے قلیل عرصے میں ان کے یہاں اتنی بڑی تبدیلی کیوں آئی میرا خیال ہے کہ ان کو بیوہ لکھنے کی ضرورت بھی اسی لئے پڑی کہ وہ "ہم خرما وہم ثواب" میں پیش کئے گئے نظریے اور اس انقلابی شدّت کے اثر کو ختم کرنا چاہتے تھے یا ہندو سماج پر یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ان کا اصل نقطۂ نظر یہ ہے۔ پریم چند کی عورتوں اور بیواؤں سے ہمدردی کے بارے میں جے کشن پرشاد نے لکھا ہے کہ:

"پردے میں قید قدم قدم پر ٹھکرائی ہوئی بے سہارا عورت ذات کی بڑائی کے وہ زبردست وکیل تھے۔" [1]

اس میں شک نہیں کہ پریم چند نے جگہ جگہ پر عورتوں کی وکالت کی ہے۔ لیکن عملی طور پر ان کی دشواریوں کو حل کرنے کی کوشش صرف ہم خرما وہم ثواب میں ملتی ہے۔ جن ناولوں کو فنّی طور پر ان کے اچھے ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان میں وہ ہمدردی اور وکالت تو ضرور کرتے ہیں لیکن اس کا کوئی صحت مند حل نہیں پیش کرتے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ بیوہ "ہم خرما وہم ثواب" ہی کی دوسری شکل ہے جس کا موضوع اور کردار سب ایک ہیں۔ وہی پورنا اور پریما ہیں اور وہی امرکانت۔ لیکن مسئلہ کا حل وہ نہیں ہے۔ فنّی اعتبار سے بیوہ "ہم خرما وہم ثواب" سے بہتر ہے اس میں کہانی کے بہت سے وہ پہلو نہیں ہیں جنھوں نے "ہم خرما وہم ثواب"

---

[1] ہندی کا ساہتیہ کا آدھونک کال (ہندی) جے کشن پرشاد ص ۱۷۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں ایک پراسرار یا سنسنی خیز فضا پیدا کردی تھی۔

بیوہ میں پورنا مصیبت زدہ اور بدنصیب بیوہ عورتوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ وہ ہندو سماج میں بیوہ کی ذلت آمیز زندگی کی کامیاب تصویر ہے۔ اس کے شوہر بسنت کمار کے انتقال کے بعد اس کی دنیا ہی برباد ہو جاتی ہے۔ بدقسمتی سے وہ ان عورتوں میں ہے جس کے میکے اور سسرال میں کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے جو اس کی خبرگیری کر سکے۔ مائیکہ میں ماموں نے اس کی پرورش کی اور انھیں نے اس کی شادی کردی لیکن اس کے بعد پاٹ کر یہ بھی نہ پوچھا کہ پورنا زندہ ہے یا مر گئی۔ اس کی آمدنی کا خود کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اس کے ہمسایہ میں لالہ بدری پرشاد اسے اپنے گھر میں پناہ دے دیتے ہیں لیکن وہ بدری پرشاد کے لڑکے کملا پرشاد کی زورزبردستیوں سے عاجز ہو کر خودکشی کی نیت سے نکلتی ہے اور اسے ایک بوڑھا امرت رائے کے آشرم میں پہنچا دیتا ہے۔

پریم چند نے اپنے اِس مختصر ناول میں بیوہ کے مسائل کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور بہت حد تک وہ ہندو سماج میں بیوہ کی گری ہوئی حالت اور اس کی پریشانیوں کی تصویر کھینچنے میں کامیاب رہے ہیں۔ راجیشور گرو نے بیوہ پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"سماج کی چیر پھاڑ کر کے پریم چند اس کا مرض بخوبی جانچ سکتے ہیں لیکن وہ ڈاکٹر نہیں ہیں۔ وہ دوا دینا وہ نہیں جانتے۔ مرض کے سلسلے میں وہ پوری تفصیل دے سکتے ہیں۔ مرض کی دوا نہیں۔" [۱]

یہ بات پریم چند کے لئے صحیح ہے اس لئے کہ جب بھی انھوں نے سماجی گمرہ ریوں کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی تو وہ عموماً مثال پسند ہو گئے ہیں اور عام حل کے بجائے انھوں نے کھینچ تان کر ایسے حل نکالے ہیں جس سے ہندو سماج ان سے ناراض نہ ہو۔ بیوہ کا مسئلہ آشرم سے حل تو ضرور ہو سکتا ہے لیکن یہ حل آخری نہیں ہے۔ کیونکہ بیواؤں کی صرف یہی خواہش نہیں ہوتی کہ ان کو دونوں وقت پیٹ بھرنے کے لئے

---

[۱] پریم چند ایک ادھیین (ہندی) راجیشور گرو صفحہ ۱۷۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

روٹی مل جائے۔ بلکہ انھیں سماج میں باعزّت گھریلو زندگی حاصل کرنے کی بھی خواہش ہوتی ہے۔ جو بغیر دوسری شادی کے ناممکن ہے۔ اور پریم چند یہی نہیں کرسکے۔ خود بیوہ میں پورنا کی شادی امرت رائے سے نہیں ہو پاتی جب کہ امرت رائے یہ فیصلہ کرچکے تھے کہ وہ صرف بیوہ سے شادی کریں گے۔ اور ان کے سامنے پورنا جیسی سمجھدار اور عقلمند بیوہ موجود تھی۔ وہ ان کے ساتھ کام کرتی تھی۔ ان کی تحریک میں اس کی حیثیت ایک بہترین رفیق کار کی تھی۔ امرت رائے اس کی طبعیت اور مزاج سے اچھی طرح واقف تھے پھر بھی رفیق کار کو رفیق حیات نہ بنا سکے۔

اس ناول میں پورنا کا کردار ان تمام باتوں کو پیش کرتا ہے جس سے ہندو سماج میں بیوہ کو گذرنا پڑتا ہے۔ اس کو زندہ رہنے کے لئے کس قدر جد و جہد کرنی پڑتی ہے اور کس طرح لوگ آسانی سے اس پر الزام لگا دیتے ہیں۔ ان سب باتوں کی تصویر پریم چند نے اس ناول میں پیش کی ہے۔ پریم چند کا ایک جملہ جو انھوں نے پورنا سے کہلایا ہے۔ ہندو سماج میں بیوہ کی حالت کو ظاہر کرنے کے لئے کافی ہے:۔

"ہائے بھگوان رنڈاپا کیا کلنک کا دوسرا نام ہے؟" ۱؎

اس ایک جملے میں بیوہ کی ساری کہانی پریم چند نے سمودی ہے۔ پورنا آگے سوچتی ہے۔

"بیوہ پر الزام لگا دینا کتنا آسان ہے۔ عوام کو اس کے بارے میں برے سے برا خیال کرتے دیر نہیں لگتی گویا کجروی ہی بیوگی کی قدرتی معاش ہے۔ گویا بیوہ ہو جانا دل کی ساری خوشیاں اور ساری کمزوریوں کا امنڈ پڑتا ہے" ۱؎

عام زندگی میں روزآنہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ بیواؤں کو طعن و تشنیع کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ معمولی معمولی باتوں میں اس کی پاکدامنی اور عصمت پر شبہ کیا جاتا ہے۔ اگر اس نے کسی عزیز سے بھی مسکرا کر بات کرلی یا کسی آنے جانے والے کے بارے میں تعریف

۱؎ بیوہ پریم چند صفحہ ۴۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے کلمات کہہ دیئے تو ہر طرف سے اعتراضات ہونے لگتے ہیں۔

بیوہ کے لیۓ سکون و اطمینان دور رہا۔ اُسے اپنی زندگی کے دن بھی گذارنے مشکل ہوتے ہیں۔ سماج کی یہ کوتاہ بینی اور تنگ نظری دوسری بہت سی خرابیاں پیدا کرتی ہے۔

پریم چند نے بیوہ میں عورتوں کے بعض اہم اور بنیادی مسائل کو اٹھایا ہے۔ جس میں پہلا مسلہ بیوہ کی باعزت زندگی کا ہے۔ شوہر کے انتقال کے بعد وہ غیر محفوظ ہوتی ہے نہ صرف یہ کہ وہ مالی طور پر پریشان ہوتی ہے بلکہ دنیا والے اس کی جوانی اور بیوگی کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں اسے ہزار طرح بہلاتے اور پھسلاتے ہیں۔ وہ بھی انسان ہے اس کے بھی جذبات ہیں۔ اس لئے وہ مردوں کے فریب میں آجاتی ہے۔ اور اپنی بقیہ زندگی جہنم بنالیتی ہے۔ دوسرا اہم مسلہ مرد کی سماجی برتری اور عورت کی معاشی مجبوری کا ہے پریم چند نے بیوہ میں اس کو بہت اہمیت دے کر پیش کیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ان ساری برائیوں کی وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کی دست نگر ہے۔ اگر وہ خود کفیل ہو تو سماج اس کے ساتھ اس قدر خراب برتاؤ نہ کرے۔ سماج کو چونکہ مرد نے بنایا ہے وہ کماتا ہے اس لیۓ عورت پر صرف حکم ہی نہیں چلاتا بلکہ ظلم کرنا بھی اپنا حق سمجھتا ہے۔ بیوہ میں عورتوں کے تین اہم کردار پورنا، سمترا اور پریما ہمارے سامنے آتے ہیں جن کے ذریعہ پریم چند نے ان مسائل کو پیش کیا ہے جہاں تک عورتوں کی کردار نگاری کا تعلق ہے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بیوہ کی کردار نگاری بہت اچھی ہے لیکن یہ ضرور ہے کہ پریم چند کے کردار بنتے ہوئے اور زندگی سے قریب دکھائی دینے لگتے ہیں۔ پورنا اس ناول کی ہیروئن ہے اس کے ذریعہ پریم چند نے ایک ہندو بیوہ کی تصویر پیش کی ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"پورنا کا کردار ہندو بیوہ کی کسمپرسی اس کی بیچارگی اور محرومیوں کی تصویر ہے۔ وہ ایک نچلے متوسط طبقہ کے گھرانے کی معصوم لڑکی ہے

ا۔ بیوہ پریم چند صفحہ ۶۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"......لیکن شوہر کی موت اچانک اس کی زندگی کا نقشہ بدل دیتی
ہے۔ اس کی شگفتہ دلی ہمیشہ کے لئے رخصت ہو جاتی ہے۔ اب وہ
دلسوزی، عاجزی، اور انکساری کا ایک پیکر ہے" ؎۱

پریم چند پورنا کے ذریعہ مرد کی سماجی برتری اور عورتوں کے اقتصادی مسئلے کو بھی اٹھاتے ہیں پریم چند کی نگاہ میں یہ مسئلہ کافی اہم تھا اور وہ سوچتے تھے کہ اگر عورت خود کفیل ہو جائے تو اس کی بہت سی پریشانیاں ختم ہو جائیں۔ عورتیں چونکہ مرد کی دست نگر ہیں خاندان میں کمانے والا مرد ہے اس لئے عورت مجبور رہتی ہے کہ مرد اسے جس طرح چاہے رکھے سماج میں مرد حاکم اور عورت تابعدار سمجھی جاتی ہے۔ جس نے عورت کی انفرادیت کو بالکل ختم کر دیا ہے۔ پورنا ایک جگہ کہتی ہے۔

"یہ تو دنیا کا رواج ہی ہے بہن، مرد عورت سے طاقت میں
عقل میں بڑھ کر ہوتا ہے اس لئے اس کی حکومت ہے۔ جہاں مرد
کے بجائے عورت میں یہ باتیں زیادہ ہیں۔ وہاں عورت کی چلتی ہے
مرد کما کر کھلاتا ہے تو کیا رعب جمانے سے بھی جائے" ؎۲

پریم چند جانتے تھے کہ آج اگر عورتیں کما سکتیں، اور اپنی زندگی گذارنے کے لئے خود پیدا کر سکتیں تو شائد عورتوں اور خصوصیت کے ساتھ بیواؤں کی سماج میں یہ گت نہ بنتی۔ اور وہ بھی عزت کے ساتھ زندگی گذار سکتیں پورنا اور سمترا کی گفتگو میں پورنا صرف اس بات پر مردوں کی وکالت کرتی ہے کہ چونکہ وہ کماتا ہے۔ اس لئے اس کو رعب جمانے کا بھی حق ہے تو سمترا کہتی ہے کہ:۔

"بس بس تم نے لاکھ روپیہ کی بات کہدی یہی میں بھی سمجھتی ہوں
بیچاری عورت کما نہیں سکتی اس لئے اس کی یہ درگت بنی ہے۔ مگر میں

؎۱ پریم چند کا تحقیقی مطالعہ۔ ڈاکٹر قمر رئیس صفحہ ۱۷۸

؎۲ بیوہ پریم چند صفحہ ۱۱۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کہتی ہوں کہ اگر مرد اپنے کنبہ بھر کو کھلا سکتا ہے تو کیا عورت اپنی کمائی سے اپنا پیٹ بھی نہیں بھر سکتی؟" ۵۱

عورت کی معاشی غلامی ہی سماج میں اس کی زبوں حالی اور ذلّت کا سبب ہے پریم چند جانتے تھے کہ جب تک اس غلامی کی زنجیر میں عورت جکڑی رہے گی وہ زندگی کی پستیوں سے ابھر نہیں سکتی۔ ہر ہر قدم پر وہ اپنی عزّت اور برتری کو کھوتی رہے گی۔ اور ہر طرح سے ظلم و جبر سہنے کے لیے مجبور رہے گی۔ اس کی ہر بات کچل دی جائے گی۔ ہر لمحہ اس کی آرزوں اور تمناؤں کا خون ہوگا۔ اگر اس کی اصلاح اور اس مسلے کو حل کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو وہ اسی طرح ذلّت کی تاریکیوں اور بدنامیوں کے اندھیرے میں گم رہے گی وہ عصمت فروشی پر صرف مفلسی اور تنگ دستی کی وجہ سے مجبور ہوتی ہے۔

ایک لاچار ولاوارث بیوہ جس کو سماج مدد کے بجائے رسوا کرے اسے سہارا دینے کے بجائے پستی میں ڈھکیل دے اس کو کام دینے کے بجائے برائی پر مجبور کرے تو وہ کر ہی کیا سکتی ہے "بیوہ" میں پریم چند نے پدما کی زبان سے ان باتوں کو کہلایا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ اگر عورتوں کو بھی کام ملے تو وہ ذلّت کی زندگی گذارنے کے لئے مجبور نہ ہوں۔

"میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ اگر ان بہنوں کو روکھی سوکھی روٹیوں اور موٹے جھوٹے کپڑوں کا بھی سہارا ہو جائے تو وہ آخری وقت تک اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کرتی رہیں۔ عورت بہت ہی مجبوری کی حالت میں بدچلن ہوتی ہے۔ اپنی عزّت سے زیادہ اسے دنیا میں کسی چیز پر فخر نہیں ہوتا۔ نہ وہ کسی چیز کو اتنی قیمتی سمجھتی ہے"۔ ۵۲

اس طرح پریم چند نے عورتوں کے اقتصادی مسلے کو بیوہ کے مسلہ سے منسلک کرکے پیش کیا ہے۔ انھیں اگر پیٹ بھر روٹی کا سہارا ہو تو جو برائیاں پیدا ہوتی

۵۲ الف بیوہ پریم چند صفحہ ۱۱۶، ۱۰۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں وہ نہ ہوں۔

اس ناول میں جس چیز پر پریم چند نے زیادہ زور دیا ہے وہ شادیٔ بیوگان ہے۔ انھوں نے ہر طرح اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ بیوہ سے دوسری شادی کا حق چھین لینا اس کے ساتھ سب سے بڑا ظلم و ناانصافی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد اس کی موت کی ذمہ دار ٹھہرائی جاتی ہے۔ اور یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ اپنی پوری عمر اپنے مردہ شوہر کی یاد میں گذار دے یہ عورت کے ساتھ سب سے بڑا ظلم ہے۔ اس طرح نہ جانے کتنی عورتوں کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ پریم چند نے بیوہ میں اس مسئلہ کو ایک ایسی جگہ پیش کیا ہے۔ جہاں اس کے دو پہلو نکلتے ہیں یعنی کملا پرشاد ایک طرف محبت کا فریب دے کر اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنا چاہتا ہے دوسری طرف بیوہ عورتوں کی دوسری شادی کی وکالت کرتا ہے اس طرح ایک طرف اس کے ذریعہ پریم چند نے اس حقیقت کو بڑے اچھے الفاظ میں پیش کیا کہ عورت کو بھی شوہر کے مرنے کے بعد دوسری شادی کا حق ہونا چاہیے۔ دوسری طرف یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ بے سہارا بیواؤں کو کس طرح ورغلایا جاتا ہے اور ان کا باعزت زندگی گذارنا کس قدر مشکل ہے۔

کملا پرشاد پورنا سے گفتگو کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

"اگر کسی ناگہانی صدمے سے یہ مکان گر پڑے تو ہم کل ہی سے اسے پھر سے بنانا شروع کر دیں گے۔ مگر جب کسی عورت کی زندگی پر کوئی ناگہانی آفت پڑ جاتی ہے تو اس سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ ہمیشہ اس نام کو روتی رہے۔ یہ کتنی بڑی ناانصافی ہے۔ مردوں نے یہ قاعدہ اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے بنایا ہے۔ جس میں اس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔ جس نے اس امر کا فتویٰ دیا ہے۔ وہ دیوتا ہو چاہے رشی چاہے مہاتما میں اُسے انسانی طبقہ کا سب سے بڑا دشمن سمجھتا ہوں۔ عورتوں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے لیے شوہر پرستی کی بیخ لگادی کہ دوبارہ بیاہ ہوتا تو اتنی اناتھ
عورتیں اس کے پنجہ میں کیسے آتیں بس یہی سارا راز ہے۔ انصاف
تو ہم تب سمجھتے جب مردوں کو بھی ویسی ہی ممانعت ہوتی۔" [1]

اس طرح اس ناول کے مطالعے سے بیواؤں کی شادی کی ضرورت کے مسئلے پر روشنی پڑتی ہے۔ سماج نے ان سے یہ حق چھین کر ان پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے پریم چند اس کا الزام مردوں کو دیتے ہیں۔ کہ انھوں نے صرف اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے ان کو دوسری شادی کی اجازت نہیں دی، وہ مرنے کے بعد بھی اپنی ملکیت کے تصور کو نہیں ختم کرنا چاہتے تھے۔ پریم چند نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ جن کی بیویاں مر چکی ہیں انھیں دوسری شادی کسی کنواری لڑکی سے نہیں کرنی چاہیے۔ اس طرح انھوں نے سماج میں پیدا ہونے والی خرابیوں کو دو طرف سے دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ بیواؤں کی شادی کی وجہ سے عورتوں کی خاصی بڑی تعداد گمراہی اور مجبوری کی زندگی گزارنے سے بچ جائے گی۔ دوسرے دوہاجو مرد کنواری لڑکیوں سے شادی کرکے بے جوڑ شادی سے پھیلنے والی برائیوں سے سماج کو محفوظ رکھیں گے۔ کیونکہ اس طرح کی بے جوڑ شادیوں سے سماج کو محفوظ رکھیں گے۔ کیونکہ اس طرح کی بے جوڑ شادیوں نے بھی سماج میں بہت سی برائیوں کو جنم دیا ہے۔ دوہاجو مردوں اور کنواری لڑکیوں میں عموماً عمر کا بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی ذہنی اور جذباتی زندگی پرمسرت نہیں ہوتی جب وہ اس بے کسی، حرماں نصیبی، اور تشنگی کے عالم میں بیوہ ہو جاتی ہیں تو ان کو جبر کرکے سماج کے ظالم اصولوں کے مطابق خشک اور بے کیف زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ راجیشور گرو نے لکھا ہے کہ:

"پرتگیا (بیوہ) میں اس مسئلے کا جواب دیتے ہوئے پریم چند
بیوہ کی شادی کے مسئلہ کو سلجھانا چاہتے ہیں...... پرتگیا (بیوہ)

---

[1] بیوہ پریم چند صفحہ ۱۳۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں قصہ دو رخ اختیار کرتا ہے۔ ایک تو بیوہ کی تلخیوں کی تصویر کشی کرتا ہے۔ اور دوہاجیہ کے اس ارادے کو ظاہر کرتا ہے کہ اسے اگر شادی کرنا ہی ہے۔ تو اُسے یہ حق نہیں کہ وہ کسی کنواری کی اچھوتی آرزوؤں کو پامال کرے وہ کسی بیوہ سے ہی شادی کرے،، لہ

پریم چند نے عورتوں کے حقوق کی ہمیشہ طرفداری کی ہے۔ وہ طرح طرح سے ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ وہ لڑکیوں کی شادی کو کنیا دان کا نام دینا بالکل غلط سمجھتے تھے۔ اس لئے کہ اس طرح عورت کو محکومی اور غلامی کا سب سے پہلا درس دیا جاتا ہے۔ اس کو جھوٹی روایتوں مذہب، دھرم اور پتی ورتا کے خوبصورت جال میں گرفتار کیا جاتا ہے۔ تاکہ اس سے وہ کبھی چھٹکارا نہ پا سکے۔

وہ جانتے تھے کہ غلط مذہبی مراسم اور فرسودہ روایات عورت کو غلام بنانے میں مدد کرتی ہیں۔ پریم چند کنیادان اور دوسرے مراسم کے سخت مخالف تھے۔ وہ اپنی محدود ترقی پسندی میں عورت کو آزاد دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کی بے کسی اور اس پر سماجی مظالم ان کی برداشت سے باہر تھے۔ اسی لئے وہ بار بار اس کی اصلاح پر زور دیتے تھے۔ وہ اِس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ جب تک گھروں کا ماحول درست نہ ہوگا اور عورت کو آزاد فضا میں سانس لینے کا موقع نہ ملے گا۔ یہ مسائل اسی طرح سے باقی رہیں گے۔

پریم چند نے بیوہ کے مسائل کو اپنے دوسرے ناولوں میں بھی پیش کیا ہے۔ ان ناولوں میں یہ مسئلہ اس طرح بنیادی طور پر تو نہیں آتا جس طرح بیوہ میں پیش کیا گیا ہے لیکن بیوہ کے مسئلہ پر مختلف طریقوں سے روشنی ضرور پڑتی ہے۔ مثلاً جلوہ ایثار کی ہیروئن برجن بیوہ ہے۔ جس کا شوہر اپنی خراب عادتوں کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھوتا ہے۔ وہ ایک مالدار آدمی تھا۔ اس لئے برجن کے سامنے وہ مسائل نہیں آئے جن سے ایک عام

لہ پریم چند ایک ادھین (ہندی) راجیشور گرو صفحہ ۱۶۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بیوہ کو گزرنا پڑتا ہے۔ اس نے اپنی زندگی شاعری اور بھگتی میں گزار دی۔ پھر بھی اس کا اظہار ضرور ہوتا ہے کہ وہ نوجوانی میں بیوہ ہونے کے باوجود شادی نہیں کر سکتی۔ وہ نوجوان تھی بچپن کی محبت کی ناکامی نے اس کی زندگی کو الجھنوں سے دوچار کر دیا تھا۔ پھر بھی وہ ایک شوہر پرست عورت بن گئی تھی۔ بیوہ ہونے کے بعد اسے ڈر تھا کہ کہیں اس کی پرانی محبت اور اس کے محبوب کی شادی نہ کرنے کی قربانی اس کے قدم نہ ڈگمگائے۔ اس لیے وہ بھگتی کا سہارا لیتی ہے۔ پریم چند بیوہ کی شادی کے وکیل اور اپنی تمام ترقی پسندی کے باوجود برجن کی شادی نہ کرا سکے۔ وہ اسے بھگتی کے فریب میں زندگی کاٹنے پر مجبور کرتے ہیں۔ وہ آریہ سماجی تھے خود بیوہ سے شادی کی تھی لیکن اپنے ناولوں میں اصلاح کی پرخلوص خواہش کے باوجود وہ بیوہ کو اس کی وہ زندگی نہیں دے پاتے جس کی وہ مستحق ہے۔

برجن ایک مثالی عورت تھی۔ وہ شوہر کی زندگی میں اس کی بری عادتوں کے باوجود اس کی خدمت کرتی رہی اور اس کے انتقال کے بعد بھی اس نے روایات کے احترام میں کسی دوسرے مرد کا خیال اپنے ذہن میں نہ آنے دیا۔

جلوۂ ایثار کے بعد جس ناول میں پریم چند نے بیوہ کے مسئلہ کو تفصیل سے پیش کیا ہے وہ "غبن" ہے۔ غبن کا بنیادی مسئلہ بیوہ کا نہیں ہے۔ لیکن بڑی حد تک یہ مسئلہ اس ناول کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

غبن میں رتن عورتوں کے کئی مسائل لے کر سامنے آتی ہے۔ پہلا مسئلہ بیوہ عورت کے حقوق اور اس کی دوسری شادی کا ہے دوسرا وہاجپہ سے کنواری لڑکی کی شادی کا مسئلہ ہے۔ تیسرا مشترکہ خاندان میں بیوہ عورت کی حیثیت کا مسئلہ ہے۔

پریم چند نے ان باتوں کو پیش کر کے لوگوں کو احساس دلایا ہے کہ یہ زیادتیاں جو مذہب اور سماج کے نام پر ہوتی ہیں ظلم و ناانصافی ہے۔ اس کو مذہب کہنا غلط ہے۔ پریم چند نے عورتوں کے مسائل پر اپنے بعض مضمونوں میں بھی اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے "جاگرن" میں ایک مضمون کے ذریعہ (شاردا ایکٹ) ہربلاس شاردا کے مساوات کے حقوق

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی تجویز پر مبارکباد دی تھی۔ یہ تجویز خصوصیت سے ان عورتوں کے لیے تھی جن کو شوہر کی جائداد میں بیوہ ہونے کے بعد حق نہیں ملتا تھا اور انھیں ذلت و تنگ دستی کی زندگی گذارنا پڑتی ہے۔ پریم چند نے لکھا تھا۔

"میں آپ کو دل سے مبارک باد دیتا ہوں۔ آپ کی یہ تجویز جس دن پاس ہوگئی کروڑوں عورتیں آپ کو دل سے دعائیں دیں گی اور آپ کی ہمیشہ ممنون رہیں گی۔ انھیں کے ساتھ میں بھی آپ کا ممنون ہوں گا۔ ہندو لائیں عورتیں بیکار چیز سمجھی گئی ہیں کہ کوڑا کرکٹ کی طرح نکال کر باہر کیا جاتا ہے۔ بھگوان جانے یہ قانون کیوں اور کن کے لئے بنا تھا۔ مجھے تو امید ہے کہ کوئی سمجھدار آدمی اس تجویز کے خلاف رائے نہ دے گا۔" [1]

اس طرح صرف یہی نہیں کہ انھوں نے بعض کرداروں کے ذریعہ ان مسائل کو پیش کیا۔ بلکہ انھوں نے ہر طرح عورتوں کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ یہی خصوصیت کے ساتھ ان کے اچھے ناولوں میں ہے۔ اس میں انھوں نے رتن کو جس طرح پیش کیا ہے۔ اس کا اثر قاری کے ذہن پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ ان کا اپنا ایک اصلاحی نقطۂ نظر تھا۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ انھوں نے اس نظریہ سے بھی سماج کی بہت خدمت کی وہ بیواؤں اور عورتوں کی بری حالت کو دور کرنے کی کوشش میں بڑے بڑے مصلحین اور رہنماؤں سے پیچھے نہیں رہے۔

---

[1] پریم چند گھر میں (ہندی) شیورانی صفحہ ۲۱۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چوتھا باب

طوائف اور گری ہوئی عورتیں

- بازار حسن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اونچ نیچ کا سلسلہ شاید دنیا میں انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ اس لیے کہ قدیم ترین تہذیبوں میں بھی کسی نہ کسی شکل میں لوگ طبقوں میں بٹے ہوئے تھے، کچھ اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والے تھے تو کچھ ادنیٰ۔ کچھ مہذب تھے تو کچھ غیر مہذب کچھ کے پاس مال و متاع اور دولت تھی تو کچھ تنگ دست تھے اور کچھ دوسروں کی دلجوئی اور دلچسپی کا سامان مہیا کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ یہ دلجوئی کا کام کرنے والے مرد عورت دونوں ہی تھے جو ہو سکتا ہے کہ شروع میں صرف مغنّی، موسیقار اور رقاص و رقاصہ رہے ہوں مگر بھی دھیرے دھیرے سماج کے گرے ہوئے لوگوں میں گنے جانے لگے۔ اس پیشہ میں چونکہ عورتیں زیادہ تھیں۔ اور ان میں عصمت فروشی بھی شروع ہو گئی تھی۔ اس لیے سماج میں ان کی وہ عزت نہیں تھی جو عام عورتوں کی ہوتی ہے۔ ابتدا میں یہ پیشہ اتنا گرا ہوا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ قدیم یونان میں ناچنے اور گانے والی عورتیں بہت مقبول تھیں اور اسی مقبولیت کی وجہ سے ان کا ایک بہت بڑا طبقہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان کی آمدنی بھی بہت زیادہ تھی اسی لیے سولن نے ان پر ٹیکس لگا دیا تھا۔ یہ ٹیکس کی بدعت سولن سے شروع ہوئی اور آج تک باقی ہے۔ لیکن قدیم یونان کے سماج میں جو عزت ان عورتوں کی تھی وہ باقی نہیں رہی۔ خلوت میں تو وہ بڑے سے بڑے آدمی کی محبوبہ تھیں لیکن دن کی روشنی میں کوئی انھیں پاس بٹھاتا اور ان سے گفتگو کرنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اِن حالات کے پیشِ نظر آج ہمارے سماج میں ان سے متعلق بہت سے مسئلے پیدا ہوگئے ہیں اور جب بھی ان پر غور کیا جاتا ہے۔ تو کئی سوال ہمارے سامنے آتے ہیں۔

(۱) عورتیں طوائفوں کی زندگی گذارنے پر کیوں مجبور ہو جاتی ہیں۔

(۲) عورتوں کو سماجی حیثیت سے کم درجے کی زندگی کیوں گذارنی پڑتی ہے۔

(۳) عورتوں کے ان مسائل کو کیونکر سلجھایا جا سکتا ہے۔

پہلے سوال پر غور کرتے ہوئے ہماری نگاہ سماج کے ان غلط اصولوں کی طرف جاتی ہے جن کے تحت ہندو سماج بیوہ عورتوں کو دوسری شادی کی اجازت نہیں دیتا۔ بیوہ عورت خاندان میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھی جاتی اس کی حیثیت ایک خادمہ اور کنیز کی سی ہوتی ہے۔ اس کو شوہر کی جائیداد میں حصہ نہیں دیا جاتا اس طرح جب وہ ذلت کی زندگی برداشت کرتے کرتے عاجز ہو جاتی ہے تو وہ انتقاماً یہ راستہ اختیار کرتی ہے اور بازارِ حسن کی ایک حصہ بن جاتی ہے۔ دوسری خرابی بچپن کی شادی ہے۔ بچپن کی شادی کی وجہ سے جو عورتیں کم عمری میں بیوہ ہو جاتی ہیں اور ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا وہ مجبوراً اس زندگی میں داخل ہو جاتی ہیں۔ بعض کم عمر بیوائیں صرف اپنی جنسی تسکین کے لیے یہ راہ اختیار کرتی ہیں اور عصمت فروشی کر کے وہ ایک طرح سے سماج سے بدلہ لیتی ہیں۔ اگر سماج انھیں بہتر زندگی گذارنے کا کوئی ذریعہ فراہم کرتا تو شاید وہ اس ذلت کی زندگی کو نہ پسند کرتیں۔

دوسرے سوال کے سلسلے میں ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ عورت ہمیشہ ہمارے سماج میں مردوں کی دستِ نگر رہی ہے۔ وہ معاشی طور پر آزاد نہیں ہے۔ اور اس کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ بعض مذہبی باتوں اور سماجی روایتوں کا سہارا لے کر یہ بات ان کے ذہن نشین کرا دی گئی کہ شوہر "ایشور یا دیوتا کی طرح ہے" صرف اس کے اشاروں پر چلنا اس کے حکم کا ماننا ہی اس کا فرض ہے۔ ان باتوں کا غلط اثر یہ پڑا کہ عورت "گرفتارِ خانہ" ہو کر رہ گئی۔ وہ اپنے لیے کچھ نہیں کر سکی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اسی لیے کسی بھی مصیبت کے وقت اُسے اپنے دل پر جبر کرنا پڑا یا اپنی قسمت کو مذہبی باتوں اور سماجی روایتوں سے وابستہ کر کے صبر کرنا پڑا۔ جس کی وجہ سے وہ کبھی معاشی طور پر آزاد نہیں ہو سکی۔

اِن مسائل کو سلجھانے کے سلسلے میں ہندوستان کی تحریک آزادی کے ساتھ بہت سی اصلاحی تحریکیں بھی شروع ہوئیں اور عورتوں کے مرتبہ کو بلند کرنے کی کوشش کی گئی۔ پریم چند نے بھی ان مسائل کو اپنے ناولوں کے ذریعہ پیش کیا اور اُن اصلاحی کاموں کی اہمیت کو اپنے خاص انداز اور نظریہ کے مطابق پیش کر کے اس کام کی اہمیت کا اظہار کیا۔ انھوں نے گری ہوئی عورتوں کے سلسلے میں طوائف کے مسئلہ کو جس طرح پیش کیا ہے وہ اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہے۔

پریم چند نے بازارِ حسن میں اس مسئلہ کو کسی حد تک تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ویسے تو بازارِ حسن کی کہانی کی ابتدا جہیز کی بُری رسم سے ہوئی۔ لیکن پریم چند نے اسے عورت کی سماجی اہمیت اور وقار کو ختم کرنے والے اسباب میں سے ایک سبب کے طور پر پیش کیا ہے۔ اسی لیے کہانی کے ارتقا کے ساتھ ناول کا موضوع طوائف اور گری ہوئی عورتوں کا مسئلہ بن جاتا ہے اور یہی مسئلہ آخیر تک ناول پر حاوی رہتا ہے انھوں نے اس ناول میں تفصیل کے ساتھ اسے پیش کیا ہے۔ کہ سماج میں اس طرح کی عورتوں کو کس نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔

کہانی سمن کی شادی کی تیاریوں سے شروع ہوتی ہے۔ اس کے باپ کرشن چند تھانیدار تھے۔ لیکن انھوں نے رشوت لے کر پیسہ جمع نہیں کیا تھا کہ اپنی دونوں لڑکیوں سمن اور شانتا کی شادی کر سکتے۔ جب سمن پندرہ سال کی ہو گئی تو ان کو اس کی شادی کی فکر ہوئی۔ جہیز کے بغیر اچھا شوہر نہیں مل سکتا تھا۔ اس لیے انھوں نے رشوت لی۔ جس میں وہ پکڑے گئے اور سزا ہو گئی۔ سمن کی ماں گنگا جلی کے پاس کچھ نہیں تھا۔ اس کے ایک رشتے کے بھائی اما ناتھ نے آکر سمن کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

شادی کرادی۔ اور دوسری بہن، شانتا اور اس کی ماں گنگا جلی کو اپنے ساتھ لے کر چلے گئے۔
سمن ایک خوددار لڑکی تھی۔ وہ گجا دھر سے بددل تو ضرور تھی کہ وہ غریب تھا۔ مگر اس کی غربت سے زیادہ وہ اس کی بدمزاجی سے عاجز تھی۔ اس کو نہ دولت ملی اور نہ پیار۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ اپنی زندگی سے مطمئن کیسے ہو سکتی تھی۔ وہ ان تمام باتوں کو برداشت کر سکتی تھی اور کرتی بھی رہی۔ لیکن جس وقت گجا دھر نے اس کی عصمت پر شک کیا اور اس کی بے عزتی کی تو وہ اس کو نہیں برداشت کر سکی اور گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ اس کی زندگی میں بڑے بڑے حادثے رونما ہوئے۔ وہ دل کی شریف خدمت گزار اور محبت کرنے والی عورت تھی۔ مگر ساتھ ہی اطمینان کی زندگی بھی گذارنا چاہتی تھی۔ سمن گھر سے نکل کر اپنی سہیلی کے گھر پناہ لیتی ہے لیکن دو ہی دن بعد اس کو وہ گھر بھی چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ لوگ اس کی سہیلی سبھدرا کے شوہر شرماجی کو الزام دینے لگے کہ انھوں نے اُسے "گھر بٹھالیا" ہے۔ سمن شرماجی کے یہاں سے نکل کر بازارِ حسن میں بھولی کے یہاں چلی جاتی ہے۔ جس کا گھر اس کے اپنے گھر کے سامنے تھا۔ کبھی کبھی وہ بھولی کو رشک کی نگاہوں سے دیکھا کرتی تھی کہ وہ کتنے عیش و آرام کی زندگی گذارتی ہے اور کس طرح مرد اس کی چوکھٹ پر آکر ماتھا گھستے ہیں۔ بھولی اُسے پناہ دیتی ہے۔ وہ کچھ دنوں میں گانا بجانا سیکھ کر شہر کی مشہور طوائف بن جاتی ہے۔ اس کے اس زندگی کو اپنا لینے سے شرماجی کو اپنی ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے اور وہ شہر کے دوسرے لیڈروں کے ساتھ مل کر طوائفوں میں اصلاح کی ایک تحریک چلاتے ہیں جس کے تحت ایک آشرم کھول دیا جاتا ہے۔ اسی میں یہ لوگ مختلف کاموں پر لگا دی جاتی ہیں۔ سمن اپنی بہن شانتا کو لے آتی ہے اور کوشش کر کے اُسی لڑکے سے اُس کی شادی کرادیتی ہے جو اس کے دروازے سے بارات واپس لے کر چلا گیا تھا اور خود بھی انھیں کے ساتھ دریا کے کنارے ملاحوں کی ایک بستی میں رہنے لگتی ہے۔ لیکن چند ہی دنوں میں شانتا اس کو شک کی نگاہ سے دیکھنے لگتی ہے اور اس بستی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں جب لوگوں کو یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ طوائف تھی تو لوگ اس کے گھر کا پانی پینا چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح کی اور اذیت ناک باتیں ایک رات اس کو ایک انجانی راہ پر چلنے کے لیے مجبور کر دیتی ہیں اور وہ راہ سادھو گجا دھر کی کٹی تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اس کے قائم کیے ہوئے آشرم میں گری ہوئی عورتوں کی تعلیم و تربیت دینے کا کام کرنا شروع کر دیتی ہے۔

بازارِ حسن کے سلسلے میں ناقدین میں اختلاف ہے کہ ناول طوائف کے مسئلہ پر ہے یا نہیں۔ براہ راست تو ناول طوائف کے مسئلہ پر نہیں لکھا گیا ہے لیکن دوسرے مسائل کی بنا پر یہ بات ضرور سامنے آتی ہے کہ عورتیں وہ راستہ کیوں اختیار کر لیتی ہیں۔ ڈاکٹر رام رتن بھٹناگر اس بات سے اختلاف کرتے ہیں۔ اور بازارِ حسن کا بنیادی مسئلہ طوائف کی زندگی کو قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ :-

"ہندی اور اردو میں طوائف کی زندگی پر بہت کافی لکھا جا چکا تھا۔ مگر ان سب رچناؤں میں طوائف جوانوں کو راستہ سے بھٹکاتی اور سچ مچ کاجل کی کوٹھری بن جاتی ہے —— طوائف کی زندگی کی بھرپور اور ہمدردی کے ساتھ تصویر کشی پہلی بار سیوا سدن میں ہی سامنے آتی ہے۔ اس وقت بنارس اور دوسری جگہوں پر چوک سے طوائفوں کو ہٹانے کے لیے اندولن ہو رہے تھے۔ اور پریم چند نے وہیں سے تاثر حاصل کیا تھا۔"[1]

بہرحال بنیادی طور پر ناول کا موضوع یہ ہو یا نہ ہو۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پریم چند نے اس مسئلہ کو اٹھایا ہے اور اس پر بحث کی ہے۔ ڈاکٹر رام بلاس شرما کے خیال میں بازارِ حسن کا مسئلہ ہندوستانی

---

[1] کلاکار پریم چند (ہندی) ڈاکٹر رام رتن بھٹناگر ص ۱۶۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عورت کی غلامی ہے۔

بے جوڑ شادیاں۔ غلط شوہر پرستی اور ذہنی اختلاف - خاندان میں جھگڑے کی جڑ بنتے ہیں۔ اور ان جھگڑوں میں عورتیں ہی کچلی جاتی ہیں۔ عورت کی اپنے حالات اور مسائل پر قابو پانے کی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر رام بلاس شرما نے لکھا ہے کہ:-

"اس حالت میں کتنی عورتوں نے مار نہیں کھائی شوہر کی گالیاں نہیں سنیں لیکن بیسویں صدی کے بھارت سماج میں دھیرے دھیرے ایک تبدیلی ہو رہی تھی سامراج وادی سرمایہ داری کے جوئے کے نیچے جنتا کسمسانے لگی تھی۔ اور سماج کا سب سے پست حصہ" عورت ملکی غلامی اور گھریلو غلامی دونوں سے پسی ہوئی عورت آزادی کے لیے ہاتھ پیر پھیلانے لگی تھی"[1]

سمن نے اپنی زندگی، اپنے شوہر اور نئے گھر کے بارے میں جو کچھ سوچا تھا۔ اور جو محل تعمیر کئے تھے وہ سب ریت کی دیوار کی طرح زمین پر آ رہے، وہ عشرت کی تمنائی تو نہ تھی لیکن یہ ضرور چاہتی تھی کہ اپنے ہمسائیوں اور ہم عمروں میں کسی طرح کمتر نہ سمجھی جائے لیکن اس کا تنگ نظر اور غریب شوہر اس کی اتنی کیسی خواہش پوری نہ کر سکا۔ سمن دوسری عورتوں کو دیکھتی تھی کہ وہ کتنی خوش ہیں آرام سے رہتی اور ان کے شوہر ان سے کتنی محبت کرتے ہیں تو وہ ایک عجیب قسم کا کرب اور بے چینی محسوس کرتی۔ اس کا شوہر غریب تو تھا ہی۔ اس کے ساتھ ساتھ اس پر طرح طرح کے ظلم کرتا ہے اور تکلیف پہنچاتا ہے۔ جس سے تنگ آکر وہ گھر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اس میں بغاوت کا جذبہ تو ضرور ہے لیکن وہ خود سے گھر چھوڑنا نہیں چاہتی۔ وہ ہر طرح نباہنے کی کوشش کرتی ہے۔ سماج

---

[1] پریم چند اور ان کا یگ (ہندی) رام بلاس شرما صفحہ ۲۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے یہ مناظر اسے اور بھی تکلیف پہنچاتے ہیں کہ گری ہوئی عورتیں سوسائٹی میں زیادہ باعزت ہیں۔ بڑے بڑے لوگ ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں جہاں وہ کھانے کو نہیں پاتی ایک ایک خوشی کے لیے ترستی ہے۔ وہاں ان عورتوں کے لیے لوگ اپنی دولت لٹا دیتے ہیں۔

"اس نے دیکھا کہ بھولی کے سامنے صرف دولتمند ہی سر نہیں جھکاتے بلکہ سادھو جہاتما بھی اس کے شیدا ہیں۔ وہی عورت جس کو میں اپنی مذہبی ریاکاری سے زیر کرنا چاہتی ہوں یہاں ٹھاکر جی کے مقدس مندر میں عزّت اور تعظیم کے رتبہ پر بیٹھی ہوئی ہے۔ اور میرے لیے کہیں کھڑے ہونے کی بھی جگہ نہیں ہے۔" [1]

یہ بات اس کو تکلیف پہنچاتی ہیں اور وہ اپنی پاک بازی اور ذلّت کا بھولی کی ناپاکی اور عزّت سے مقابلہ کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ بھولی ایک طوائف تھی، اور اس کا مکان سمن کے مکان کے سامنے تھا۔ جس کے یہاں شہر کے تمام امیر و رئیس آتے تھے دن میں مذہب و اخلاقیات کا درس دینے والے مولوی اور پنڈت رات کی تاریکی میں اس کی چوکھٹ پر سر نیاز خم کرتے تھے سمن اکثر سوچتی کہ کسقدر خوش قسمت ہے وہ عورت اور کتنی اس کی عزّت ہے۔ اس کے بر خلاف اس کی اپنی زندگی میں نہ دولت ہے اور نہ ہی شوہر کا پیار وہ اپنی ان محرومیوں کو اگر چند لمحوں کے لیے بھلانے کے لیے کبھی اپنی سہیلی سبھدرا کے یہاں چلی جاتی تو گجادھر برا مانتا طرح طرح کے شک کرتا اور اپنے دل میں اسے بدچلن اور بدکردار قرار دیتا پھر کچھ ہی دنوں بعد جب وہ اپنی سہیلی کے گھر ھولی کی پوجا کے سلسلے میں زیادہ دیر رک جاتی ہے۔ اور رات گئے گھر واپس آتی ہے تو شوہر کے خوف کی وجہ سے گھر کے اندر جانے کی ہمّت نہیں

---

[1] بازار حسن پریم چند صفحہ ۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پڑتی۔ وہ دروازے پر کشمکش کے عالم میں کھڑی رہتی ہے کہ اندر جائے گی تو مار کھانا پڑے گی۔ گالیاں ملیں گی اور نہ جانے کیا گت بنے۔ وہ اس کشمکش و پیچ میں گرفتار تھی کہ گشتی پولیس کے سپاہی ادھر سے گذرتے ہیں وہ اُن کے خوف سے دروازے پر دستک دیتی ہے۔ گجادھر دروازہ کھولتا ہے۔ وہ اندر چلی جاتی ہے لیکن غصّہ میں گجادھر اس پر برس پڑتا ہے اور اس پر آوارگی اور بدچلنی کا الزام لگاتا ہے۔ وہ اس کو یقین دلاتی ہے کہ وہ وکیل صاحب کے یہاں تھی اس پر گجادھر اور زیادہ آوارگی کا طعنہ دیتا ہے۔ جس کو سُن کر سمن غصّہ سے بے تاب ہو جاتی ہے اس کے پاس صرف یہی عزت ناموس کی چادر تھی جس کی بنا پر وہ زندہ تھی مگر جب اس پر کبھی گجادھر نے زبردستی سیاہی لگانا چاہی تو وہ بپھر جاتی ہے گجادھر کے گھر سے نکل جانے کے حکم پر وہ کہتی ہے۔

"کیا تم میرے ان داتا ہو، جہاں مزدوری کروں گی وہیں پیٹ پال لوں گی" سمن جیسی مغرور عورت یہ ذلّت نہ برداشت کر سکی۔ گھر سے نکالنے کی دھمکی نے اس کے خوفناک ارادوں کو پورا کر دیا۔ وہ فیصلہ کن انداز میں بولی "اچھا لو جاتی ہوں" مگر وہ پھر ٹھٹھک گئی۔ لیکن گجادھر نے اس کے کپڑے اور گہنے کی بکسیا بھی اُسے تھما دی۔ لیتی جا اس کی یہاں ضرورت نہیں ہے..... اس نے روتے ہوئے کہا میں کیا کروں گی زیور اور کپڑے مگر گجادھر نے وہ بکسیا باہر پھینک دی۔ ۵۱

سمن اس کو منانے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن اس نے ایک نہ سنی اور سخت سے سخت الفاظ کہے۔ "جاؤ اب منہ نہ دکھانا،، ۵۲ گجادھر کے

---

۵۱ بازارِ حسن پریم چند ص ۴۶

۵۲ بازارِ حسن پریم چند ص ۴۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ان الفاظ سے سمن کو بہت تکلیف ہوئی اور اس نے سوچا۔

"کیا میں ایسی بدنصیب ہوں کہ میرا منہ بھی دیکھنا نہیں چاہتے
کیا سنسار میں سب عورتوں کے شوہر ہوتے ہیں۔؟ کیا بیکس
عورتیں نہیں ہوتیں۔ میں بھی بیکس ہوں مزدوری کروں گی
بھیک مانگ کر کھاؤں گی مگر انھیں کبھی منہ نہ دکھاؤں گی"[لہ]

اس طرح ایک نیک اور اچھی عورت حالات سے مجبور ہو کر غلط زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ سمن میں ایک آسودہ اور خوش حال زندگی گذارنے کی خواہش ضرور تھی مگر اس نے شوہر کے حالات سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ وہ ہر طرح سے گجادھر کے ساتھ زندگی گذارنے اور تکلیفیں اٹھانے پر راضی۔ لیکن زبردستی گھر سے نکال دیے جانے کے بعد دوبارہ وہ سر نہ جھکا نہ سکی۔ گھر سے نکلنے کے بعد سمن دو دن اپنی سہیلی کے پاس رہتی ہے۔ لیکن جب لوگ شرما جی پر انگلیاں اٹھانے لگتے ہیں تو وہ ان کا بھی گھر چھوڑ دیتی ہے اور اسی طوائف بھولی بائی کے گھر پناہ لیتی ہے جس کا گھر اس کے گھر کے سامنے تھا اور جس کو روزانہ وہ اٹھتے بیٹھتے دیکھتی تھی۔

ڈاکٹر اندرناتھ مدان نے لکھا ہے کہ

"ایک چھوٹی سی ناؤ سمندر میں بہنے
کے لیے چھوڑ دی جاتی ہے۔ ایک بے سہارہ
لڑکی کے لیے ہندو سماج میں کوئی جگہ نہیں ہے
سمن طوائف بننے کے لیے مجبور ہو جاتی ہے"[لے]

پریم چند نے بڑی خوبصورتی سے اس مسئلہ کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا ہے اور اس بات کو دکھانے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے سماج میں شوہر و بیوی کے درمیان

لہ بازار حسن پریم چند صفحہ ۴۶

لے پریم چند ایک ودیچن۔ (ہندی) ڈاکٹر اندرناتھ مدان صفحہ ۴۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ذرا سی بدگمانی کس حد تک خرابیاں پھیلا سکتی ہے۔ اس ناول میں پریم چند نے نفسیاتی پہلوؤں کی روشنی میں معاشرے کی خرابیوں کو ان کے اسباب و علل کے ساتھ پیش کیا ہے اور ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے سمن کے بارے میں لکھا ہے کہ

"سمن کی باتوں میں جو تلخی اور تیزی ہے وہ بڑی حد تک ان حالات و حوادث کی دین ہے جن سے وہ دو چار ہوئی لیکن اس کی شخصیت کی تعمیر میں اس کی اپنی جبلت بھی شامل رہی ہے"۔ (بقول مصنف (بازار حسن صفحہ ۴) وہ بچپن میں چنچل، شریر، متکبر اور نفاست پسند تھی") یہ اوصاف بھی اپنی بدلی ہوئی صورت میں اس کی شخصیت کے خدوخال میں نمایاں ہیں"۔ [۵۱]

یہ بات صحیح ہے لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ سمن میں حالات کے مطابق اپنے کو ڈھال لینے کا مادہ بھی ہے وہ اگر کبھی تیز اور گستاخ ہو جاتی ہے تو دوسرے حالات میں معمولی طور پر گذر کرنے کو بھی تیار رہتی ہے۔ بشرطیکہ اس سے نفرت نہ کی جائے۔ وہ جب حالات سے بالکل مجبور ہو جاتی ہے تو بازار حسن میں آنے کا اقدام کرتی ہے۔ اور صرف وہ ہی نہیں عام طور پر عورتیں مجبور ہو کر ہی اس قسم کی زندگی گذارتی ہیں۔ جب زندگی ان پر تنگ ہو جاتی ہے۔ جب سماج میں ان کی کوئی جگہ نہیں رہتی ذلت آمیز جگہ ان کی پناہ گاہ بن جاتی ہے۔ کوئی محض تفریحاً ذلت کی زندگی گذارنا نہیں چاہتا۔ ان حالات پر پریم چند نے۔ ایک طوائف سبھولی کے الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔ اور سماج کے بنائے ہوئے اصولوں پر تنقید کی ہے۔ وہ سمن کو پناہ دینے کے بعد اس کو سمجھاتے ہوئے کہتی ہے۔

"یہ بیہودہ رواج ہمیں لوگوں میں ہے کہ عورتوں کو اتنا

---

[۵۱] پریم چند کا تحقیقی مطالعہ ڈاکٹر قمر رئیس صفحہ ۲۰۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ذلیل سمجھتے ہیں نہیں تو اور سب ملکوں میں عورت آزاد ہے۔ اپنی پسند سے شادی کرتی ہے اور جب اُسے راس نہیں آتی تو چھوڑ دیتی ہے۔ لیکن ہم لوگ وہی پرانی لکیر کے فقیر ہیں،، ؎۱

بھولی اس کو اپنے بازارِ حسن میں آنے کا قصہ سناتی ہے اور بتاتی ہے کہ وہ بھی مجبوراً یہاں آئی تھی اس کے ماں باپ نے اس کی شادی ایک بوڑھے سے کر دی تھی چھ مہینے وہ مصیبت جھیلتی رہی اس کے بعد وہ گھر سے نکل آئی جس وقت وہ گھر سے نکلی تھی اس کو اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ پھر وہ یہاں آگئی جہاں کے لیے کہتی ہے کہ:

"اچھے اچھے خوشامد کرنے لگے۔ تھوڑا گانا سیکھا تھا تھوڑا اور سیکھ لیا بس سارے شہر میں دھوم مچ گئی۔ یہاں کون رئیس کون مہاجن کون مولوی کون پنڈت کون افسر ایسا ہے جو میرے تلوے سہلانے میں اپنی عزت نہ سمجھے۔ مندروں میں ٹھاکر دواروں میں روضوں پر میرے مجرے ہوتے ہیں۔ لوگ منتیں کر کے مجھے لے جاتے ہیں۔ اس کو میں اپنی بے عزتی کیسے سمجھوں۔ ابھی جھوٹوں کہلا بھیجوں تو تمہارے کرشن جی مندر کے مہنت جی دوڑے ہوئے چلے آئیں۔ اگر کوئی اسے بے عزتی سمجھے تو سمجھا کرے،، ؎۲

اس طرح پریم چند نے اس ناول میں ان مسائل کو اٹھایا ہے جس کے تحت کوئی عورت طوائف کی زندگی گذارنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ دراصل معاشی غلامی اور سماجی روایات کی کہنہ زنجیریں ہی عورت کو بدکرداری اور کج روی کے

؎۱ بازارِ حسن پریم چند صفحہ ۵۵

؎۲ ،، ،، صفحہ ۵۵

 CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

راستہ پر لگاتی ہیں اور اس غار میں ایک بار گرنے کے بعد اٹھنا بے حد مشکل ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کی شکل ایک دلدل کی سی ہے عورت جس میں دھنستی ہی چلی جاتی ہے۔ سمن کے بارے میں لکھتے ہوئے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے لکھا ہے کہ اس کے سامنے ان حالات میں صرف تین راستے تھے۔

(۱) "خودداری اور احساس نفس کا خون کر کے ظالم شوہر کی منت کرنا اور اس کے بے سروسامان گھر میں قدم رکھ کر پھر ان بیڑیوں کو پہن لینا جو ٹوٹ چکی ہیں۔

(۲) اپنی زندگی گنگا کی مقدس لہروں کے سپرد کر دینا۔

(۳) اور بھولی بائی کی طرح بازار حسن کی زینت بن کر سماج سے اس کے ظلم و جبر کا انتقام لینا۔ جو اس کے ساتھ روا رکھا گیا"[۹ لے]

پہلے دونوں راستوں کو وہ اس لیے نہیں اپناتی کہ وہ بزدلی اور پست ہمتی کے راستہ ہیں۔ وہ زندگی کو زیادہ عظیم سمجھتی ہے۔ اس کی خودداری انا اور آزاد پسند طبیعت کے خلاف ہے کہ وہ ناجائز دباؤ بے انصافی اور ظلم و جبر کے سامنے سر جھکائے۔ اس لیے وہ بھولی بائی کے طبقے میں جا کر شریک ہو جاتی ہے۔

سمن کے اس طرح بازار حسن میں چلے جانے اور بھولی بائی کے گھر پناہ لینے کی اطلاع جب شرما جی کو ملتی ہے تو وہ بہت پریشان ہوتے ہیں۔ اور سوچتے ہیں کہ اگر انھوں نے بڑے وقت میں اس کو سہارا دیا ہوتا تو شاید یہ نوبت نہ آتی۔ وہ خود کو اس سلسلے میں گنہگار سمجھتے ہیں۔ اور شہر کے ایک قومی رہنما بٹھل داس کے پاس جا کر ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ کہ اس کو وہاں سے کسی صورت

۹لے پریم چند کا تحقیقی مطالعہ ڈاکٹر قمر رئیس صفحہ ۲۰۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نکالنے کی کوشش کی جائے۔ بٹھل داس سمن سے مل کر اس کو سمجھاتے ہیں کہ تم برہمنی ہو تمہارے اس عمل سے سارے ہندو دھرم کا سر جھک گیا ہے

اس کے جواب میں پریم چند نے سمن کی زبان سے جو باتیں کہلائی ہیں۔ وہ سماج کی بہت سی کمزوریوں کو بے نقاب کر دیتی ہیں۔ وہ ساری گری ہوئی عورتوں کی وکالت کرتی ہے۔ اور ان کے مقدمہ کو قوم کے رہنما کے سامنے پیش کرتی ہے۔ وہ ان کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے جو کچھ کہتی ہے اس میں ہمارے بگڑے ہوئے معاشرے کی تصویر صاف نظر آتی ہے۔

"ابھی کئی صاحب یہاں سے مجرا سن کر گئے ہیں۔ سبھی ہندو تھے۔ لیکن کسی کا سر نیچا نہیں معلوم دیتا تھا۔ وہ میرے یہاں آنے سے بہت خوش نظر آتے تھے۔ پھر اس منڈی میں ایک میں ہی برہمنی نہیں ہوں۔ دو چار کے نام ابھی لے سکتی ہوں۔ جو بہت اونچے خاندان کی ہیں۔ پر گھر میں اپنا نباہ نہ دیکھا تو مجبور ہو کر یہاں چلی آئیں۔ جب ہندو قوم کو خود ہی شرم نہیں ہے تو پھر ہم جیسی بے کسی عورتیں کیا مدد کر سکتی ہیں۔" [۱]

بٹھل داس اس کو مذہب اور دھرم کی باتیں بتاتے ہیں۔ ایک برہمن عورت کے فرائض بتاتے ہیں لیکن ان حالات پر غور نہیں کرتے کہ برہمن عورت بازار حسن میں کیوں آجاتی ہے۔ انھیں کے ہم عصر رہنما اور لیڈر بازار حسن میں آکر داد عیش دیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ایک نئی اور حسین عورت کا اس بازار میں اور اضافہ ہوا۔ دن کی روشنی میں بڑے بڑے قشقہ و جبہ و دستار والے جو مذہب، فقہ، شرع، شاستر اور پرانوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ بد عملی اور بد کرداری کے گناہ و عذاب پر تقریریں کرتے ہیں۔ نرک اور دوزخ کی آگ سے

---

[۱] بازار حسن پریم چند صفحہ ۹۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈراتے ہیں وہی شام کو بازارِ حسن میں سمن، بھولی بائی۔ اور اس طرح کی دوسری طوائفوں کے بالاخانوں کے چکر لگاتے ہیں۔ اور اُن کے قدموں پہ سر رکھتے ہیں۔

جس وقت بٹھل داس سمن کو سمجھاتے ہیں تو پہلے تو وہ بھی دلیلیں پیش کرتی ہے۔ لیکن اس احساس کے تحت کہ شائد ان کو یہ خیال ہو کہ میں نے یہ پیشہ صرف عیش و عشرت کے لیے اختیار کیا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ

" آپ سوچتے ہوں گے کہ میں نے عیش کی آرزو میں اس کوچے میں قدم رکھا ہے۔ پر یہ بالکل غلط ہے۔ میں ایسی اندھی نہیں ہوں کہ بُرے بھلے کو پہچان نہ سکوں۔ میں یہ جانتی ہوں کہ میں نے بہت شرمناک فعل کیا ہے۔ لیکن میں مجبور تھی میرے لیے اور کوئی راستہ نہ تھا۔

آپ اتنا تو جانتے ہیں کہ دنیا میں سب کا مزاج یکساں نہیں ہو سکتا ہے۔ کوئی اپنی بے عزتی سہ سکتا ہے۔ کوئی نہیں سہ سکتا۔ میں اونچے خاندان کی لڑکی ہوں۔ والدین کی غلطی سے میری شادی ایک پھٹے حال گنوار سے ہو گئی۔ لیکن غربت میں بھی مجھ سے بے عزتی نہیں برداشت ہوتی تھی جن کی بے عزتی ہونی چاہیے۔ ان کی عزت دیکھ کر میرا کلیجہ کباب ہو جاتا تھا۔ میں اندر ہی اندر اس آگ سے جلتی تھی۔ کبھی کسی سے اپنی تقدیر کا شکوہ نہ کرتی تھی۔" [1]

وہ سارے حالات بیان ضرور کرتی ہے۔ لیکن پھر سوچتی ہے کہ اتنے دنوں میں اس نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ اور آخر میں اس کو احساس ہوتا ہے کہ اب تک وہ صرف کھوتی ہی رہی ہے۔ پہلے اس کو جسمانی تکلیف تھی۔ ضروریات کی چیزیں اس کو نہیں ملتی تھیں۔ شوہر ظلم کرتا تھا۔ ذرا سی خطا پہ پٹینا شروع کر دیتا تھا

---

[1] بازارِ حسن پریم چند صفحہ ۹۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور اس کے چال چلن پر شک کرتا تھا۔ لیکن اب تو ساری دنیا ہی اس کو گری ہوئی نظر سے دیکھتی ہے۔ لوگ بیہودہ اشارے کرتے ہیں۔ راستہ چلتے انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا۔ کہ یہاں آکر یوں رسوا اور ذلیل ہونا پڑیگا۔ اگر پہلے اس کا خیال بھی آجاتا تو شاید وہ کبھی ادھر نہ آتی۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت شرماجی اور ہٹھل داس وغیرہ بازارِ حسن کو ختم کرانے کے سلسلے میں جد و جہد شروع کرتے ہیں۔ تو سمن ان کا ساتھ دیتی ہے۔ بازارِ حسن اس کی باطنی شرافت کی خصوصیات کو ختم نہیں کر سکا تھا۔ اسی سبب سے اُس کے بارے میں یہ کہنا کہ اس بازار میں اسے اس کا جذبہ عیش و عشرت لایا تھا قطعاً غلط ہے۔ وہ صرف یہی نہیں کہ خود مصلحین قوم کا ساتھ دیتی ہے بلکہ دوسری ہم پیشہ عورتوں کو بھی اس تحریک کا ساتھ دینے کے لیے تیار کرتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ اس کو باعزّت طور پر زندگی گذارنے کے لیے ایک جگہ اور کوئی ایسا کام مل جائے جس کے ذریعہ سب روکھی سوکھی کھاکر عزّت کے ساتھ زندگی گذار سکیں۔

یہ بازارِ حسن جو کہ دالمنڈی کے نام سے مشہور تھا شہر کے وسطی علاقہ میں تھا۔ اس لیے سبھل داس اس کی تجویز رکھتے ہیں۔ کہ اس کو یہاں سے ہٹادیا جائے۔ کیونکہ یہ سجا سجایا بازار نوجوانوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ وہ شرماجی سے کہتے ہیں۔

"ہم دُکان کو سجاتے ہیں اپنے بھولے بھالے سادہ لوح نوجوانوں کے لیے۔ گڑھے کھود دیتے ہیں اُن کے سوئے ہوئے جذبات کو جگاتے ہیں معلوم نہیں یہ بیہودہ رواج کیونکر پڑا۔ جہاں کتب خانہ اور اخلاقی تحریکات کے مرکز ہونے چاہئیں وہاں ہم حسن کا بازار سجاتے ہیں۔" [1]

اصلاح کی ان کوششوں میں پدم سنگھ زیادہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔

---

[1] بازارِ حسن پریم چند صفحہ ۱۲۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہ زبانی ہی نہیں بلکہ عملاً بھی اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جنس کے خریدار ہی اُسے بازار میں لانے کا باعث ہوتے ہیں۔ اگر کوئی گوشت نہ کھائے تو بکرے کی گردن پر کیوں چھری چلے۔ ۱ے

پدم سنگھ اپنے بھتیجے کی شادی میں طوائفوں کے ناچ کی سخت مخالفت کرتے ہیں۔ اس طرح عورتوں کا ناچنا عورت ذات کی ذلّت ہے۔ دوسرے وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس طرح اس پیشے کو اور بڑھاوا ملتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ :-

"یہ سینکڑوں عورتیں جو بالا خانوں پر بیٹھی نظر آتی ہیں جنھوں نے اپنی شرم و عفت بیچ دی ہے ان کی زندگی کو تباہ کرنے والے ہم ہی لوگ ہیں۔ وہ ساری قومی اور مجلسی برائیاں جو اس بے شرمانہ زندگی کا نتیجہ ہیں ان کے ذمہ دار ہمیں لوگ ہیں۔ وہ ہزاروں خاندان جو آئے دن اس نفسانیت کے بھنور میں پڑ کر تباہ ہوتے رہتے ہیں۔ ایشور کے دربار میں ہمارا دامن پکڑیں گے اس وقت ہم کو کوئی جواب نہ سوجھے گا۔ جس رواج سے ایسے خطرناک و مہلک نتائج پیدا ہوں اُسے ترک کرنے میں ہم کو مطلق پس و پیش نہ ہونا چاہیے۔ انسان خیال کا پتلا ہے۔ خیال ہی ارادے اور فعل کا محرک ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایسی مجلسوں میں ہمارے خیالات پر کوئی اثر نہیں پڑتا جس فعل کا لازمی نتیجہ تخریب ہو گیا اس سے محترز رہنا اچھی بات نہیں" ۲ے

اس کے بعد پدم سنگھ نے اپنی کوششوں کو اور بھی زیادہ تیز کر دیا وہ

۱ے بازارِ حسن پریم چند صفہ ۲۵
۲ے " " " صفہ ۲۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چاہتے تھے کہ کسی صورت سماج کے ماتھے کا یہ کلنک جلد از جلد دور ہو جائے۔ اسی لیے انھوں نے میونسپل بورڈ کے سامنے اپنی ایک تجویز پیش کی کہ

۱۔ طوائفوں کو شہر کے مرکزی مقام سے ہٹا کر بستی سے دور رکھا جائے۔

۲۔ انھیں شہر کی خاص سیر گاہوں اور باغوں میں آنے کی ممانعت کر دی جائے۔

۳۔ رقص کی محفلوں پر ایک شدید ٹکس لگایا جائے اور ایسے جلسے کسی حالت میں کھلے مقامات پر نہ کیے جائیں۔"

ان کی اس سخت تجویز سے ایک پہلو یہ بھی نکلتا تھا کہ اس کا سبب طوائفوں سے نفرت ہے کہ انھیں تمام شہری حقوق سے محروم کر دیا جائے اس بات کی صفائی کے لیے پدم سنگھ نے تجویز پیش کرنے کے بعد ایک جامع تقریر کی اور اس میں انھوں نے یہ بتایا کہ وہ صرف شہر اور شہریوں کی اصلاح کے لیے یہ اقدام کرانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ

"ہم نے اس اخراج کی تجویز اس لیے نہیں کی ہے کہ ہمیں ان عورتوں سے نفرت ہے ہمیں ان سے نفرت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے یہ ان کے ساتھ سخت بے انصافی ہوگی یہ ہماری ہی ہوس رانیاں ہماری ہی تمدنی برائیاں ہمارے ہی مذموم رسم و رواج ہیں جنھوں نے یہ مجسم صورت اختیار کرلی ہے یہ بازار حسن ہماری پُر داغ معاشرت کا عکس۔ ہماری ہی شیطانی گمراہیوں کی زندہ تصویر ہے۔ ہم کس منہ سے انھیں حقیر سمجھیں ان کی حالت واقعی قابلِ رحم ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم انھیں راہِ راست پر لائیں ان کی اصلاح کریں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ شہر سے باہر مکروہات اور ترغیبات سے دور رہیں" لہ

لہ بازارِ حسن پریم چند صفہ ۱۰۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس طرح پریم چند سماج کی اصلاح اور عورتوں کی گری ہوئی حالت کے سدھار کے لیے ناول میں کچھ عملی اقدامات تجویز کرتے ہیں۔ وہ طوائفیت کے خلاف ہیں اور نہیں چاہتے کہ عورت جو کہ بیوی ہے۔ محبوبہ ہے۔ ماں ہے اور بہن ہے۔ اس طرح اپنی عزت و عصمت کا سودا کرنے۔ وہ حالات کو سمجھنے کے لیے ایک ترقی پسند ذہن رکھتے ہیں۔ کچھ پرانی روایات اور نظریات کے شیدائی ہونے کے باوجود وہ ترقی پسند ہیں اور مسائل کو سلجھانے کے لیے زمانہ کی بدلتی ہوئی حالت پر نگاہ رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عورت کو طوائف بن جانے پر ملزم نہیں قرار دیتے بلکہ اس کے حالات فرسودہ روایات اور اقتصادی کمزوریوں کو الزام دیتے ہیں۔ اور اس کا سدھار کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ ان حالات کو ختم ہونا چاہیے جن کے تحت عورت طوائف بننے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ اور یہ حالات ہمارے سماج کی فرسودہ رسمیں پیدا کرتی ہیں۔ کہیں جہیز ایک لعنت بن کر سامنے آتا ہے کہیں عمروں اور ذہنوں کا فرق اور کہیں بیوہ کے ساتھ ناانصافی۔ اور پھر یہ برائی جادو کی طرح سر چڑھ کر بولتی ہے۔ بیچ شہر میں اور عام بازار میں بالاخانہ آراستہ کیے جاتے ہیں اور روسار کی تفریح کا سامان مہیا ہوتا ہے۔ شادی اور خوشی کے دوسرے موقعوں پر اس اخلاقی و تہذیبی گراوٹ کا کھلے عام مظاہرہ ہوتا ہے اور اس پر فخر کیا جاتا ہے۔ محبت سے محروم مصیبت میں بسر کرنے والی عورتیں ان عورتوں کی زندگی ان کے عشوے و غمزے اور ان کے نازبرداروں کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتی ہیں اور جب ان پر کوئی وقت پڑتا ہے تو وہ دور سے خوشنما اور دلکش نظر آنے والی اس زندگی میں آجاتی ہیں۔ یہاں اگر ان کو اس کی خرابیوں کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اس کا وقت گزر چکا ہوتا ہے اس لیے وہ اس سے نکل نہیں پاتیں۔ اور اگر نکلیں بھی تو جائیں کہاں کوئی انھیں گھر میں جگہ نہیں دیتا۔ شرفا کی آبادی میں وہ آباد نہیں ہو سکتیں ان کے لیے پھر وہی قعر مذلت رہ جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ان میں نیک و بد میں امتیاز کرنے کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تمیز ختم ہو جاتی ہو یا ان کے ضمیر کی آواز مردہ ہو جاتی ہو۔ بلکہ اگر ان کو سہارا دیا جائے تو وہ اِس زندگی سے نکل بھی سکتی ہیں اور نیک عورتوں کی طرح زندگی گذار سکتی ہیں۔ اس لیے کہ وہ خود اچھی زندگی گذارنا چاہتی ہیں۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جس وقت معزز شہریوں کی کوشش اور سمن کے تعاون سے یہ بازار ختم ہوتا ہے تو ایک جلسۂ عام میں طوائفیں تقریریں کرتی ہیں اور اس کا عہد کرتی ہیں کہ وہ اب گری ہوئی زندگی نہیں گذاریں گی۔ ان کے لیے سب سے بڑا مسئلہ ذریعہ معاش کا تھا۔ لیکن ایک طوائف محبوب جان کہتی ہے کہ:۔

"بہت دنوں تک ہم لوگوں نے عیش کیا گناہ کی زندگی بسر کی۔ اب اس قیدِ معصیت سے نجات ملی۔ وہ کہتی ہے کہ .... ہماری بہنوں کو قلق ہو رہا ہو گا۔ میری التجا یہ ہے کہ خدا نے رزق کا دروازہ کسی پر بند نہیں کیا ہے [۵]

ایک دوسری طوائف رام کھولی اپنی کجروی پر افسوس کرتی ہے۔ کہ اس نے اپنی زندگی اور حیوانی کا بیش قیمت سرمایہ کس طرح برباد کیا۔ اور وعدہ کرتی ہے کہ وہ اب عصمت کا سودا نہیں کریگی۔ وہ کہتی ہے۔

"......ہم نے ان کو اپنے دام میں نہیں پھنسایا خود ان کے دام میں پھنس گئے اس نے سیم و زر سے ہمیں خرید لیا اور ہم نے عصمت جیسی بے بہا جنس کھو دی آئندہ سے ہمارا یہ وطیرہ رہیگا جو کجروی کرے برادری سے الگ کر دیں گے"

سندر بائی کہتی ہے

"جو محض شہوت پرستی کے لیے آتا ہو اُسے دتکار دینا چاہیے۔ ہمیں اپنی عزت کوڑیوں نہ بیچنا چاہیے" [۶]

---

[۵] بازار حسن پریم چند ص ۱۲۷

[۶] بازار حسن پریم چند ص ۱۲۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس طرح پریم چند نے اس ناول کے نسوانی کرداروں کے ذریعہ دکھلایا ہے کہ گری ہوئی عورتوں کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ان میں اچھی اور باعزت زندگی گذارنے کا جذبہ ختم نہیں ہوتا۔ انھیں صرف مدد کی ضرورت ہے۔ اور آج ہمارا سماج ان کو مدد نہیں دے رہا ہے۔ بلکہ اسی دلدل میں اور دباتا جا رہا ہے۔ جو عورتیں اس سے نکلنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ان کو کبھی سہارا نہیں ملتا۔ اس کو انھوں نے آخر میں سمن کے کردار میں دکھایا ہے کہ جب وہ ملاحوں کی بستی میں اپنی بہن کے ساتھ رہنے لگتی ہے اور لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی زمانے میں ایک پیشہ ور عورت رہ چکی ہے۔ تو لوگ اس کے یہاں کا پانی پینا چھوڑ دیتے ہیں۔ خود شانتا کے سسرال کے لوگ جب آتے ہیں تو وہ سمن کے ساتھ رہنے پر اعتراض کرتے ہیں۔ جس کی بنا پر سمن اس گھر کو بھی چھوڑ دیتی ہے۔ اس کے بعد گجادھر کے ساتھ مل کر ایک آشرم چلاتی ہے۔ جہاں صرف طوائفوں کے بچوں اور بچیوں ہی کو نہیں بلکہ تمام جاہل عورتوں کو تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح پریم چند ان تمام دشواریوں کے باوجود یہ دکھاتے ہیں کہ عورت سدھر سکتی ہے اور اس کو زیادہ کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔

پریم چند اس میں یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ یہ عورتیں کسی خاص مذہب کی نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان میں ہندو اور مسلمان سب ہی ہیں۔ اگر ایک بھولی اور سندر بائی ہے تو دوسری محبوب جان اور ان کی دوسری ہم ملّت بہنیں۔ ڈاکٹر رام بلاس شرما نے لکھا ہے کہ :-

"پریم چند دکھاتے ہیں کہ عورت کی غلامی اور طوائفیت ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں ہے۔ وہ اسلامی تہذیب اور ہندو تہذیب کا ڈنکا بجانے والوں سے کہتے ہیں یہ ہے تمھاری تہذیب جو ہندو اور مسلمان دونوں ہی مذہبوں کی عورتوں سے طوائف کا کام کراتی ہے" [1]

---

[1] پریم چند اور ان کا یگ (ہندی) رام بلاس شرما صفحہ ۳۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس پوری بحث میں پریم چند نے عورت کی تباہی کے دو اسباب بتائے ہیں۔ شوہر سے نااتفاقی اور فرسودہ و بے جان روایات کی پابندی جس کے تحت مردوں اور عورتوں دونوں کو اپنے ضمیر اور خواہش کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف شوہر سے اختلاف اور ذہنی نااتفاقی سماج میں بہت خراب نتائج پیدا کرتی ہے۔ سمن یا سمن جیسی ہزاروں عورتیں صرف اس لیے طوائف بن جاتی ہیں کہ ان کے شوہر ان سے پیار نہیں کرتے۔ انھیں پیٹ بھر روٹی نہیں ملتی۔ ان کی حسرتوں اور آرزوؤں کا خون ہوتا ہے۔ ان کو ذلیل و رسوا کیا جاتا ہے اور ہر طرح ان کے ساتھ بُرا برتاؤ رکھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عزت و ناموس کے گھروں کو چھوڑ کر بے عزتی و رسوائی کے بالا خانوں میں پناہ لیتی ہیں۔

پریم چند نے اس مسئلے کو بہت اچھی طرح بازارِ حسن میں پیش کیا ہے۔ بعض جگہ ان کے نظریات سے اختلاف کرنے کی گنجائش ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر پریم چند جس مسئلے کو پیش کرنا چاہتے تھے اس میں پوری طرح کامیاب ہیں۔ پریم چند کے مطابق مرد، عورت کی تباہی اور طوائف بننے کا ذمہ دار ہے۔ وہ گجانند سے بھی اس کی خامیوں اور غلطیوں کا بالاعلان اعتراف کراتے ہیں۔ اس کا انداز اعتراف متاثر کرنے والا ہو یا نہ ہو لیکن اس بات کو ضرور ظاہر کرتا ہے کہ عورت کی تباہی میں شوہر کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ سمن کے برباد ہونے کے سلسلے میں گجانند خود کہتا ہے کہ

"میں ہی اس کی تباہی کا باعث ہوا۔ حسن و نفاست میں وہی تعلق ہے جو پھول اور اس کی بو میں۔ سمن کو مجھ سے محبت نہ تھی۔ اور نہ ہو سکتی تھی۔ پر وہ میری خاطر کرتی تھی۔ جس طرح کنگال آدمی دولت پا کر پھول اٹھتا ہے۔ اسی طرح حسین بیوی پا کر وہ وہم و شک کا شکار ہو جاتا ہے۔ میرا بھی یہی حال تھا۔ میں سمن سے بدگمان رہتا تھا اور اعلانیہ اس کا

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اظہار نہ کرکے اُسے جلایا کرتا تھا...... میں نے اس کے
ساتھ جو جو بدسلوکیاں کیں انھیں یاد کرکے آج اتنی کوفت
ہوتی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ زہر کھالوں" ۵

گجانند کو اپنی غلطی کا پوری طرح احساس تھا۔ اس نے کئی جگہ اس کا اعتراف کیا ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب گجانند کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ خود سمن کے پاس کیوں نہ گیا۔ شاید خود پریم چند کی نگاہ میں ایک ویشیا یا طوائف کو زندگی میں دوبارہ قبول کرنا ناممکن تھا۔

یہاں پریم چند کے نظریے کی کمزوری کا احساس ہوتا ہے۔ اسی لیے گجانند سمن کو طوائف بننے کے بعد قبول نہ کرسکا۔ حالانکہ وہ بار بار اس کا اعتراف کرتا رہا کہ اس کی ذمہ داری خود اس پر ہے اور صرف وہی سمن کی تباہی کا ذمہ دار ہے جب سمن کا باپ کرشن چند جیل سے چھوٹ کر آتا ہے اور اُسے ان باتوں کا علم ہوتا ہے تو اُسے سخت صدمہ ہوتا ہے۔ اُسے سادھو کے بھیس میں ایک شخص ملتا ہے جسے وہ پہچان لیتا ہے کہ وہ گجانند ہے۔ کرشن چند اس سے پوچھتا ہے کہ سمن کی بربادی کی اصل وجہ کیا ہے۔ اس کی یہ حالت کیسے ہوگئی تو گجانند اس کو جواب دیتا ہے۔

"اس کا سبب میری حماقت تھی۔ یہ میری بے رحمی اور
وحشیانہ برتاؤ کا نتیجہ تھا۔ وہ عورت دل کی رانی تھی۔ وہ اس
اس قابل تھی کہ کسی بڑے گھر کی مالکن بنتی۔ مجھ جیسا کمینہ
کم ہمّت ناشناس آدمی اس کے قابل نہ تھا۔ اس وقت
میری موٹی نگاہیں اس کی ذاتی خوبیوں کو نہ دیکھ سکیں تھیں۔
ایسی کوئی تکلیف نہ تھی کہ جو اس غریب کو میرے ساتھ نہ

---

۵ بازارِ حسن پریم چند صفحہ ۳۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اٹھانی پڑی ہوں۔ پر وہ کبھی آزردہ خاطر نہیں ہوئی۔ وہ میری عزّت
کرتی تھی۔ لیکن اس کا یہ برتاؤ دیکھ کر مجھے شبہ ہوتا تھا کہ وہ میرے
ساتھ دغا کر رہی ہے۔"[۵۱]

آخر میں گجانند سمن کے سامنے اپنی غلطیوں کا اعتراف کرتا ہے۔ اس کی اس وقت کی گفتگو سے ان حالات اور مسائل پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے جس کی وجہ سے ایک عورت جسم فروشی کا راستہ اختیار کرتی ہے۔ جس وقت سمن گجانند کے پاس اس کی کٹی میں پہنچتی ہے تو وہ کہتا ہے۔

"میں نے تمہارے ساتھ ظلم کیا۔ یہی ہماری مصیبتوں کا خاص سبب تھا۔ ایشور وہ دن کب لائیں گے۔ جب یہاں عورتوں کی قدر ہوگی۔ عورت میلے کچیلے پھٹے پرانے کپڑے پہن کر آدھے پیٹ روٹی کھا کر جھونپڑے میں رہ کر محنت مزدوری کر کے سب طرح کی مصیبتیں جھیل کر آرام سے زندگی بسر کر سکتی ہے۔ صرف گھر میں اس کی قدر ہونی چاہیے۔ اس سے پریم ہونا چاہیے۔ عزّت و پریم کے بغیر کوئی عورت محلوں میں بھی سکھ سے نہیں رہ سکتی۔"[۵۲]

آخیر میں سمن جب اپنی بہن کا گھر چھوڑ کر نکلتی ہے اور اچانک گجانند کے پاس پہنچ جاتی ہے جو کہ ایک آشرم چلا رہا تھا۔ تو وہ بھی اُسی کے ساتھ رہ جاتی ہے اور آشرم میں طوائفوں کی لڑکیوں اور دوسری عورتوں کو پڑھانے لکھانے دست کاری اور دوسری چیزیں سکھانے کی ذمّہ داری اپنے سر لے لیتی ہے۔ وہ بڑی محنت اور تندہی سے ان کو تعلیم دیتی ہے اور سلیقہ مند بنانے کی کوشش کرتی ہے وہ اس میں کامیاب بھی ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہاں گرمی ہوئی عورتوں اور لڑکیوں کے بجائے دوسری عورتیں دست کاری وغیرہ سیکھنے کے لیے آنے لگتی ہیں۔ سمن کو اس سلسلے

---

۵۱ بازارِ حسن پریم چند ص ۱۳۰ ۵۲ بازارِ حسن پریم چند ص ۲۹۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں بے حد کامیابی ہوئی لیکن ان کامیابیوں کے باوجود کبھی کبھی جب وہ اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی تو کانپ جاتی تھی اس کا خوف خود اپنی ذات کے لیے نہیں تھا بلکہ وہ فکرمند تھی کہ ان طوائفوں کی لڑکیوں کا کیا حشر ہوگا جو اس کے پاس دست کاری سیکھ رہی ہیں۔ سب سے اہم سوال پھر اپنی جگہ موجود تھا۔ سمن خود اپنی زندگی کا تجربہ رکھتی تھی اور وہ تجربہ بہت ہی تلخ تھا۔ بازارِ حسن چھوڑنے کے وقت اس نے سوچا تھا کہ وہ اب زیادہ پرسکون زندگی گذار سکے گی اور اتفاق سے جب سدن کے مل جانے کے بعد وہ شانتا سے اس کی شادی کرا دیتی ہے تو سوچتی ہے کہ باقی زندگی وہ شانتا کے ساتھ ہی گذار دے گی۔ لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد اس کے بہنوئی کے مزاج میں تبدیلی آنی شروع ہوئی اور اس کا یہ فریب ختم ہو گیا کہ وہ باقی زندگی یہاں گذار سکے گی۔ پہلے اس نے سمجھا تھا کہ

"بہن بہنوئی کے ساتھ عمر تمام ہو جائے گی گھر کا کام کاج کروں گی ایک ٹکڑا کھاؤں گی ایک گوشے میں پڑی رہوں گی۔ لیکن افسوس یہ تختہ بھی اس کے پیروں کے نیچے سے سرک گیا اور اب وہ بے رحم لہروں کے تلے تھی۔" [1]

سمن شانتا سے اس کی شکایت بھی کرتی ہے کہ حالات سے واقف ہونے کے باوجود اس کو ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ مگر شانتا جواب دیتی ہے کہ

"لوگ بدنامی اڑاتے ہیں" [2]

اس طرح سمن اپنی بہن کے یہاں صرف اس لیے نہ رہ سکی کہ انھیں بدنامی ڈر تھا۔ ظاہر ہے کہ جن سے کوئی تعلق نہ ہو ان کے یہاں تو جگہ پانا اور بھی زیادہ دشوار ہے۔ اسی لیے سمن کو یہ فکر رہتی تھی کہ وہ جن طوائفوں کی لڑکیوں کو تعلیم و تربیت دے رہی ہے وہ سماج کے موجودہ ڈھانچے میں کیوں کر کھپ سکیں گی کون انھیں قبول

---

[1] بازارِ حسن پریم چند ص ۳۱۲
[2] " " " ص ۳۱۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کرے گا۔ اور ان کی زندگی کیونکر گذرے گی۔ اسی لیے جب وقت پدم سنگھ کی بیوی سبھدرا آشرم میں لڑکیوں کا سلیقہ۔ اخلاق اور سمن کے ایثار خدمت کو دیکھتی ہے۔ تو متفکرانہ انداز میں سب سے پہلے یہی ایک سوال کرتی ہے کہ ان کی شادیاں کہاں ہوں گی؟ سبھدرا کے اس سوال پر سمن جواب دیتی ہے کہ

"یہی تو ٹیڑھی کھیر ہے۔ ہمارا فرض یہی ہے کہ ان لڑکیوں کو خانہ داری کے قابل بنا دیں۔ قوم ان کی قدر کرے گی یا نہیں یہ میں نہیں کہہ سکتی"۔ ۵۲

اس طرح یہ مسئلہ ناول میں حل نہیں ہوتا۔ کہ پریم چند کی نگاہ میں اُن لڑکیوں کی آئندہ زندگی کا کیا تصور تھا۔ انھیں سماج میں قبول کرنے پر کوئی تیار ہو گا بھی یا نہیں۔ راجیشور گرو نے لکھا ہے کہ

"سیوا سدن (بازارِ حسن) مردوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ عورت کو صدیوں سے اپنے آلہ کار کی طرح بنائے رکھ کر مرد نے گناہ کیا ہے۔ عورت جاگ کر اپنے کو مردوں کے بے جا قبضہ اور اُس کی بد نگاہی سے بچا کر سماج میں اپنی خدمت اور محبّت کی طاقتوں کو مسلط کر سکتی ہے" سیوا سدن "کا زبردست پیغام یہی ہے"۔ ۵۳

اس میں شک نہیں کہ "بازارِ حسن" عورت کو ایک "طاقت" کی شکل میں پیش کرتا ہے۔ لیکن اُسے "مجبور طاقت" کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ اس لیے کہ وہ اگر یالا خاتوں کو چھوڑ کر شریف عورتوں کی طرح زندگی گذارنا چاہتی ہیں تو ان کو ان کی اپنی بہنیں دتکار دیتی ہیں۔ وہ جب ایک عام شریف معلّمہ کی حیثیت سے اپنی زندگی گری ہوئی عورتوں اور ان کی لڑکیوں کو راہِ راست پر لانے کے لیے صرف کرتی ہے تو بھی وہی

---

۵۲ بازارِ حسن پریم چند ص ۳۰۲

۵۳ پریم چند ایک ادھین (ہندی) ص ۱۴۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سوال سامنے آتا ہے جو اُس کی مجبوری اور بیکسی کو سامنے لاتا ہے - کہ اس تربیت کے بعد بھی یہ لڑکیاں کہاں جائیں گی -

سمن کی زندگی کے نشیب و فراز اس نظریے کو پیش کرتے ہیں کہ اگر مرد عورت کو برابری کا درجہ دے اور سماج میں اُن کے درمیان جو خلیج قایم ہوگئی ہے وہ ختم ہو جائے تو حالات اتنے بھیانک رُخ نہ اختیار کریں - سمن اس ناول میں حالات کا شکار ضرور ہے - لیکن اس کے اندر زندگی اور جدوجہد کا جذبہ پوری طرح موجود ہے - اُسے جن اسباب کی بنا پر بازارِ حسن میں آنا پڑا - اس کی ذمہ داری صرف اس پر نہیں ہے - پھر جب وہ اس گھناؤنے ماحول سے نکلنا چاہتی ہے اور دوسری زندگی کی تلاش میں آگے بڑھتی ہے تو اُسے صرف مصلح یا معلّمہ کی حیثیت سے ہی زندگی گذارنی پڑتی ہے اس کو ایک عام عورت کی زندگی نہیں مل پاتی ہے -

یہ ناول تاریخی حیثیت رکھتا ہے - اس لیے کہ اس میں ایک سمن یا چند طوائفوں کو ہی پیش نہیں کیا گیا ہے - بلکہ سمن کے کردار کی شکل میں ہندوستان کی سینکڑوں عورتوں کی قسمتیں نظر آتی ہیں - جو انھیں حالات کا شکار ہیں - پریم چند نے طوائف کے مسئلے کا جو حل پیش کیا ہے اس پر ایک اعتراض یہ ہے کہ وہ آشرم کا حل ہے - تقریباً یہی حل وہ بیوہ کے مسئلے کا بھی پیش کرتے ہیں - یہ اعتراض کسی حد تک درست ہے اس لیے کہ اس وقت کی سوسائٹی اپنی ترقی پسندی کے باوجود ان مسائل کا حل آشرم کے آگے نہیں دیکھ سکتی تھی حالانکہ یہ مسئلہ درحقیقت اقتصادی آزادی اور مساوات کا مسئلہ تھا -

پریم چند نے خود بھی سمن کے ذریعہ ناول میں بعض جگہ اقتصادی مسئلے کو اٹھایا ہے لیکن وہ یقیناً اسے حل کی شکل میں نہیں پیش کر سکے حالانکہ جب تک عورت اقتصادی طور پر آزاد نہیں ہوگی اور اس کو مرد کے مساویانہ حقوق حاصل نہیں ہوں گے - یہ مسائل اسی طرح باقی رہیں گے -

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پانچواں باب

عورت سماجی کارکن کی حیثیت سے

- چوگان ہستی
- غبن
- میدان عمل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پریم چند کی ناول نگاری کا زمانہ تقریباً ۱۹۰۰ء سے شروع ہوتا ہے۔ اور ۱۹۳۵ء تک قایم رہتا ہے۔ ان پینتیس برسوں میں پریم چند نے ہندوستان میں پیدا ہونے والی مختلف سیاسی اور سماجی تحریکات دیکھیں اور ان کا اثر قبول کیا۔ ہندوستان میں آزادی کی جد و جہد کا سب سے اہم زمانہ بھی وہی تھا۔ پریم چند خود اصلاحی تحریکات کے حامیوں میں تھے۔ اور کسی نہ کسی صورت میں ہندوستانی عورتوں کی گری ہوئی حالت کے سدھار کے لیے کوشاں تھے۔ ہندوستان کے دوسرے مصلحین بھی شادیٔ بیوگان، ستی، جہیز اور دوسری خراب رسموں کی اصلاح چاہتے تھے جنھوں نے ہندوستانی عورتوں کو پست اور ذلّت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور کر رکھا تھا۔

ان تحریکات کا پریم چند پر بہت گہرا اثر پڑا اور انھوں نے اپنی تخلیقات کے ذریعے ان اصلاحات کو عام کرنے کی کوشش کی۔ ان کے ابتدائی ناول زیادہ تر گھریلو اور عام رومانی باتوں کو پیش کرتے ہیں۔ لیکن بعد کے ناولوں میں ایسے کردار ملتے ہیں جو ہندوستانی عورت کو ہمارے سامنے ایک سیاسی اور سماجی کارکن کی حیثیت سے بھی پیش کرتے ہیں۔ اس سے قبل کسی بھی مصنف نے اتنی جرائت کا ثبوت نہیں دیا تھا کہ عورتوں کو پس ماندگی سے نکالنے کی کوشش کرے اور انھیں مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کرے۔ یہ کام اردو کے ادیبوں اور ناول نگاروں میں سب سے پہلے پریم چند نے انجام دیا۔ بعض نقاد پریم چند کے ایسے کرداروں کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سلسلے میں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اُن کے کردار کٹھ پتلیوں کی طرح ہیں جو اچانک تبدیل ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس اعتراض کے وقت وہ اس بات کا خیال نہیں رکھتے کہ پریم چند کے ناول پڑھنے والے اُس وقت کون سے لوگ تھے۔ وہ وہی پست اور گرا ہوا طبقہ تھا۔ پریم چند جس کی اصلاح کرنا چاہتے تھے اس لیے ان کے جذبات و احساسات کا خیال رکھنا ضروری تھا۔ دوسرے وہ اپنی تمام ترقی پسندی اور اصلاحی جذبے کے باوجود بڑی حد تک قدیم روایات کے ماننے والے تھے اسی لیے اسی حد تک وہ آگے بڑھ سکے جہاں تک ان کے نظریات اور روایات نے اجازت دی۔

پریم چند کے بعض ناولوں میں ایسے کردار بہت واضح شکل میں نظر آتے ہیں جو ہندوستان کی سیاسی اور سماجی جدوجہد میں نمایاں حصہ لیتے ہیں۔ ان ناولوں میں چوگانِ ہستی، غبن اور میدانِ عمل خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ذیل میں اِن ناولوں کے اہم کرداروں کا جائزہ الگ الگ لیا جا رہا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ پریم چند نے کسی حد تک عورتوں کے ان کرداروں کو کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

سب سے پہلے سیاسی اور سماجی کارکن کی حیثیت سے ہندوستانی عورت "چوگانِ ہستی" میں ہمارے سامنے آتی ہے "چوگانِ ہستی" پریم چند کے اہم ناولوں میں ہے۔ یہ ناول ۱۹۳۰ء سے پہلے لکھا گیا تھا۔ لیکن پریم چند نے اس میں آنے والے ہندوستانی انقلاب کی پیش گوئی کی ہے راجہ مہاراجہ تعلقدار انگریز حکام جاگیردار۔ کسان، مزدور اور دوسرے عوام سب ہی طرح کے کردار اس میں نظر آتے ہیں۔ ناول کا اہم کردار سورداس ہے جو بنارس کے قریب ایک بستی کا رہنے والا ہے اور جو آخری وقت تک زمین کے حق کے لیے لڑتا رہتا ہے اس ناول میں پریم چند نے کسانوں کی جدوجہد اور آزادی کی تحریک کی جھلکیاں پیش کی ہیں۔ یہ ناول ۱۹۲۴ء میں پہلے ہندی میں چھپا تھا۔ سیاسی اعتبار سے یہ زمانہ ہندوستان کے لیے سخت کشمکش کا زمانہ تھا گو کہ پچھلے ہنگاموں کا اثر جو ۱۹۲۳ء تک خوف و ہراس کی صورت میں ذہنوں پر طاری تھا۔ ختم ہو چکا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیکن مکمل طور پر ذہنی سکون کی فضا نہیں پیدا ہوئی تھی۔ آزادی کی تحریک دن بدن تیز ہوتی جا رہی تھی اور ملک کے ادیب، شاعر، دانشور سبھی سیاسی، سماجی، معاشی اور معاشرتی مسائل پر سنجیدگی سے غور کر رہے تھے۔ مہاتما گاندھی کی تحریک عام طور پر ملک میں مقبول ہو چکی تھی اور پریم چند مہاتما گاندھی کے بے انتہا عقیدتمندوں میں تھے۔ اسی لئے اس ناول میں پریم چند عملی طور پر گاندھی جی کے پیرو نظر آتے ہیں۔ انھوں نے پوری طرح اس میں گاندھی واد کا پرچار کیا ہے اور سور داس اس نظریہ کا بہترین ترجمان ہے۔

رانی جاہنوی اس ناول کے اہم کرداروں میں ہے جس کے ذریعہ پریم چند نے ایسی ہندوستانی عورت کی تصویر پیش کی ہے جو بیدار ذہن رکھنے والی ہے۔ اس کا کردار ایک مثالی ہندو قوم پرست عورت کا کردار ہے جس میں وقت کے تقاضے اور زمانے کی تحریکات کا اثر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ اس کے کردار کے ذریعے پریم چند نے حوصلہ جرأت و ہمّت اور خودداری کی اچھی تصویر پیش کی ہے۔ عورتیں عموماً مذہبی معاملات میں سخت ہوتی ہیں رانی جاہنوی کے کردار میں بھی ہمیں یہ بات نظر آتی ہے وہ مذہبی رسوم اور عقائد کی سختی سے پابند ہے۔ لیکن وہ ایک مخیّر اور نیک عورت ہے۔ اسی لیے اس کا دل قوم کو غلامی کی زنجیر میں جکڑا ہوا دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے۔ اور وہ خدمت قربانی اور ایثار کے لیے میدان عمل میں آ جاتی ہے۔

رانی جاہنوی کے کردار کو مثالی ہونے کے باوجود ہم ایک زندہ کردار کہہ سکتے ہیں۔ جس کے دل میں عوام سے محبت ملک کی خدمت کا جوش قوم کے لیے ایثار کا جذبہ اور آزادی کے لیے جان دیدینے کی خواہش نظر آتی ہے اس کے کردار کی مقصدیت اور اس کا عمل قاری کے دل کو متاثر کیے بغیر نہیں رہتا۔ ہندوستان کی آزادی کی تاریخ میں نہ جانے کتنی ایسی عورتوں کے نام ملتے ہیں جنھوں نے اپنی تمام دولت زندگی لڑکے۔ بھائی اور عزیزوں کو ملک کی آزادی پر مسکراتے ہوئے قربان کر دیا۔ رانی جاہنوی، انھیں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

عورتوں میں سے ایک عورت ہے۔ ہم یقین کے ساتھ تو کسی کا نام نہیں لے سکتے لیکن پریم چند کی نگاہ میں ایسی کوئی زندہ عورت ضرور رہی ہوگی۔ جسے انھوں نے رانی جاہنوی کا نام دیا ہے۔ رانی جاہنوی کی ہمت و استقلال اور جذبۂ ایثار و قربانی کا اندازہ اس کی اس گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے جو وہ اپنے بیٹے کے بارے میں صوفیہ سے کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے۔

"میرا لڑکا قومی فلاح و بہبود کے لیے یہ کام کر رہا ہے۔
اور تم سے سچ کہتی ہوں اگر کوئی ایسا موقع آپڑے کہ قوم کی
بھلائی کے لیے اس کو جان بھی دینا پڑے تو مجھے ذرا بھی رنج
نہ ہوگا۔ رنج تب ہوگا۔ جب میں اس کو دولت و ثروت کے
سامنے سر جھکاتے یا فرض سے پیچھے قدم رکھتے دیکھوں گی۔
ایشور نہ کرے میں وہ دن دیکھنے کے لیے زندہ رہوں میں نہیں
کہہ سکتی اس وقت میرے دل کی کیا حالت ہوگی شائد میں ونے
کے خون کی پیاسی ہو جاؤں" [1]

جاہنوی کے کردار میں سب سے اہم بات اس کی یہی ہمت و جرأت اور ملک و قوم کے لیے قربانی کا جذبہ ہے۔ جس کا اظہار بار بار مختلف طریقوں سے پریم چند نے کیا ہے۔ صوفیہ سے گفتگو کرتے وقت یا اس وقت جب ونے سے وہ خفا ہو جاتی ہے اور اسے خط کے ذریعہ تنبیہ کرتی ہے۔ کہ اس نے اس کی توقعات اور آرزوؤں کو پورا نہیں کیا۔ اس کی ہمت و استقلال کا زبردست مظاہرہ ونے کی موت کے بعد ہوتا ہے۔ وہ صوفیہ کو ونے کی موت پر آنسو بہاتے ہوئے دیکھ کر سمجھاتی ہے کہ بہادروں کی موت پر رویا نہیں جاتا۔ بلکہ خوشی کا راگ گایا جاتا ہے [2]۔ وہ خود اپنے چہرے سے کسی قسم کے رنج و غم کا اظہار نہیں ہونے

---

[1] چوگان ہستی پریم چند صفحہ ۱۴۴
[2] " " " صفحہ ۳۶۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیتی پریم چند نے ونّے کے مرنے کے بعد اس کی حالت کی ان الفاظ میں تصویر کشی کی ہے۔

"رانی نے ونّے کا سر اپنی گود میں رکھ لیا۔ اُسے سینے سے لگایا اس کا بوسہ لیا اور ماتمی مجمع کی طرف فخر آمیز نگاہوں سے دیکھ کر بولی .... فرض کے دائرے میں ہندو اور مسلمان کا فرق نہیں دونوں ایک ہی کشتی پر سوار ہیں۔ ڈوبیں گے تو دونوں بچیں گے تو دونوں.... نوجوانوں سے میں کہوں گی جاؤ اور ونّے کی طرح قربان ہونا سیکھو۔ دنیا صرف پیٹ پالنے کی جگہ نہیں ملک کی آنکھیں تمہاری طرف لگی ہوئی ہیں تم ہی اس کا بیڑا پار لگاؤ۔"[1]

رانی کی یہ ہمت و جرأت کسی حد تک مثالی ہے۔ لیکن ہماری آزادی کی تاریخ اس طرح کے حقیقی کرداروں اور تذکروں سے خالی نہیں ہے اس لیے جاہنوی کے کردار کو صرف مثالی کہہ کر نظر انداز کر دینا صحیح نہیں ہوگا۔

پریم چند نے اپنے نظریات و جذبات کو بڑی خوبی کے ساتھ رانی جاہنوی کے ذریعہ ظاہر کیا ہے۔ اُس وقت ہندو اور مسلمانوں کے اتحاد کی سخت ضرورت تھی اس سے پریم چند بخوبی واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ان میں آپس میں اختلاف ہوا۔ تو ملک کو آزادی حاصل کرنا دشوار ہو جائے گی۔ اس لیے وہ رانی جاہنوی سے اتنی بڑی قربانی پیش کرنے کے بعد ہندو اور مسلمانوں کے اتحاد کی ضرورت اور اہمیت پر اس کے خیالات کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس طرح پہلی بار ہندوستانی عورت سیاسی و سماجی میدان میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ اس ناول کی بنیاد ہی قومی زندگی پر ہے۔

---

[1] چوگانِ ہستی پریم چند صفحہ ۳۶۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ڈاکٹر قمر رئیس نے لکھا ہے کہ :-

" یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کی قومی زندگی کے جتنے مسائل اور خود ان کی جتنی وسیع تصویر اس ناول میں ہے وہ گؤدان کے علاوہ اردو کے کسی ناول میں نہیں ملتی "۔ ا۵

چوگانِ ہستی میں دوسری عورت صوفیہ کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے جو ہر اعتبار سے ایک دلکش کردار ہے۔ اس میں حب الوطنی بھی ہے اور عوامی تحریک میں حصہ لینے کی خواہش بھی اس وقت ملک کی سیاسی تحریکات کی وجہ سے عام بیداری پھیل رہی تھی۔ عوام آزادی کی اس تحریک میں حصہ لینے کے لیے آگے بڑھ رہے تھے آزادئ نسواں کی جدوجہد بھی زور پکڑتی جارہی تھی۔ اور اب عورتوں نے بھی عوامی تحریک اور ستیہ گرہ میں حصہ لینا شروع کردیا تھا۔

صوفیہ کے کردار کے بارے میں خود پریم چند نے ایک خط[۵۲] میں لکھا ہے کہ اس کو پیش کرتے وقت ان کے پیش نظر مسز اینی بسنٹ کا کردار تھا۔ اسی لیے مسز اینی بسنٹ کی بعض باتیں صوفیہ کے کردار میں نظر آتی ہیں۔ مسز اینی بسنٹ نے اپنی سوسائٹی کے ذریعہ ایک آفاقی مسئلے کو اٹھانے کی کوشش کی تھی وہ ہر مذہب کی اچھائیوں کو تسلیم کرتی تھیں اور عوامی جدوجہد و اصلاح کی ایک اہم رکن تھیں۔ یہ باتیں ہمیں کسی نہ کسی حد تک صوفیہ کے کردار میں بھی ملتی ہیں۔ اس نے ونے کے ساتھ عوامی جدوجہد میں حصہ لیا۔ جس کا سبب صرف ونے سے اس کی محبت نہیں تھی۔ اس کا ثبوت ہمیں صوفیہ کی اس گفتگو سے ملتا ہے جو ڈاکوؤں کی قید میں اس نے کی تھی۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کلارک کے بنگلے سے ڈاکو صوفیہ کو اٹھا

---

۵۱ پریم چند کا تحقیقی مطالعہ قمر رئیس ص ۳۰۵

۵۲ زمانہ پریم چند نمبر ۱۹۳۸ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لے جاتے ہیں تاکہ تحریک آزادی کے قیدیوں کو آزاد کرا سکیں اور صوفیہ کی قیمت پر اپنے مطالبات منوا سکیں۔ ونے جو کہ کسی طرح حکومت کی قید سے بھاگ آیا تھا۔ پال کو صوفیہ کو لے جاتے ہوئے دیکھتا ہے۔ وہ صوفیہ سے محبت کرتا تھا۔ اس لیے اُسے ڈاکوؤں پر غصّہ آتا ہے اور ان سے بدلہ لینے کے لیے وہ حکومت سے مل جاتا ہے۔

یہ ڈاکو صرف لٹیرے ہی نہیں تھے بلکہ سامراج پرست راجاؤں کے خلاف بغاوت میں شریک تھے اور عوام پر ظلم و تشدد کے خلاف آواز بلند کر رہے تھے۔ صوفیہ کو جب معلوم ہوا کہ ونے حکومت سے مل گیا ہے اور ریاست کے عوام پر ظلم و تشدد میں شریک رہا ہے تو اُسے بہت صدمہ ہوتا ہے۔ اور ونے جب کسی طرح صوفیہ تک پہنچ جاتا ہے تو جن الفاظ میں وہ اس کا استقبال کرتی ہے اس سے اس کی اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ ونے سے کہتی ہے۔

"آپ میرے نجات دہندہ ہیں۔ مجھے اِن ڈاکوؤں اور قاتلوں کے پنجے سے چھڑا رہے ہیں آپ کا خیر مقدم کیسے نہ کروں۔ میرے لیے آپ نے ریاست میں اندھیر مچا دیا سینکڑوں بے گناہوں کا خون کر دیا، کتنے ہی گھر بے چراغ کر دیے۔ ماؤں کو بیٹوں کے سوگ کا مزہ چکھا دیا۔۔۔۔۔۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنے ضمیر کا اپنے اصول کا اپنے معیار کا ستیاناس مار دیا۔ اتنی نیک نامیاں پیدا کرنے پر بھی میں آپ کی تعظیم نہ کروں"[1]

یہاں پر صوفیہ کے طنزیہ الفاظ اس کی حب الوطنی خلوص اور عوام سے محبّت کی نشان دہی کرتے ہیں۔ وہ ونے سے محبت ضرور کرتی تھی۔ لیکن یہ نہیں چاہتی تھی کہ صرف اس کی محبت کی بنا پر عوامی تحریک اور باغیوں کو کچل دیا جائے

---

[1] چوگانِ ہستی دوسرا حصّہ پریم چند ص ۹۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بے گناہ مردوں اور عورتوں کا خون کیا جائے اس لیئے وہ بڑے تلخ اور طنزیہ لہجے میں کہتی ہے کہ میں نے اپنا محبوب تمھیں اس لیئے بنایا تھا کہ تمھاری زندگی کا معیار بلند تھا تمھارے وطن سے پیار اور عوام سے ہمدردی نے میرے دل میں تمھاری عزت اور محبت پیدا کی تھی۔ لیکن تمھاری اصلیت ایک ہی پلٹے میں ظاہر ہوگئی۔ تم نے بھلائی اور برائی کا کبھی خیال نہ کیا۔ آج اگر تم حکومت کے ہاتھوں ظلم اور رسوائی کی تکلیفیں اٹھا کر آئے ہوتے تو میں تمھارے قدموں کی خاک اپنی پیشانی پر لگاتی۔

صوفیہ یہی نہیں کرونے کو بڑا بھلا کہتی ہے بلکہ باغیوں میں شامل ہو جانے کا اعلان بھی کرتی ہے جو اس کے کردار میں حب الوطنی عوام سے محبت اور ظلم و ناانصافی کے خلاف بغاوت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ:

"...... اِن گنہگاروں سے خون کا انتقام لوں گی جنھوں نے رعایا کی گردنوں پر چھریاں پھیریں ایک ایک کو دوزخ کی آگ میں جھونک دوں گی جب ہی میرے دل کو تسکین ہو گی ..... جب تک ظالموں کی اس جماعت کو تباہ نہ کر دوں گی۔ چین نہ لوں گی۔ خواہ اس کام میں مجھے جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔ خواہ ریاست میں انقلاب کیوں نہ رونما ہو جائے۔ خواہ ریاست کا نشان ہی کیوں نہ مٹ جائے.... میں جو کچھ کروں گی وہ تم سے کہہ چکی۔ تمھاری جو مرضی ہو وہ تم بھی کرو۔ میں آج سے باغیوں کے گروہ میں شامل ہوتی ہوں۔ تم خفیہ پولیس کے دامن میں پناہ لو۔ جاؤ ایشور ہم کو پھر نہ ملائے۔" [1]

---

[1] چوگانِ ہستی دوسرا حصہ صفحہ ۹۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

صوفیہ سیباسی، سماجی کام کرنے والی عورتوں میں پہلی اتنی نڈر بیباک اور باغیانہ مزاج رکھنے والی عورت ہے۔ اس کے کردار میں ہمیں اس زمانے میں عورتوں کے درمیان پھیلتی ہوئی بیداری اور ملکی فرائض کے احساس کی ایک اچھی تصویر نظر آتی ہے۔ وہ اپنی شادی سے ایک دن پہلے اصرار کر کے ونے کو عوام کے اس مجمع میں کھینچ دیتی ہے۔ جس پر پولیس گولی چلا رہی تھی۔ وہ ڈرتی ضرور ہے۔ لیکن فرض اس کے خوف پر حاوی ہو جاتا ہے اور ونے اس ہنگامے میں مارا جاتا ہے۔

پریم چند نے غبن میں بھی بعض سماجی مسائل اور عوامی تحریکات کو پیش کیا ہے اور اس میں بھی انھوں نے ہندوستانی عورت کو مردوں کے برابر حق و انصاف کی حمایت میں لا کھڑا کیا ہے۔ ویسے تو غبن کی کہانی زیورات کا ایک المیہ ہے۔ لیکن اسی ناول میں انھوں نے ملک میں پھیلی ہوئی برائیاں رشوت ستانی۔ پولیس کے مظالم وغیرہ کو بھی پیش کیا ہے۔ اس ناول میں عورت ایک سماجی کارکن کی حیثیت سے اس وقت سامنے آتی ہے جب رما غبن کے الزام میں گرفتار ہو کر چلا جاتا ہے۔ اور پولیس اس کو اپنے مقاصد میں استعمال کرنے کے لیے گواہ بنا لیتی ہے۔ دوسری طرف اس کی بیوی جالپا (ہیروئن) کو جب تمام حالات کی اطلاع ملتی ہے۔ تو وہ اُسے چھڑانے کے لیے کلکتہ پہنچتی ہے۔ وہاں وہ غبن کا روپیہ جمع کر کے رما کو آزاد کرا لیتی ہے۔ لیکن رما کی ایک جھوٹی گواہی کی وجہ سے دنیش کو ڈاکوؤں کے گروہ کا ایک رکن ثابت کر کے پولیس پھانسی دے دیتی ہے۔ رما کی جھوٹی گواہی دینے کی وجہ سے جالپا کو بہت صدمہ ہوتا ہے۔ وہ جھوٹی گواہی جیسی ضمیر فروشی کو برداشت نہیں کر پاتی۔ جب رما پولیس کے جال سے چھوٹ کر آتا ہے تو وہ اس سے بہت سخت لہجہ میں کہتی ہے۔

"اگر سختیوں سے دب سکتے ہو تو تم بے غیرت ہو تمھیں اپنے کو مرد کہنے کا کوئی حق نہیں ...... لوگوں نے ہنستے ہنستے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سر کٹائے ہیں۔ اپنے بیٹوں کو مرتے دیکھا ہے مگر حق سے جو پھر بھی منحرف نہیں ہوئے تم کیوں دھمکی میں آ گئے کیوں نہیں سینہ کھول کر کھڑے ہو گئے کہ اسے گولی کا نشانہ بنا لو مگر میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔" ۵۱

جالپا صرف یہی نہیں کہ اپنے شوہر کو ایک برائی سے بچنے کے لیے تنبیہہ کرتی ہے یا برا بھلا کہتی ہے۔ بلکہ عملی طور پر وہ جب تک کلکتہ میں رہتی ہے دنیش کے بال بچوں کی کفالت کرتی ہے۔ ان کے لیے خود کام کرتی ہے اور ساتھ ہی اپنے کردار سے ایک گری ہوئی عورت زہرہ کو اس قدر متاثر کرتی ہے کہ وہ اپنا پیشہ چھوڑ کر نیک زندگی بسر کرنے لگتی ہے۔ رتن چند شرما نے جالپا کے بارے میں لکھا ہے۔

"...... شروع میں وہ معمولی عورت ہے جسے رسم و رواج کے مطابق زیوروں سے پیار ہے۔ جو زیوروں کے لیے شوہر سے جھگڑا کرتی ہے مگر اسے اصلی حالت کا پتہ نہیں ہوتا۔ اگر رما ناتھ اُسے صحیح حالت بتا دیتا تو اُسے بھاگنے کی نوبت نہ آتی ...... جب وہ رما ناتھ کو جھوٹی گواہی دینے کو منع کرتی ہے تو وہ ہندوستانی عورت کے وقار کا نمونہ بن جاتی ہے۔ اس کا شوہر جتنا کمزور ہے اتنی ہی وہ بہادر اور سچی وطن پرست ہے ...... جالپا کے روپ میں پریم چند نے ساری کمزوریوں اور طاقتوں کے ساتھ ہندوستانی عورت کی جلالی و جمالی شکل پیش کی ہے۔" ۵۲

---

۵۱ غبن پریم چند صفحہ ۳۱۱

۵۲ اپنیاس سمراٹ پریم چند (ہندی) رتن ناتھ شرما صفحہ ۱۴۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میدانِ عمل پریم چند کے ان ناولوں میں ہے جس میں انھوں نے عورت کو صحیح معنوں میں ایک سیاسی و سماجی کارکن کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح عورتوں نے ہر موقع پر ملک کی ترقی وخوش حالی اور آزادی ومساوات کے سلسلے میں مردوں کا ساتھ دیا ہے۔ اس ناول میں پریم چند کے نسوانی کردار عمل کے میدان میں مردوں کے شانہ بہ شانہ نظر آتے ہیں کردار نگاری کے اعتبار سے بھی اس ناول کے کردار زندگی سے زیادہ قریب اور فعال ہیں۔

میدانِ عمل پریم چند کا ضخیم ناول ہے اور تقریباً پانچ سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ لیکن پلاٹ کے اعتبار سے ان کے دوسرے ناولوں کے مقابلہ میں زیادہ سلجھا ہوا اور سادہ ہے۔ امر کانت ایک ساہوکار سمرکانت کا لڑکا ہے ماں کی شفقت و محبت سے وہ بچپن سے ہی محروم ہے وہ کسی صورت سے تعلیم حاصل کرتا ہے اور اس کا باپ اس کی شادی ایک دولتمند لڑکی سکھدا سے کر دیتا ہے۔ لیکن مزاجی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے امر کانت سے اس کی نہیں بنتی ہے وہ دولتمند گھرانے کی ہونے کی وجہ سے عیش پسند ہے اور چاہتی ہے امر کانت بھی اپنے باپ کے کاروبار میں ہاتھ بٹائے اور دولت پیدا کرے۔ لیکن امر کانت کے دل میں انسان دوستی اور خیرداری بہت زیادہ ہے اس لیے وہ ایک پروفیسر شانتی کمار کے ساتھ قومی سرگرمیوں میں حصہ لینے لگتا ہے۔ اسی درمیان اسے ایک مسلمان لڑکی سکینہ سے محبت ہو جاتی ہے جس میں وہ کافی رسوا ہوتا ہے۔ اور شہر چھوڑ کر ہردوار کی ایک پہاڑی پر چلا جاتا ہے۔ وہاں وہ اچھوتوں کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہاں اسے سلونی اور منی ملتی ہیں جن کی محبت اس کو نیا حوصلہ نیا عزم اور نیا ولولہ دیتی ہے اور وہ اچھوتوں کے بچوں کی تعلیم کے لیے ایک اسکول کھول دیتا ہے۔ اور کاشتکاروں کو حکومت کے مظالم اور زمینداروں کی زیادتیوں کے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

خلاف متحد کرتا ہے۔ ادھر اُس کے گھر سے غائب ہو جانے کے بعد سکھدا کی زندگی میں بھی انقلاب آتا ہے اور وہ مزدوروں کی تحریک کی سرگرم رکن بن جاتی ہے۔ اور بڑی جدوجہد کے بعد اچھوتوں کے لیے مندر کے دروازے کھلوا دیتی ہے جو صدیوں سے ان کے لیے بند تھے۔ اور جن کے لیے مقدس وید کی تلاوت کیا اس کا سننا اور اپنے بھگوان کے درشن کرنا بھی جرم تھا۔ سکھدا میونسپلٹی کے فیصلہ کے خلاف مزدوروں کو منظم کر کے ہڑتال کرا دیتی ہے اور اس جرم میں اُسے گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ امر کانت سکھدا کی گرفتاری کی خبر سُن کر اپنی جدوجہد کو اور تیز کر دیتا ہے۔ اور آخر میں اپنے ایک دوست پولیس افسر سلیم کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتا ہے۔ امر کانت اور سکھدا کی گرفتاری کے بعد سمر کانت کو بھی اس تحریک کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اور وہ مزدوروں کے جلسے میں باغیانہ جوش و خروش کے ساتھ تقریر کرتا ہے اور اس جرم میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ ان گرفتاریوں نے تحریک میں نئی جان پیدا کر دی۔

سکینہ۔ اس کی ماں پٹھانی اور سکھدا کی ماں رما دیوی بھی گرفتار ہو گئیں امر کانت کی بہن نینا تقریر کرتے ہوئے پولیس کی گولی سے شہید ہو جاتی ہے۔ اس کی موت سے سارے شہر میں ہنگامہ ہو جاتا ہے سلیم کو جب صحیح حالات کا علم ہوا تو وہ بھی ملازمت سے استعفےٰ دے کر اس تحریک میں شامل ہو گیا اور بعد میں گرفتار کر لیا گیا۔ اب حالات بہت خراب ہو گئے تھے۔ سارا شہر باغیوں کے ساتھ تھا اور ہر جگہ حکومت کی مخالفت پھیل چکی تھی۔ یہاں تک کہ صوبہ کے گورنر کو مداخلت کرنی پڑی اس نے حکومت اور باغیوں میں صلح کرا دی۔ مزدوروں کے مطالبات مان لیے گیے اور سارے سیاسی قیدی چھوڑ دیے گئے۔ سکینہ کی شادی سلیم سے ہو گئی اور سکھدا اور امر کانت کے اختلاف ختم ہو گئے۔

اس کا ذکر شروع میں آ چکا ہے کہ اس ناول میں عورتوں کے کردار بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ جن کے ذریعے پریم چند نے اپنے نظریے کے مطابق عورت کو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سماجی کارکن کی حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے ان عورتوں میں سکھدا کا کردار سب سے پہلے سامنے آتا ہے۔ سکھدا ایک عام عورت کی طرح عیش و آرام کی خواہش مند اور شوہر پہ حکومت کرنے کی متمنی ہے۔ اس کا شوہر امرکانت قومی و سماجی کاموں میں دلچسپی رکھتا ہے اسے تجارت یا اپنے باپ کے کام میں کوئی دلچسپی نہیں ہے سکھدا، امرکانت کو باپ کا دستِ نگر نہیں دیکھنا نہیں چاہتی اور نہ ہی اپنی ماں سے کسی امداد کی خواہش مند ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ امرکانت خود اپنے پیروں پر کھڑا ہو تاکہ وہ اپنے وقار اور خودداری کو قائم رکھ سکے۔ لیکن اس کی خواہش پوری نہیں ہوتی اور اختلاف اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ امرکانت گھر چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ سکھدا امرکانت اور سکینہ کی محبت سے بھی واقف ہے۔ لیکن اس میں رواداری اتنی ہے کہ اس کو بھی برداشت کر لیتی ہے کبھی حسد و جلن کا اظہار نہیں کرتی بلکہ سکینہ سے مہربانی ہی سے پیش آتی ہے۔ امرکانت کے شہر چھوڑ کر چلے جانے کے بعد وہ خود قومی تحریکوں میں حصہ لینے لگتی ہے۔ ہریجنوں کے لیے مندر کے دروازے کھلوانے کے لیے اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتی اس کی جرأت و دلیری اس کا قربانی کا جذبہ قابلِ تعریف ہے۔ رام بلاس شرما نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ:-

"سکھدا کے لفظوں میں پریم چند نے عورتوں کے کردار کی خاصیت ظاہر کی ہے "بے انصاف" کو سزا ملنے پر وہ ہی ایسی خوشی ظاہر کر سکتی ہے۔ اس لیے کہ غلامی اور بے انصافی کا بوجھ مردوں سے زیادہ انھیں سہنا پڑتا ہے"۔ [1]

سکھدا شروع سے امرکانت کو سمجھاتی ہے کہ وہ اپنے باپ کے کاروبار کو بڑھانے کی کوشش کرے۔ خود کمائے اس کے اس خیال کو جب امرکانت اس کی

---

[1] پریم چند اور ان کا یگ (ہندی) رام بلاس شرما صفحہ ۱۰۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

امارت پسندی پر محمول کرتا ہے تو وہ اُس سے کہتی ہے کہ :۔

" اگر تم سمجھتے ہو کہ میں آرام و آسائش کی لونڈی ہوں اور محض اپنی عزت کے لیے تمھیں سمجھا رہی ہوں تو میرے ساتھ بڑی بے انصافی کر رہے ہو۔ میں تم کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ عیش پسند سکھدا وقت پڑنے پر جتنی تکلیفیں جھیلنے کی صلاحیت رکھتی ہے ان کا تم اندازہ نہیں کر سکتے ایشور وہ دن نہ لائے کہ میں تمھاری تباہی کا باعث بنوں۔ لیکن جلنے کے لیے خود اپنی چتا بنانا مجھے منظور نہیں.... دادا پڑھے لکھے آدمی ہیں دنیا دیکھ چکے ہیں۔ اگر تمھاری زندگی میں کچھ صداقت ہے تو اس کا ان پر اثر پڑے گا۔ بچوں کی طرح بوڑھوں کو بھی تم اپنی خدمت اور اطاعت سے اپنا بنا سکتے ہو" لے

اس طرح سکھدا پہلے ہمارے سامنے گھریلو معاملات میں ہوشیار، اچھے بُرے کی تمیز کرنے والی سمجھدار اور خود دار عورت کے روپ میں آتی ہے۔ عورت جس طرح زندگی کی گہری کھائیاں صبر و سکون سے پار کر لیتی ہے اسی طرح زندگی کی خوشحالی اور اطمینان و سکون پر بھی گہری نظر رکھتی ہے گھریلو زندگی میں وہ اکثر دور اندیش ہوتی ہے۔ اس کی ان باتوں سے اس پر خود غرضی کا الزام لگانا غلط ہوگا۔ پریم چند نے اس کے کردار کا ارتقا بڑے نفسیاتی انداز میں دکھایا ہے۔ سکھدا نے جو باتیں کہی تھیں سب کر دکھائیں۔ جب اس پر وقت پڑا تو وہ اچھوتوں کی تحریک کی رہنمائی میں گولیوں کی بوچھار کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اس نے ہمیشہ حق و انصاف کی طرفداری کی، مگر جب

لے میدانِ عمل پریم چند صفحہ ۵۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قتل کے مقدمے میں ماخوذ ہوئی اور عام خیال یہ ہوا کہ اس کو پھانسی ہو جائے گی۔ تو سکھدا کہتی ہے۔

"اگر اُسے پھانسی ہو گئی تو سمجھوں گی کہ دنیا سے انصاف اٹھ گیا۔ اُس نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ جن بد ذاتوں نے اس پر اتنا بڑا ستم کیا انھیں یہی سزا ملنی چاہیے تھی۔ میں اگر عدالت کی کرسی پر ہوتی تو اسے بے داغ چھوڑ دیتی ایسی دیوی کی پوجا کرنی چاہیے اس نے اپنی ساری بہنوں کا سر اونچا کر دیا" [1]

آگے چل کر اس کا کردار ایک لیڈر اور رہنما کی شکل میں ابھرتا ہے۔ اس کا تیزی سے بدلتا ہوا کردار کسی وقت مثالی معلوم ہونے لگتا ہے۔ لیکن پریم چند نے اس کے لیے زمین ہموار کر رکھی تھی انھوں نے ابتدا سے اس میں ایسی تبدیلیاں دکھلائی ہیں کہ اس کا کسی تحریک میں لیڈر یا رہنما بن کر سامنے آنا غیر حقیقی نہیں معلوم ہوتا۔ اس کے کردار کی ساری تبدیلیاں حالات کے ردِ عمل کی شکل میں ہمارے سامنے آتی ہیں اور اس ردِ عمل میں اس کے عورت پن کا بھی بہت بڑا دخل ہے جس میں ہمدردی، مامتا، نیکی یہاں تک کہ دوسروں کے لیے اپنے نقصان کی پرواہ نہ کرنا اور خدمت و ایثار کے جذبات بھرے ہوئے ہیں۔ اسی لیے جب کہیں ایسا کوئی موقع آتا ہے کہ وہ ظلم، زیادتی اور ناانصافی کو دیکھتی ہے تو بے چین ہو جاتی ہے اور اس کی مخالفت کرتی ہے خواہ وہ زیادتی اس کے سسر سمر کانت کے ہاتھوں سے کیوں نہ ہو۔ جس وقت سمر کانت نے اچھوتوں کے مطالبات اور مندر میں ان کے داخلے کی کوشش کو کچلنے کے لیے گولی چلوائی تو وہ بپھر جاتی ہے۔ اس موقع پر اسے وہ مذہب بھی غیر حقیقی معلوم ہونے لگتا ہے جس کی حفاظت کے لیے گولیوں کی ضرورت پڑے وہ کہتی ہے کہ:-

"..... گولیاں چلتے دیکھ کر میرا خون کھول رہا ہے۔

---

[1] میدانِ عمل پریم چند ص ۶۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جس دھرم کی حفاظت کے لیے گولیوں کی ضرورت ہو وہ دھرم کبھی
سچّا ہو ہی نہیں سکتا"۔ لہ

سکھدا سمر کانت سے ملکر اس کی کوشش کرتی ہے کہ مندر کے دروازے کھلوا دے اور خونریزی ختم کرا دے لیکن وہ نہیں مانتے تو اس کی خودداری اور عزّتِ نفس کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ وہ چلتی ہوئی گولیوں کی بوچھار میں پولیس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے اور گولیوں سے بھاگتے ہوئے لوگوں کو للکارتی ہے۔

"بھائیو! کیوں بھاگے جا رہے ہو؟ یہ بھاگنے کا موقع نہیں ہے...... دکھا دو کہ تم حق کے لیے کتنی دلیری سے اپنی جانیں قربان کرتے ہو۔ بھاگنے والوں کو کبھی فتح نہیں ہوئی ہے" ۲

ایک عورت کی آواز نے لوگوں کی حمیّت اور غیرت کو جوش دلایا تو بھاگتے ہوئے پیر رک گئے اور آخر میں سمر کانت کو شکست ماننی پڑی۔ گولیاں چلنا بند ہو گئیں اور مندر کے دروازے ہر انسان کے لیے کھل گئے۔ اس کے بعد وہ مزدوروں کی رہنمائی کرتی ہے۔ اور ان غریبوں کے مکانات بنوانے کی اجازت پر عمل کرانے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ میونسپلٹی کے خلاف ہڑتال کرا دیتی ہے اور خود گرفتار ہو جاتی ہے وہ امیری اور غریبی کی تفریق کو ہی برائیوں کی جڑ سمجھتی ہے۔

وہ کہتی ہے کہ غریبوں اور امیروں کو برابر ہونا چاہیے۔ اگر لوگ غریب و امیر نہ ہوں تو دنیا کی بہت سی برائیاں ختم ہو جائیں امیر غریب سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ جبتک امیر و غریب کا امتیاز قائم رہے گا اس قسم کے واقعہ ہوتے رہیں گے۔ سہ

وہ سکینہ سے بھی یہی کہتی ہے کہ اگر وہ غریب نہ ہوتی تو امر اس کو
یوں بدنام نہ کرتا۔ کہ

ا تا ۴ میدانِ عمل پریم چند ص ۲۴۸، ۲۴۹ و ۲۵۸، ۲۵۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اسی طرح سکھدا کے کردار میں ان مخصوص باتوں کے ساتھ ساتھ رحمدلی مادریت، طبقاتی تقسیم کے خلاف جدوجہد، حق و انصاف کے لیے قربانی کا جذبہ۔ ملک کی خدمت اونچ نیچ کی تفریق کے خلاف بغاوت کو پیش کیا گیا ہے۔ لیکن صرف رحمدلی ہی نہیں ہے جس نے اس کو اس قدر پرکشش بنا دیا ہے۔ اصل چیز اس کے نظریہ کی تبدیلی ہے جسے پریم چند نے بڑے نفسیاتی انداز میں پیش کیا ہے ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ یہ سوچتی ہے کہ وہ ان مزدوروں کی رہنما ہے جن کے پاس رہنے کو مکان نہیں ہیں اور وہ خود ایک عالی شان مکان میں رہتی ہے اس کو بُرا لگتا ہے اور وہ اس کو انصاف نہیں سمجھتی وہ اپنے سسر کا مکان چھوڑ دیتی ہے۔ نینا اس کو سمجھاتی ہے کہ یوں الگ تنہا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہاں پریم چند نے نینا کے ذریعہ پھر عورتوں کی زندگی کا سب سے اہم مسئلہ اٹھایا ہے کہ ایک عورت کی زندگی مستقلاً مرد پر منحصر ہے یا وہ تنہا اپنی زندگی گذار سکتی ہے اور اپنی حفاظت خود کر سکتی ہے۔ اس کا جواب انھوں نے بہت سی عورتوں کی زبان سے دلوایا ہے یہاں سکھدا ابھی کہتی ہے کہ :-

"..... میں ضرورت نہیں سمجھتی اس شہر میں ہزاروں عورتیں تنہا رہتی ہیں پھر مجھ میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں میں خود اپنی حفاظت کر سکتی ہوں" ؎

دوسری عورت جو ناول میں سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے۔ وہ نینا ہے۔ نینا سمر کانت کی بیٹی اور امر کانت کی بہن ہے۔ وہ سیدھے سادے ڈھنگ کی ہندوستانی لڑکی ہے۔ جس کو باپ اور بھائی سے بے انتہا پیار ہے وہ بھائی کو اپنا بہترین دوست اور ساتھی سمجھتی ہے اور ہر وقت اس کی مدد کو تیار رہتی ہے۔ یہاں تک کہ صرف بھائی اور بھابی کی وجہ سے باپ سے مخالفت لے لیتی ہے اور گھر چھوڑ کر چلی جاتی ہے۔ اس کی شادی مغربیت کے دلدادہ ایک شخص سے ہو جاتی ہے۔ جو عورت کے حسن سے تجارت میں فائدہ اٹھانا

؎ ۲ و ۱ میدان عمل پریم چند ص ۲۸۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص سے اس کی کیا ذہنی ہم آہنگی ہو سکتی تھی۔ اس لیے شادی کی پہلی ہی رات شوہر سے اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس کی گفتگو سے نینا کی خودداری کو ٹھیس لگتی ہے۔ اس کا شوہر ذہنی طور پر انگریزوں کا غلام ہے۔ وہ نینا جیسی سیدھی سادھی ہندوستانی عورت سے خوش نہیں رہ سکتا تھا۔ آخر میں نینا بھی قومی تحریک میں شریک ہو جاتی ہے اور سکھدا کے جیل جانے کے بعد جب ڈاکٹر صاحب اور سمر کانت بھی جیل چلے جاتے ہیں تو وہ شرمیلی لڑکی نئے عزم اور استقلال کے ساتھ سامنے آتی ہے اور جھنڈا اٹھا کر مجمع کی کی قیادت کرتی ہوئی میونسپلٹی کے آفس کی طرف چلتی ہے۔ بیس پچیس ہزار کا مجمع اس کی قیادت میں آگے بڑھتا ہے۔ اس کا شوہر منی رام اس سے ہٹ جانے کو کہتا ہے تکرار ہوتی ہے اور وہ نینا کو گولی مار دیتا ہے۔

نینا کی قربانی ہی تحریک کی کامیابی کا باعث بنتی ہے۔ اس کے انتقال سے سارے شہر میں سنسنی پھیل جاتی ہے اور حکام کو مجبوراً مطالبات منظور کرنے پڑتے ہیں۔ نینا کا کردار شروع سے ہی قاری کو متاثر کرتا ہے وہ بعض لحاظ سے دوسری عورتوں سے زیادہ بالغ نظر ہے۔ سکھدا پہلے غریب و امیر کی تفریق کی قائل تھی۔ لیکن نینا اس وقت بھی اس تفریق کو غلط سمجھتی تھی۔ جب مندر میں اچھوتوں کے داخلہ کا معاملہ اٹھتا ہے تو وہ سکھدا کو قائل کرتے ہوئے کہتی ہے کہ :۔

"بھگوان نے بنایا ہے مگر اونچا نیچا نہیں بنایا" ۵

نینا زیادہ دیر ناول میں ہمارے سامنے نہیں رہتی۔ لیکن اس کے تاثر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عورتوں نے ہماری تحریک میں کس طرح حصّہ لیا اور نئے ہندوستان کی تکمیل میں عورتیں کس طرح مردوں کے شانہ بشانہ چل رہی تھیں اور قربانیاں دے رہی تھیں۔ اس کا اندازہ نینا کے کردار سے ہوتا ہے۔ جس وقت مزدوروں کے گھروں کا

۵ میدانِ عمل پریم چند صفحہ ۲۴۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

معاملہ اُٹھتا ہے۔ اور سکھیدا گرفتار ہو جاتی ہے۔ تو تحریک کی رہنمائی رما دیوی کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ لیکن جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے وہ بھی گرفتار ہو جاتی ہے۔ ان گرفتاریوں نے تحریک کو ختم نہیں کیا۔ رما دیوی کے گرفتار ہوتے ہی نیتا بہادری کے ساتھ آگے بڑھ کر جھنڈا سنبھال لیتی ہے۔ وہ شرمیلی عورت جو جلسوں میں شریک ہونے سے گھبراتی تھی پہلی بار جلسے کے روبرو آتی ہے اور بے خوف و ہراس آگے بڑھتی ہے اور اپنے خون سے تحریک کی کامیابی کا عنوان لکھتی ہے۔

سماجی و سیاسی کام کرنے والی عورتوں میں منّی کا کردار بھی ایک جیتا جاگتا کردار ہے۔ جس میں جرأت، بہادری اور زندگی سے پیار ہے۔ انگریز حاکموں بہیمیت کا شکار ہونے کے بعد وہ جانتی ہے کہ سماج اور اپنے شوہر کی نگاہ میں وہ پہلے جیسی عزّت نہیں حاصل کر سکے گی اس لیے خودکشی کرنے کی نیت سے وہ گنگا کی طرف جاتی ہے لیکن گنگا تک پہنچنے سے پہلے ہی جب وہ امر کانت کو چماروں کی بستی میں کام کرتے ہوئے دیکھتی ہے تو زندگی سے مایوسی اور ناامیدی کا جذبہ جو وقتی طور پر حاوی ہو گیا تھا۔ ختم ہو جاتا ہے اس کو زندگی کی ایک نئی روشنی مل جاتی ہے اور اسے خود اپنی دنیا تبدیل ہوتے ہوئے محسوس ہوتی ہے۔ اس کو جو سکون و عزّت اُس گاؤں میں ملی اس نے اس کے پُرانے زخموں کو مندمل کر دیا۔ رواداری اور انسانیت خلوص اور یگانگت کی جو فضا اس کو اس گاؤں میں نظر آئی اس کا دوسری جگہ ہونا مشکل تھا۔ وہ اپنی پچھلی زندگی سے فرار حاصل کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے کہ اس زندگی میں اس کے لیے عزّت نہیں تھی۔ ممکن ہے کہ اس کا شوہر برا برتاؤ نہ کرتا اور کرتا بھی تو ایسی حالت میں وہ محض ترس کھا کر کرتا صحیح معنوں میں وہ اُسے وہ عزت نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن اب نئی زندگی میں اس کو ان باتوں کی فکر نہیں تھی۔ وہ چماروں کی بستی میں امر کانت کا کام کرتی اور خوش رہتی ہے۔ اس نے ایسے سخت مقام پر زندگی پر فتح پائی ہے۔ جس نے اس کے کردار کو بڑا دلکش، اور پُراثر بنا دیا ہے۔ منّی کے بارے میں رام بلاس شرما نے لکھا ہے کہ:-

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"یہ عورت جو شوہر کی جدائی کے غم اور پریشانیوں میں
دردر کی بھیک مانگنے اور گنگا میں ڈوبنے تک کے تلخ تجربے کر چکی
ہے ۔ دل میں زندگی کی نہ مٹنے والی چاہ چھپائے ہوئے ہے جیسے
کوئی زندگی دینے والی بوٹی پاکر پھر سے دوشیزہ ہو گئی ہو اس میں
ایک ایسی زندگی اور زندہ دلی ہے جسے دنیاوی مصیبت
کچلنے پر بھی کچل نہیں پائیں" ؎۱
اس میں شک نہیں کہ منی اس ناول میں بڑی حد تک نمایاں اور زندگی
آمیز ہے ۔ اس میں ایسی خودداری ہے کہ وہ صرف رحم کے سہارے جینا نہیں چاہتی
لیکن اس کا ضمیر اس کو واپس جانے نہیں دیتا ہے ۔ اس کا شوہر جب اُسے بلانے
آتا ہے تو وہ انکار کر دیتی ہے اور کہتی ہے کہ :۔
"جا کر اپنی شادی کر لو ۔ اس زندگی میں میرا اب تم سے
ناتا نہیں ۔ ہاں ایشور سے یہی دعا مانگتی ہوں کہ دوسرے جنم میں
تم مجھے پھر ملو" ؎۲
پریم چند نے منی کے کردار کے ذریعہ عورت کی زندگی کے کئی اہم پہلو پیش
کیے ہیں ۔ پتی ورتا ۔ پاکیزگی اور خودداری کے علاوہ یہ بھی بتایا ہے کہ انگریزوں
کی بہیمیت اور ان کے مظالم صرف غریب کسانوں یا دولت کی لوٹ تک ہی محدود
نہیں تھے ۔ بلکہ بے بس عورتوں کی عزت بھی محفوظ نہیں تھی ۔ منی اپنی بے آبروئی
کے انتقام میں دو انگریزوں کو قتل کر دیتی ہے ۔ لیکن مقدمے سے بری ہونے
کے بعد بھی اس کی خودداری اور عزت نفس اس کو شوہر کے یہاں واپس جانے
کی اجازت نہیں دیتی ساتھ ہی وہ غیر مردوں کی طرف بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتی شوہر
کے انتقال کے بعد وہ امر و امر کانت کی شخصیت میں دلچسپی لینے لگتی ہے ۔ جو عین فطرت

؎۱ پریم چند اور ان کا یگ (ہندی) رام بلاس شرما صفحہ ۱۰۲
؎۲ میدان عمل پریم چند صفحہ ۲۱۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے مطابق ہے ۔ اس کا کردار ناول میں سب سے زیادہ زندگی سے قریب ہے
یہ اس کے کردار کی رجائیت ہے کہ وہ زندگی کی تمام تلخیوں کے باوجود ناچتی ہے۔
ہنستی ہے اور امرکانت کی جد و جہد میں حصہ لیتی ہے۔ وہ اپنی زندگی کی تلخیوں
کو جس طرح میدانِ عمل میں ڈبو دیتی ہے ۔ وہ بہت اثرانگیز ہے۔

ان کرداروں کے بعد میدانِ عمل میں ہم کو سکینہ ملتی ہے۔ جسے ہم سماجی
کارکن حیثیت سے نظرانداز نہیں کر سکتے۔ سکینہ کا کردار پرکشش اور جاندار کردار
ہے۔ وہ ایک معمولی گھرانے کی لڑکی ہے جو اپنی دادی پٹھانی کے ساتھ رہتی ہے۔
وہ جس گھرانے کی ہے وہ سماج کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے جس میں محنت
کش اور مزدور طبقہ کے لوگ آتے ہیں۔ سکینہ بھی محنت مزدوری سے اپنی روزی
کماتی ہے۔ وہ خوبصورت اور سیدھی سادھی پرخلوص لڑکی ہے۔ وہ غریب اور
نچلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہوئے بھی سیاسی و سماجی شعور رکھتی ہے امرکانت کی
محبت ۔ انسانیت اور قومی ہمدردی کا اس پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ اور
وہ اس سے محبت کرنے لگتی ہے ۔ اُسے معلوم ہے کہ امرکانت شادی شدہ ہے
اور ہندو ہے ۔ لیکن وہ ایسی بے لوث محبت کرتی ہے کہ امرکانت سکھدا اور
پٹھانی سب کے سامنے اپنے دل کا حال کہہ دیتی ہے اور اپنی محبت کا اقرار
کرتی ہے اس کی محبت میں نفس پرستی کا شائبہ تک نہیں ہے وہ جس خلوص اور
سادے انداز میں محبت کرتی ہے۔ اسی خلوص اور لگن سے ملک کی خدمت کے لیے
بھی تیار رہتی ہے ۔ جس سے اس کے حب الوطنی کے جذبہ کا اظہار ہوتا ہے۔

سکینہ باقاعدہ طور پر قومی تحریک میں حصہ لیتی ہے اور گرفتار ہو جاتی
ہے۔ وہ ذہین اور سمجھدار لڑکی ہے ۔ جب سکھدا امیری اور غریبی کو ختم کرنے
کی بات اس سے کرتی ہے تو وہ کہتی ہے کہ :۔

"آپ نیچے آیئے میں اوپر اٹھتی ہوں۔ بیچ میں کہیں نہ
کہیں میل ہو ہی جائے گا" [1]

---

[1] میدانِ عمل پریم چند صفحہ ۲۸۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اس کے اس جملے سے اس کی بالغ نظری اور سماجی وسیاسی شعور کی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ پریم چند نے ایک دم سکینہ کا پردہ ختم کر کے اس کو قومی تحریک کا رکن بنا دیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اعتراض کردار نگاری کے اصول کے بارے میں صحیح ہو۔ لیکن جن لوگوں نے ہندوستان میں آزادی کے سلسلے میں چلنے والی تحریکوں میں عورتوں کو سرگرمی کے ساتھ حصہ لیتے۔ لاٹھیاں کھاتے اور گرفتار ہوتے دیکھا ہے وہ اس اعتراض کو صحیح نہیں قرار دے سکتے۔ ہندوستان میں جس دن نمک اندولن شروع ہوا اسی دن شام تک ہزاروں کی تعداد میں عورتیں اس اندولن میں شریک ہو گئیں وہ سڑکوں پر کھڑی ہو کر آواز دیتی تھیں "آزادی کا نمک لے لو"، پولیس والے ان کو مارتے اور گرفتار کرتے تھے۔ لیکن ہر گرفتار ہونے والی عورت کی جگہ دوسری عورت فوراً لے لیتی تھی۔ یہ ساری عورتیں نہ تمام اعلیٰ طبقہ کی تھیں اور نہ ہی تعلیم یافتہ تھیں۔ اندرا گاندھی جیسی عورتیں انگلیوں پر گنی جا سکتی تھیں لیکن اس وقت ایک جوش تھا۔ ملک و قوم کی آزادی کا جس نے تمام اعلیٰ و ادنیٰ تعلیم یافتہ اور جاہل ہندو اور مسلمان سب کو ایک صف میں کھڑا کر دیا تھا۔ انھیں لاٹھیاں کھانے والی اور گرفتار ہونے والی عورتوں میں پریم چند کی ایک سکینہ بھی ہے۔

میدانِ عمل میں سیاسی و سماجی کارکن کی حیثیت سے جو عورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ ان میں رمادیوی، پٹھانی اور سلونی بھی ہیں جو ناول میں کہیں کہیں نظر آتی ہے۔ یہ عورتیں پرانے ذہن رکھنے والی خالص ہندوستانی عورتیں ہیں لیکن جب یہ دیکھتی ہیں کہ ہمارے ملک کو غیر ملکی لوٹ رہے ہیں اور ہماری ہی دولت چھین کر ہم پر ظلم کر رہے ہیں۔ تو وہ بھی سامنے آجاتی ہیں۔ اور اس جدوجہد میں مردوں کے برابر حصہ لیتی ہیں۔ رمادیوی ایک بوڑھی عورت اور سکھدا کی ماں ہے آخر میں سکھدا کی ہی طرح جوش و خروش سے مزدوروں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی جدوجہد اور قومی تحریک میں حصہ لیتی ہے۔ سمر کانت کی گرفتاری کے بعد تقریر کرتے ہوئے [illegible] ہے۔ کہ جہاں میرا سب کچھ ختم ہو گیا ہے وہاں میں بھی اس شہر میں ایک جھونپڑی ڈال کر رہنا چاہتی ہوں۔ پولیس کے آجانے کے بعد بھی اس کی تقریر بند نہیں ہوتی اور وہ پوری بے خوفی کے ساتھ کہتی ہے کہ:۔

"میں کہتی ہوں کہ کوئی طاقت جو رعایا کی طاقت سے نہیں جبر کی طاقت سے حکومت کرتی ہے وہ لیٹروں کی جماعت ہے۔" وہ کہتی ہے۔ ایسا سبق دو کہ پھر اسے غریبوں کے حقوق پامال کرنے کی جرأت نہ ہو۔ جو تمہیں کچلیں ان کے پاؤں میں کانٹا بن کر چبھ جاؤ۔ کل سے ایسی ہڑتال کرو کہ امیروں اور اختیار والوں کو تمہاری طاقت کا احساس ہو جائے۔ ان پر روشن ہو جائے کہ تمہاری مدد کے بغیر وہ اپنی طاقت کا لطف نہیں اٹھا سکتے ہیں۔ نہ اپنے اختیار کا انھیں دکھا دو کہ تم ان کا ہاتھ ہو۔ تم ہی ان کے پاؤں ہو۔ تمہارے بغیر وہ بے دست و پا ہیں" [1]

پٹھانی اور سلونی بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں پٹھانی سکینہ کی دادی ہے اور ایک رحمدل عورت ہے اس میں ایک نیک بوڑھی عورت کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔ انقلابی تحریک سے وہ بھی متاثر ہوتی ہے اور مزدوروں کی تحریک میں برابر حصہ لیتی ہے۔

سلونی پٹھانی سے زیادہ تیز اور گرم خون رکھنے والی عورت ہے۔ وہ بہت ہی نڈر بے باک اور بہادر ہے اس کے بارے میں سید مقبول حسین نے لکھا ہے کہ:۔

"میدانِ عمل کی سلونی تو اچھی خاصی دیوانی ہے۔ [2]

---

[1] میدان عمل پریم چند صفحہ ۵۵۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گوروں اور ایک میم کو اس نے چھری سے مار ڈالا۔ اس قسم کی بہادری کی تلقین کرنے میں منشی جی کا انداز بیان مہارت کے مرتبہ سے متجاوز ہو گیا ہے"۔ ۵۲

اس میں شک نہیں کہ ایسی باتیں بعض وقت تعجب خیز اور ناقابل یقین معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن حالات کے فوری اثر اور جذبات کی شدت میں کوئی کچھ بھی کر سکتا ہے۔ اس لیے سلونی یا اس طرح کے پریم چند کے کردار غیر نفسیاتی نہیں معلوم ہوتے اس کے علاوہ یہ مسئلہ ملک کی آزادی کا تھا انگریزوں کی غلامی صرف غلامی ہی نہیں تھی بلکہ ان کے اثر کے تحت مذہب، تاریخ، تہذیب اور معاشیات سب کو ایک خطرہ تھا ایسی صورت میں عورتوں کا قربانی کے لیے نکل آنا یا ایسے کام کر گزرنا جن کی ان سے توقع نہ ہو بالکل غلط نہیں قرار دیے جا سکتے۔ ناول میں کردار نگاری کی حیثیت سے چند بندھے ٹکے اصولوں کو سامنے رکھ کر یہ کہہ دینا کہ پریم چند کے کردار، کردار نگاری کے اعتبار سے کمزور ہیں۔ درست نہیں۔ ادب اور زندگی کا ناقابل شکست رشتہ ہے اور جب ہم کسی زمانے کی سیاسی و سماجی تحریکات سے ادب کی غذا فراہم کریں گے تو ان خاص حالات کے تحت ایسے کرداروں کا آنا بھی ضروری ہوگا جو کہ اس وقت کے سماج کے چلتے پھرتے کردار ہیں۔ اگر واقعی ان کی کوئی حقیقت نہ ہو اور اس طرح کی عورتیں تاریخ کے صفحات میں نہ ملتی ہوں تو یقیناً یہ پریم چند کی کمزوری کہلائے گی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے۔ اس لیے اس طرح کے اعتراضات کی کوئی خاص اہمیت نہیں رہ جاتی۔

---

۵۲ منشی پریم چند کا ایڈیشن سید مقبول حسین احمد پوری زمانہ پریم چند نمبر صفحہ ۲۲۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چھٹا باب

عورتوں کے عام مسائل اور کردار

روٹھی رانی
جلوۂ ایثار
بیوہ
گوشۂ عافیت
نرملا
چوگان ہستی
پردۂ مجاز
غبن
گئودان
منگل سوتر (نامکمل)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پچھلے ابواب میں جس طرح پریم چند کے ناولوں میں بیوہ، طوائف، اور سیاسی و سماجی تحریکات میں حصّہ لینے والی عورتوں کے کرداروں کا مطالعہ کیا گیا ہے، اور یہ دیکھا گیا کہ کہاں تک پریم چند نے ان عورتوں کے کرداروں کو کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اسی طرح اس باب میں یہ دیکھنا ہے کہ انھوں نے عورتوں کے عام مسائل کو کس حد تک اپنے ناولوں میں جگہ دی ہے۔

پریم چند ہماری زندگی کی سچّی تصویر پیش کرنے والے ادیبوں میں تھے انھوں نے زندگی اس کے نشیب و فراز، غربت، افلاس، تنگ دستی، بھوک، بیماری، بے کاری، کسانوں کی بُری حالت۔ زمینداروں اور ان کے ہرکاروں کے مظالم، غلامی و سامراجیت کی لعنتوں کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ وہ جانتے تھے۔ کہ افلاس بیکاری اور غلامی کے کیا معنی ہیں۔ اور یہ چیزیں ہمارے ملک کو کس سمت لیے جا رہی ہیں اور اگر ان کے خلاف آواز نہ اٹھائی گئی تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ وہ خود درمیانی طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور انسانیت کے درد سے دھڑکتا ہوا دل اپنے سینہ میں رکھتے تھے۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ آج سماج میں کتنے غلط مراسم پرورش پا رہے ہیں اور مذہب کے ٹھیکیدار فرسودہ روایات اور غلط رواجوں سے کس طرح فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ وہ خود مذہبی تنگ نظری اور کوتاہ بینی سے بہت بلند تھے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ناولوں میں ہر طبقہ اور ہر عقیدے کے لوگوں کی یکساں تصویر کشی کی ہے اور بغیر کسی جانب داری کے تمام طبقات و مذاہب کے نام پر ہونے والی زیادتیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ پروفیسر احتشام حسین نے لکھا ہے کہ:-

"پریم چند نے اپنے افسانوں اور ناولوں میں ہندوستان کی اس روح کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو مختلف مذہبوں اور گروہوں میں بٹی ہوئی ہونے کے باوجود ایک ہے........
........پریم چند مذہب کے مخالف نہ تھے۔ لیکن فرقہ پرست عناصر کے دشمن ضرور تھے۔ وہ مذہبی رسموں اور اداروں کا مذاق اڑاتے تھے۔ جن میں خلوص سچائی اور روحانیت کی جگہ ریاکاری عوام دشمنی اور نمائش کی نمود تھی۔" ؎1

اسی لیے پریم چند کے ناولوں کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ان کی حیثیت ایک عظیم ناول نگار کے ساتھ ساتھ ایک سچے انسان دوست اور مصلح کی بھی ہے۔ چونکہ ہندوستان ایک غیر تعلیم یافتہ اور مغربی ممالک کے مقابلے میں پچھڑا ہوا ملک تھا اس لیے یہاں وہ تمام خرابیاں موجود تھیں۔ جو تعلیم و ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے ملکوں میں ہوتی ہیں۔ ایسے ملکوں میں عموماً دو طبقے سب سے زیادہ زیادتی اور مظالم کا شکار ہوئے ہیں۔ اوّل کسان مزدور اور محنت کش طبقہ اور دوسرے عورتیں۔ ہندوستان میں بھی یہی لوگ مظالم کا شکار تھے اس لیے پریم چند کی نظر بھی سب سے پہلے عورتوں کے مسائل اور کسان و مزدوروں کی مصیبت پر پڑی اور انھوں نے بڑی کامیابی سے ان مسائل کی تصویر اپنے ناولوں میں پیش کی اور انھیں انصاف دلانے اور ان کے معیار کو بلند کرنے کے لیے آخر عمر تک جدوجہد کرتے رہے۔ ڈاکٹر عبدالعلیم نے لکھا ہے کہ:-

"ہندوستان کے عوام کی زندگی کی طرف اردو ادیبوں

؎1 تنقید اور عملی تنقید پروفیسر احتشام حسین صفحہ ۱۸۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں سب سے پہلے پریم چند نے توجہ کی۔ ان کے افسانوں میں
خاص طور پر دیہات کے متوسط اور نچلے طبقہ کی تصویر بہت
عمدگی سے پیش کی گئی ہے۔ ان کا نقطۂ نظر زیادہ تر اصلاح پسندی
پر مبنی ہے۔ لیکن ان کی کہانیوں میں حقیقت نگاری کی خوبی موجود ہے"[1]

پریم چند نے ہمارے سماج کی جتنی سچی تصویر کشی کی ہے۔ اس کی مثال ان کے عہد کے دوسرے ادیبوں میں ملنی ناممکن ہے۔ انھوں نے زندگی اور اس کے مسائل کو عام انسانوں کی نظر سے نہیں دیکھا تھا بلکہ ان کی عکس ریز نگاہوں سے اس کی معمولی جزیات تک نہیں چھوٹنے پائیں خصوصیت کے ساتھ عورتوں کی سماجی حالت کو درست کرنے اور ان سے متعلق لوگوں کے فرسودہ نظریات کو تبدیل کرنے کی انھوں نے ہر ممکن کوشش کی۔ وہ عورت کو صرف مردوں کی تفریح کا ایک ذریعہ نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لیے انھوں نے ان برائیوں کے خلاف اپنے قلم کو پوری تیزی اور تندہی سے استعمال کیا اور ان کے چھوٹے چھوٹے مسائل کو لے کر افسانے اور ناولیں لکھیں۔

اس نظریہ سے جب اُن کے ناولوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو اس میں تمام طبقات کی عورتوں کے مسائل نظر آتے ہیں۔ رانیاں۔ کنیزیں۔ خادمائیں۔ اوسط طبقہ کی تعلیم یافتہ عورتیں عام۔ بیویاں، بیٹیاں، اور مائیں ادنیٰ طبقہ کی کچلی ہوئی عورتیں۔ سوسائیٹی گرلس طوائفیں اور بیکس و مظلوم عورتیں سب کے مسائل کسی نہ کسی شکل میں اُن کے یہاں مل جاتے ہیں۔

پریم چند نے مختلف مسائل اور بالخصوص عورتوں کے بعض اہم مسائل پر مکمل ناول لکھے ہیں یا ناولوں کے بیشتر حصے ان کے لیے وقف ہیں جن کا تفصیلی ذکر گذشتہ ابواب میں آچکا ہے اس لیے مختلف طبقاتی تقسیم کے

---

[1] اردو ادب کے جدید رجحانات پر ایک نظر ڈاکٹر عبد العلیم صفحہ 19

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

مطابق یہاں پر صرف عام مسائل ہی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اور انھیں ناولوں کا مطالعہ کیا گیا ہے جن میں انھوں نے اس وقت کے عام مسائل کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا ہے۔

ان کا پہلا ناول ۱۹۰۳ء کی تصنیف ہے۔ جس کا نام 'اسرار معابد' ہے۔ یہ ناول بنارس کے ہفتہ وار اخبار 'آواز خلق' میں بالاقساط شایع ہوا تھا۔ جس کی مکمل فائل ان کے بیٹے امرت رائے کے پاس موجود ہے ان کے اس ناول میں سماج کے ان رستے ناسوروں کا ہلکا سا عکس نظر آتا ہے جو آگے چل کر ان کا خاص موضوع بنے۔ اس ناول کی زبان سرشار کے روایتی رنگ اور انداز بیان سے متاثر ہے اور پریم چند کا ہندو مذہب اور معاشرت میں اصلاح کا جذبہ صاف نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے اس ناول کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> "فکر و فن کے وہ تمام میلانات جو ان کی بعد کی تصانیف میں ارتقا پذیر شکل میں ملتے ہیں۔ اس ناول میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ بے روح فرسودہ رسم و رواج اور مذہب کے نام پر غریب اور سیدھے سادے انسانوں کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف ان کا پرجوش جہاد اس ناول کی روح ہے۔" [1]

پریم چند نے اپنے پہلے ناول ہی سے سماج کی ان برائیوں اور ان کرداروں کو بے نقاب کرنا شروع کر دیا تھا جو دیمک کی طرح ہماری سوسائٹی کو اندر ہی اندر سے کھوکھلا کر رہے تھے۔ اسرار معابد کے مہنت جی بھی اسی طرح کا ایک کردار ہیں جو مکاری اور عیاری کا ایک نمونہ ہیں انھوں نے اپنی ظاہری شخصیت، ہوشیاری اور جھوٹی محبت سے غریب رام کلی کو دھوکہ دے کر اس کے سارے زیورات ہی نہیں حاصل کر لیے بلکہ اس کی عصمت پر بھی ڈاکا ڈالا۔ پریم چند نے اس ناول

---

[1] پریم چند کا پہلا ناول قمر رئیس ماہنامہ نیا دور لکھنؤ اپریل ۱۹۶۲ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں یہ دکھایا ہے کہ اس طرح کے لوگ ہندو سماج کو بدنام کرتے اس میں زہر گھولتے اور معصوم عورتوں کی زندگی تباہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد ان کا ناول 'ہم خرما و ہم ثواب' ۱۹۰۴ء میں پہلی بار شائع ہوا یہ ناول ابتک نایاب تھا لیکن اس کا ایک نسخہ ڈاکٹر قمر رئیس کو ان کی تحقیق کے دوران مل گیا ہے 'ہم خرما ہم ثواب' کے بعد انھوں نے 'کشنا' لکھا اس کے بارے میں خیال ہے کہ یہ ۱۹۰۶ء کی تصنیف ہوگی۔ یہ دونوں ناول بھی ان کے ابتدائی عہد کے ناول ہیں۔ ان میں ہمیں بعض مسائل تو ملتے ہیں لیکن انداز وہی روایتی ہے اور مسائل پر ان کی گرفت ایسی نہیں ہے جیسی بعد کے ناولوں میں ملتی ہے خود انھوں نے ان ناولوں کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے جس کا اظہار کرتے ہوئے ۲۱۔ جنوری ۱۹۲۱ء کو انھوں نے امتیاز علی تاج کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ:۔

"ہم خرما و ہم ثواب، 'کشنا'، وغیرہ میری ابتدائی تصانیف ہیں پہلی کتاب تو لکھنؤ کے نامی پریس نے شائع کی تھی دوسری بنارس کے میڈیکل ہال پریس نے .... میرے پاس ان میں سے ایک بھی جلد نہیں اور نہ شائد پبلشروں کے یہاں ہی نکل سکیں اور نہ ان کے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ نومشقی کے سارے عیوب ان میں موجود ہیں" ؂۱

اس لیے ان ناولوں پر یہاں تفصیلی گفتگو نہیں کی جارہی ہے صرف حوالے کے طور پر ان کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۰۷ء میں انھوں نے روٹھی رانی لکھا لیکن یہ بھی متذکرہ ناولوں ہی کی طرح ہے اور بہت مختصر ہے۔ مسائل کے اعتبار سے بھی اسے کوئی خاص اہمیت نہیں دی جا سکتی سوائے اس کے کہ اس زمانے میں پریم چند

؂۱ نقوش مکاتیب نمبر صفحہ ۵۹۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

راجپوتانہ کے حالات سے متاثر تھے اور اس ناول میں انھوں نے وہیں کے راجاؤں کی زندگی کو موضوع بنایا ہے جس کے ذریعہ محل سراؤں کی زندگی ۔ تعدّد ازدواج اور ایک خوددار راجپوت لڑکی کی تصویر ہمارے سامنے آتی ہے جس کی انا اور عزت نفس کی اچھی تصویر پریم چند نے پیش کی ہے۔

یہ لڑکی اماوے جیسلمیر کے راجہ راول لون کرن کی بیٹی ہے جس سے قرب و جوار کے تمام راجپوت راجہ شادی کے خواہشمند تھے۔ لیکن آخر میں میواڑ کے راجہ راؤ مالدیو کا پیغام اماوے کا باپ منظور کرلیتا ہے راول اور راؤ کی پرانی دشمنی تھی۔ راول نے یہ سوچا تھا کہ وہ شادی کے وقت راؤ کو قتل کرادے گا۔ اس کی بیٹی کا سہاگ بھلے ہی اجڑ جائے گا۔ لیکن ایک دشمن ختم ہو جائے گا۔ اس کی اطلاع کسی طرح اماوے کو مل جاتی ہے۔ اور وہ اپنی خاص ملازمہ بھاریلی اور راج جوتشی کے ذریعہ راؤ مالدیو کو اپنے باپ کے خطرناک ارادے کی اطلاع دے دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے راؤ شادی کے وقت بہت محتاط رہتا ہے۔ اور راول اس کو قتل نہیں کرا پاتا۔ لیکن شادی ہی کی رات ایک ایسا حادثہ ہو جاتا ہے کہ اماوے اور راؤ کے درمیان ایک بہت بڑی خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ رات میں وہ اپنی کنیز بھاریلی کو راجہ کو بلانے کے لیے بھیجتی ہے لیکن راجہ شراب و رقص کے ہنگاموں کھویا رہتا ہے اور بھاریلی کو بھی واپس نہیں آنے دیتا۔ بھاریلی بھی راجہ کی رنگ رلیوں میں کھو جاتی ہے اس حادثے سے اس کے وقار کو سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ اور وہ طے کرلیتی ہے کہ اس کا بدلہ وہ ضرور لے گی۔ اس کے بعد اس نے زندگی بھر راجہ سے بات نہیں کی۔ حالاں کہ وہ ان کا پورا احترام اور محبّت کرتی تھی۔ جس محبت اور پتی ورتا کا ثبوت وہ راجہ کے مرنے کے بعد ستی ہو کر دیتی ہے۔

اس ناول میں اعلیٰ طبقہ کی عورتوں کے جو مسائل آئے ہیں ان میں سب سے اہم راجاؤں اور دوسرے بڑے آدمیوں کی متعدد شادیاں ہیں۔ راجہ راؤ مالدیو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی اماوے سے پہلے متعدد رانیاں تھیں۔ اماوے کے پہنچنے پر ان میں رشک و حسد کا جذبہ پیدا ہونا لازمی تھا۔ لہٰذا وہ تمام رانیاں مل کر اماوے کے خلاف سازش کرتی ہیں اور اس کی کوشش کرتی ہیں کہ کسی طرح بھی راؤ کو اس کے خلاف کر دیں۔ تمام رانیاں اماوے سے ملنے کے بعد سوروپ دیوی کے محل میں جمع ہو کر مشورہ کرتی ہیں کہ :۔

" اماوے تو روٹھی ہی ہے ۔ راؤ جی کو بھی جوڑ توڑ لگا کر اس سے خفا کر دینا چاہیے ۔ تاکہ وہ اس کے محل میں جانا بالکل ترک کر دیں اگر کبھی اس نے ہنس کر راؤ جی کی طرف دیکھ لیا ۔ تو وہ اس کے ہو جائیں گے "۔[1]

اور جب ان لوگوں کی ملاقات کے بعد راؤ رانیوں سے اماوے کے بارے میں دریافت کرتا ہے تو رانی پاربتی کہتی ہے کہ :۔

" وہ ـــــ مہاراج بڑی گھمنڈی ہے اور اپنے برابر ہمیں کیا مال جی کو بھی نہیں سمجھتی "۔[2]

اس طرح پریم چند نے جگہ جگہ پر ان کے جذبۂ رقابت و حسد کو ظاہر کیا ہے اگر راؤ کی متعدد رانیاں نہ ہوتیں تو اماوے سوکنوں کے طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بننا پڑتا ۔ اس کے علاوہ یہ اہم مسئلہ سامنے آتا ہے کہ راجپوت گھرانوں میں عورتوں کی کوئی عزت نہیں تھی ۔ نہ ان سے کسی بات میں مشورہ لیا جاتا تھا ۔ اور نہ وہ خود کسی کام میں دخل دے سکتی تھیں ۔ جس کی مثال اماوے کی ماں کے کردار میں سامنے آتی ہے ۔ اس کو معلوم تھا کہ راجہ راول راؤ کو شادی کے منڈپ میں ہی قتل کرادیں گے اور اس کی بیٹی کی زندگی برباد ہو جائے گی ۔ لیکن راول کے خوف سے زبان

---

[1] روٹھی رانی پریم چند تیسرا اڈیشن صفحہ ۱۲
[2] روٹھی رانی " " " صفحہ ۱۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے ایک لفظ بھی نہیں کہتی ہے اور خاموشی سے اس ظلم کو برداشت کرنے کے لیے اپنے کو تیار کرتی ہے اس کے علاوہ لڑکیوں کو اپنی شادی کے سلسلے میں خود بولنے کا کوئی حق نہیں تھا۔ باپ جہاں چاہے اور جس طرح چاہے اس کی شادی کر دے لڑکی یہ جانتے ہوئے کہ اس کی شادی غلط جگہ ہو رہی کچھ نہیں بول سکتی تھی۔ راجیشور گرو نے لکھا ہے کہ:۔

"پریم چند عورت کے حقوق کی ہمیشہ طرفداری کرتے رہے راجپوتوں کے جاگیردارانہ نظام میں عورت کو کوئی حق نہیں حاصل تھا۔ پریم چند کو یہ بات کھلتی ہے اور وہ لکھتے ہیں۔ بیٹی بن سینگھوں کی گائے ہے ماتا پتا اس کی حفاظت کرتے ہیں اور جس کے پلّے چاہیں باندھ دیتے ہیں"۔ لے

اس طرح پریم چند نے اعلیٰ طبقہ کی عورتوں کے وہ مسائل جو اس وقت عموماً راجپوت راجاؤں اور بڑے لوگوں میں تھے اس ناول میں پیش کیے ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۱۰ء میں پریم چند نے "جلوۂ ایثار" لکھا یہ ناول کردار نگاری کے لحاظ سے پریم چند کا کمزور ناول ہے۔ لیکن ہماری بحث کے لیے اہم ہے۔ کیوں کہ اس میں انھوں نے بے جوڑ شادی اور عورت کی مجبوری کے مسئلہ کو اُٹھایا ہے۔ ان مسائل کو انھوں نے بیوہ اور بازارِ حسن میں بھی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے جس کا دوسرے ابواب میں ذکر آچکا ہے۔

"جلوۂ ایثار" پہلی بار اُردو میں ۱۹۱۲ء میں شایع ہوا۔ اس میں عورتوں کے کردار میں برجن (ہیروئن)، مادھوی (اس کی نند) اور پریم دتی ہمارے سامنے آتی ہیں۔ برجن جو پرتاب سے محبت کرتی ہے وہ صرف اس لیے ناکام رہتی ہے کہ پرتاپ غریب لڑکا ہے اور برجن کی شادی ایک رئیس کملا چرن سے کر دی جاتی ہے۔ جو عیاش،

لے پریم چند ایک ادھیین (ہندی) راجیشور گرو صفحہ ۱۶۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جواری، غیر تعلیم یافتہ اور بدنظر ہے۔ اس کے مقابلہ میں برجن پڑھی لکھی شائستہ اور علم و ادب کو دوست رکھنے والی ہے ظاہر ہے کہ دونوں میں بہت بڑا ذہنی تضاد ہے۔ جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہونا ناممکن ہے لیکن برجن ایک مثالی ہندو عورت کی طرح اپنے شوہر کی خدمت اور دلجوئی کرتی ہے اس کے باوجود کملا چرن پر اس کے ایثار، بے نفسی، اور خدمت کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی وہ اپنی بری عادتیں ترک کرتا ہے۔ اس کی بری عادتیں آخر ایک دن اس کی عیاشیوں کی قیمت اس کی جان کی صورت میں وصول کر لیتی ہیں اور برجن جو کملا چرن کی بے راہ روی کے سبب پہلے ہی خوشیوں سے محروم تھی اپنی نوجوانی ہی میں بیوگی کا لباس پہن لیتی ہے یہ عبرت ناک انجام صرف بے جوڑ شادی کا نتیجہ تھا۔

دوسری طرف اس سے ہمارے سماج میں عورتوں اور لڑکیوں کی مجبوریوں کا مسئلہ بھی آتا ہے کہ وہ دوسرے کی مرضی کی کس طرح پابند ہیں۔ انھیں اپنی پسند سے شادی کرنے کا حق ہے اور نہ ان میں والدین کی مرضی کے خلاف آواز اٹھانے کی جرأت۔ اگر برجن والدین کی مرضی کے خلاف آواز اٹھا سکتی تو اوباش اور امیر کملا چرن کے بجائے غریب پرتاپ سے شادی کرتی جس سے اس کو خوشی اور اطمینان حاصل ہوتا۔ اس بے جوڑ شادی کی وجہ سے اس کی پوری زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ پریم چند نے اس ناول میں اسی مسئلے کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ سماج کے غلط رواج اور چھوٹی چھوٹی باتیں کس طرح خاندانوں کی تباہی کا سبب بنتی ہیں۔ ان غلط رواجوں کا اثر کسی ایک شخص تک محدود نہیں رہتا بلکہ یہ خرابیاں سماج میں دور تک اثر انداز ہوتی ہیں۔

پریم چند نے اس ناول میں ایک اہم سماجی مسئلہ کو ضرور اٹھایا ہے۔ لیکن وہ اس کا کوئی حل نہیں پیش کر سکے ہیں۔ پرتاپ کی محبت برجن کے دل کو ہمیشہ بے چین رکھتی ہے لیکن وہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد بھی پرتاپ سے شادی نہیں کرتی بلکہ بھگتی اور شاعری کے دامن میں پناہ لیتی ہے۔ اس کی زندگی کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تلخیوں کا یہ حل نہیں تھا۔ جو پریم چند نے پیش کیا۔ لیکن اس کا ایک ہی جواز ہو سکتا ہے کہ چونکہ پرتاپ نے بھگتی اور سنیاس کو اپنی زندگی بنا لیا تھا اس لیے اس نے بھی اسی راستہ کو پسند کیا اور اسی میں اس نے ذہنی و روحانی سکون محسوس کیا۔

بیوہ اور بازار حسن تاریخی اعتبار سے جلوۂ ایثار کے بعد کے ناول ہیں جو خاص موضوعات یا مسائل پر لکھے گئے ہیں۔ جن کا تفصیلی ذکر الگ الگ ابواب میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن ان خاص مسائل کے علاوہ جن پر یہ ناول لکھے گئے ہیں پریم چند نے بعض دوسرے مسائل کو بھی پیش کیا ہے جو بنیادی حیثیت نہ رکھتے ہوئے بھی بہت اہم ہیں۔

بیوہ میں سمترا اسی طرح کے ایک مسئلے کو لے کر سامنے آتی ہے۔ سمترا شوہر کی لاپرواہی اور بے اعتنائی کا شکار ہے۔ اس کا شوہر کملا چرن ایک بڑا آدمی ہے۔ جو دوسرے مردوں کی طرح بیوی کو اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ سمترا کو خود اپنے گھر میں کوئی حق نہیں حاصل ہے۔ وہ اپنے ہی گھر میں اجنبی اور غیر ہے جسے وہ ایک بہت بڑی زیادتی سمجھتی ہے اور کہتی ہے کہ " اپنے باپ کی زبردستی کا پرائشچت کر رہی ہوں " اسے ہر طرح کا عیش و عشرت حاصل تھا۔ لیکن وہ عورت کا سکھ شوہر کی محبت میں دیکھتی ہے جو اسے حاصل نہیں ہے اور جس نے اس کی زندگی میں تلخی گھول دی ہے۔ وہ بڑے دردناک انداز میں پورنا کو بتاتی ہے۔

> " ابھی نہیں بارہ ہی تو بجے ہیں اتنی جلدی کیوں آئیں گے۔ نہ ایک نہ دو نہ تین۔ میرا بیاہ تو اس محل سے ہوا ہے۔ لالہ بدری پرشاد کی بہو ہوں اس سے زیادہ سکھ کا خیال کون کر سکتا ہے۔ " ؎۱

وہ اپنی مثال ٹوٹے ہوئے تاروں سے دیتی ہے۔ سمترا ایسی بے جوڑ شادی

؎۱ بیوہ صفحہ ۳۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کاشکار ہے جس میں عمروں کے فرق کے بجائے ذہن اور زندگی کے نظریے کا اختلاف ہے ایک آدمی کی نگاہ میں صرف پیسے کی اہمیت ہے اسے نہ کتابوں سے دلچسپی، نہ موسیقی سے لگاؤ نہ کھیل سے ایسے انسان کے لیے وہ سمجھتی ہے کہ اس کے دل ہی نہیں ہے۔ وہ پتھر کا ایک روڑا ہے۔ کملا چرن پورنا سے اظہارِ عشق کرتا ہے اور سماج کی نگاہ سے چھپ چھپ کر اس سے ملتا ہے۔ سمترا کو یہ بات معلوم ہے وہ پورنا سے کہتی ہے کہ تم اس سے کہو کہ وہ تم سے شادی کرے تو وہ میکے چلی جائے گی لیکن وہ بتاتی ہے کہ وہ شادی نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ اس کو سماج کا خوف ہے۔ وہ صرف بیوقوف بناتا ہے۔ وہ کہتی ہے کہ "وہ پکّا جعل ساز ہے۔ اور رہی میں تو میں نے بھی ٹھان لیا ہے کہ لالہ کے منہ میں کالک لگا دوں گی۔ بلا سے میری آبرو جائے" وہ رقابت کے جذبے میں یہاں تک سوچتی ہے۔ کہ اگر مرد دوسری عورتوں سے تعلقات رکھ کر بیوی کو ذلیل کر سکتا ہے تو عورت بھی ایسا ہی کرکے اس سے بدلا لے سکتی ہے۔

اس طرح بیوہ میں سمترا صرف ایک مسئلے کو ہی نہیں پیش کرتی بلکہ وہ پریم چند کا ایک ایسا جیتا جاگتا کردار بن جاتی ہے۔ جس میں جلال و جمال کے سارے پہلو نظر آتے ہیں۔ پریم چند کے اب تک کے کرداروں میں سمترا سے زیادہ زندہ اور متحرک کردار مشکل سے ملے گا۔

پریم چند نے ۱۹۲۲ء میں گوشۂ عافیت لکھا۔ یہ ناول بہت ضخیم ہے اور دو حصّوں میں منقسم ہے۔ اس میں مختلف طبقات کے لوگوں اور خصوصاً محنت کش کسانوں اور مزدوروں کی زندگی اور ان کے مسائل کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ چونکہ یہ زمانہ ہندوستان کی سیاسی و سماجی بیداری کا زمانہ تھا۔ اس لیے اس ناول میں کسانوں پر زمینداروں اور ان کے ہرکاروں کے مظالم جبر اور بیگار پولیس کی رشوت ستانی اور ظلم یا کسانوں میں پھیلتی ہوئی بیداری کے تحت زمینداروں اور کسانوں میں جو کشمکش رونما ہو رہی تھی اس کی بڑی اچھی تصویر ملتی ہے۔ جہاں

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

تک عورتوں کے عام مسائل کا تعلق ہے۔ اس میں ہمارے سامنے کئی اہم مسئلے آتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ناول کی ہیروئین گائتری کے ذریعہ ہمارے سامنے آتا ہے۔ جو اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والی ایک عورت ہے۔ جس میں عورت کے مذہبی جوش اور مصنوعی روحانیت کو پیش کیا گیا ہے۔ گیان شنکر ایک شاطر اور عیار شخص ہے وہ اس کی اس کمزوری کا اندازہ کر لیتا ہے اور اس کو خوش کرنے کے لیے بھگتی کا ڈھونگ رچاتا ہے اور رفتہ رفتہ اس کی ریاست میں دخیل ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے دل میں بھی جگہ بنا لیتا ہے۔ اس کے بیٹے کو گائتری گود لے لیتی ہے۔ لیکن جب اس کی مکاری کا اس کو علم ہوتا ہے تو سب چھوڑ کر پرائشچت کے لیے سنیاس لے لیتی ہے اور "حماقت آمیز اور جھوٹی بھگتی" پر نادم ہوتی ہے۔ یہاں صرف مذہبیت اور مصنوعی روحانیت کا ہی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس کی تہہ میں بیوگی کا مسئلہ بھی ہے۔ حالانکہ پریم چند نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن اگر دیکھا جائے تو یہ مذہبیت اور مصنوعی روحانیت اس زندگی سے فرار ہے جو اس سے کچھ اور مطالبہ کرتی ہے اگر اس کا شوہر زندہ ہوتا تو وہ گیان شنکر کے فریب کا شکار نہ ہوتی اور وہ سارے حادثات جو اسے پیش آئے۔ اس کے شوہر کی زندگی میں نہ ہوتے اس طرح اس کے ذریعہ یہ دونوں مسائل ہمارے سامنے آتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ ہندو سماج میں بیویوں کی حیثیت کا ہے جسے ودیاوتی کے ذریعہ پیش کیا ہے یہ مسئلہ ہندوستان کے ہر گھر کا مسئلہ ہے یعنی شوہر اور بیوی کے تعلقات میں بیوی کے فرائض کی حد کیا ہے۔ ہندوستانی عورت کے لیے عام طور پر دیوی کا لفظ اسی وقت استعمال ہوتا ہے جب وہ آنکھ بند کر کے شوہر کی جائز و ناجائز بات کو برداشت کرے اور ہر حال میں قانع رہے ایسی بدنصیب عورت اس ناول کی ہیروئن گائتری کی چھوٹی بہن ودیاوتی ہے۔ جو نہایت نیک

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور قانع عورت ہے وہ شوہر کی زیادتی برداشت کرتی ہے۔ اس کا شوہر بیوہ گائتری کی دولت حاصل کرنے کے لیے اس کے پاس چلا جاتا ہے اور صرف یہی نہیں کہ اس کو بھگتی کے پردے میں اپنی محبت کے جال میں پھنسا لیتا ہے۔ بلکہ اُس کے باپ کو دولت کی لالچ میں زہر دے کر مارنے کی بھی کوشش کرتا ہے ودیاوتی یہ سب جانتی ہے لیکن خاموشی سے برداشت کرتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک رات اس کی مرضی کے خلاف اس کا بیٹا بھی گائتری کو گود لینے کے لیے دے دیا جاتا ہے۔ ودیاوتی اس کو برداشت نہیں کر پاتی لیکن بجائے اس کے کہ وہ حالات کا مقابلہ کرتی ہتھیار ڈال دیتی ہے اور زہر پی کر ہمیشہ کے لیے زندگی کے ان نشیب و فراز سے نجات حاصل کر لیتی ہے۔ ہندو سماج کی اس کمزوری کو پریم چند نے مختلف جگہوں پر نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے وہ عورت کو مرد کے برابر درجہ دیے جانے کے حق میں تھے اور اسی لیے بار بار اس مسئلے کو اٹھایا ہے۔

اس کے علاوہ پریم چند نے عورتوں میں تعلیم کی کمی اور اس سے پیدا ہونے والی تنگ نظری کے مسئلے کو پیش کیا ہے۔ جہالت جہاں بہت سی خرابیوں کے پیدا کرنے کی ذمہ دار ہے وہیں مذہبی کٹر پن اور تنگ نظری کو بھی جنم دیتی ہے۔ اسی تعلیم کی کمی کی وجہ سے ایک زمانے تک ہندوستان میں ان لوگوں کو لا مذہب اور بے دھرم سمجھا جاتا رہا ہے جو غیر ممالک گئے ہوں۔ شردھا بھی ایک کم تعلیم یافتہ اور راسخ العقیدہ ہندو عورت ہے اس کا شوہر پریم شنکر جب امریکہ سے واپس آتا ہے۔ تو صرف اپنے مذہبی عقائد کی بنا پر وہ یہ سمجھتی ہے کہ سمندر پار جانے کی وجہ سے اس کا دھرم نشٹ ہو گیا ہے۔ اس لیے ایسے شخص سے ملنا وہ اپنے لیے گناہ سمجھتی ہے۔ دوسری طرف گیان شنکر اس کے اس فرسودہ خیال سے فائدہ اٹھانے کے لیے اس کو پریم شنکر کے خلاف بھڑکاتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس کی محبت میں فرق نہیں آتا۔ پریم شنکر جب گاؤں میں رہ کر رفاہ عام کے کاموں کو شروع کرتا ہے تو اس کی مدد کرنے کے لیے وہ اپنے تمام زیورات بھیج

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دیتی ہے۔ لیکن اس محبت اور وفا شعاری کے باوجود وہ پریم شنکر سے اس وقت تک ملنے کے لیے تیار نہیں ہوتی جبتک وہ پرائشچت نہ کرے۔

پریم چند نے اس کے ان فرسودہ خیالات کو پیش کرکے اس بات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ عورتوں میں تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کے مسائل سر اٹھاتے ہیں اور آپس میں محبت ہونے کے باوجود دلوں میں دوری ہو جاتی ہے اگر شردھا تعلیم یافتہ ہوتی تو پریم شنکر سے وہ اس طرح علیحدگی نہ اختیار کرتی آخر میں پریم چند نے یہی دکھایا بھی ہے کہ اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ اور وہ پریم شنکر سے مل جاتی ہے اور اس کے سماج سدھار کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتی ہے۔

جن مسائل کا ابتک ذکر کیا گیا یہ عورتوں کے عام مسائل تو ضرور ہیں لیکن ناول میں ان کی حیثیت ضمنی ہے۔ اس ناول کا بنیادی مسئلہ زمیندار اور کسان کی کشمکش ہے۔ پریم چند نے ان دونوں طبقوں اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کو جس شدّت کے ساتھ محسوس کیا تھا۔ اسی شدّت کے ساتھ اس ناول میں پیش بھی کیا ہے۔ زمینداروں اور ان کے کارندوں کے مظالم، بیگار اور کم قیمت پر ان سے چیزوں کا خریدا جانا یا قحط کے زمانے میں لگان کی وصول یابی کے لیے ظلم وستم ان سب کی بڑی حقیقی تصویر اس ناول میں ملتی ہے۔ اس (EXPLOITATION) جس کی تصویر پریم چند نے پیش کی صرف مردوں تک ہی محدود نہیں تھا۔ عورتیں بھی اس میں برابر کی شریک تھیں۔ بلکہ عورتوں کو اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ بلاسی اسی طرح کی ایک مظلوم عورت ہے جسے مہنگا گھی خرید کر کم قیمت پر زمینداروں کو نہ دینے کے جرم میں بے پناہ مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں

اسی طرح نرملا میں بھی پریم چند نے بعض اہم مسائل کو اٹھایا ہے۔ جہیز کی رسم ہمارے سماج میں بہت سی برائیوں کے ساتھ بے جوڑ شادی کا سبب بھی بنی۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور پھر یہ بے جوڑ شادیاں خاندانوں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔

نرملا میں پریم چند نے جن مسائل کو پیش کیا ہے۔ وہ ان کے ناول میں پہلی بار نہیں آئے ہیں۔ بازار حسن اور دوسرے ناولوں میں جہیز کی رسم اور عورت کی پستی کے دوسرے اسباب کو پیش کیا گیا ہے۔ لیکن نرملا کی کہانی کی تمام تر بنیاد جہیز پر ہے۔ اس ناول میں پریم چند نے درمیانی طبقہ کی ایک پندرہ برس کی لڑکی کو پیش کیا ہے جس کی شادی جہیز نہ ہونے کی وجہ سے چالیس سال کے ایک بوڑھے سے کر دی جاتی ہے۔ نرملا کا باپ ایک کھاتا پیتا وکیل تھا۔ اس نے نرملا کی شادی ایک ڈاکٹر سے طے کر رکھی تھی۔ لیکن ایک رات عجیب ڈرامائی انداز میں اس کا قتل ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر سہنا اور اس کا باپ جہیز کا مطالبہ نہ پورا ہونے پر اس شادی سے انکار کر دیتے ہیں۔ مجبوراً نرملا کی ماں کلیان اس کی شادی طوطا رام سے کر دیتی ہے۔ طوطا رام کی عمر چالیس سال کی تھی۔ اور اس کی پہلی بیوی کی اولادیں نرملا کے برابر تھیں۔ عمر کے اس فرق کی وجہ سے طوطا رام اور نرملا کی ازدواجی زندگی کا خوشگوار ہونا ناممکن تھا۔ اس لیے وہ تمام صورتیں پیدا ہوئیں۔ اور شبہات نے سر اٹھایا جو ایسی حالت میں ہوا کرتے ہیں۔ لیکن نرملا ایک آدرش ہندو عورت کی طرح آخر وقت تک طوطا رام کی اتنی ہی عزت کرتی رہی جتنی کسی دیوتا کی ہو سکتی ہے آخر میں اس کے اور طوطا رام کے اختلاف کچھ زیادہ بڑھ جاتے ہیں اور وہ اپنے لڑکے کو شبہ کی نگاہ سے دیکھنے لگتا ہے جس کے ساتھ نرملا کا برتاؤ کچھ زیادہ شفقت آمیز تھا۔ اس لیے وہ اس کو بورڈنگ میں داخل کرا دیتا ہے۔ اس کا لڑکا بہت زیادہ حساس اور سمجھدار ہے وہ ان تمام باتوں کو محسوس کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کو گھر چھوڑنا پڑا تھا۔ اس کا اس کو اتنا صدمہ ہوتا ہے کہ وہ بیمار پڑ جاتا ہے اسے بورڈنگ سے گھر لانے کی بجائے اسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ طوطا رام نے نرملا کے اسپتال جانے پر پابندی لگا دی تھی۔ لیکن جب نرملا کو معلوم ہوتا ہے کہ منسا رام کی حالت بہت خراب ہے تو وہ اسپتال پہنچ جاتی ہے۔ اسپتال

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں طوطارام کو احساس ہوتا ہے کہ اس کا شبہ غلط اور بے بنیاد ہے اس کو اپنی غلطی پر بے حد افسوس ہوتا ہے۔ اس کے کچھ ہی دن بعد اس کا چھوٹا لڑکا سادھوؤں کے ساتھ گھر سے بھاگ جاتا ہے۔ طوطارام ان تمام تباہیوں کا ذمہ دار خود کو ٹھہراتا ہے۔ اور دنیاوی زندگی ترک کر کے جوگ لے لیتا ہے

پریم چند کا یہ ناول اپنے مسائل کے اعتبار سے کافی اہم ہے۔ نرملا ایک معمولی عورت کی صورت میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ جس میں جد و جہد کی توانائی اور قوت نہیں ہے وہ عام عورتوں کی طرح حالات سے سمجھوتہ کر لیتی ہے۔ اور شوہر کو دیوتا سمجھ کر پرستش کرتی ہے۔ وہ سوچتی ہے کہ معلوم نہیں اس نے پچھلے جنم میں کون سے گناہ کیے تھے جس کا کفارہ اس کو اس طرح ادا کرنا پڑا۔ اب اگر وہ شوہر کی نافرماں برداری اور دل شکنی کرے گی تو اگلے جنم میں معلوم نہیں کیا حشر ہو۔ نرملا کے ذریعہ جن مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ وہ یقیناً بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ جہیز کا مسئلہ ہندوستان کے لیے ایک لعنت ہے جس کی وجہ سے نہ جانے کتنی بے جوڑ شادیاں ہوتی ہیں کتنی زندگیاں تباہ اور کتنے گھر برباد ہوتے ہیں۔ ایک نرملا اور سمن ہی نہیں۔ ہندوستان میں سینکڑوں خاندان اسی کا شکار ہیں اور اسی لیے نرملا جب اپنی بچی آشا کو رکمنی (نند) کے سپرد کرنے لگتی ہے تو تاکید کرتی ہے۔

"چاہے کنواری رکھیے گا۔ چاہے زہر دے کر مار ڈالیے گا مگر نا اہل کے گلے نہ باندھیے گا۔ اتنی ہی آپ سے میری بنتی ہے" [۱]

ڈاکٹر رام بلاس شرما نے نرملا پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"نرملا پریم چند کی ناول نگاری کی ترقی میں ایک سنگ میل ہے۔ یہ پہلا ناول ہے جس میں انھوں نے سیوا سدن یا آشرم کی تعمیر کر کے پڑھنے والے کو جھوٹی تسلی نہیں دی۔ انھوں نے کہانی میں حقیقت کو پوری طرح نبھایا ہے۔ [۲]

۱۔ نرملا ص ۳۶۰

۲۔ منشی پریم چند اور ان کا یگ (ہندی) رام بلاس شرما صفحہ ۶۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نرملا پورے ناول میں ایک دبے اور پسے ہوئے کردار کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ اس ناول کی دوسری عورتیں۔ کرشنا۔ کلیانی اور سدھا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتیں۔ رنگیلی بائی میں بعض چیزیں ہمیں ضرور نظر آتی ہیں۔ وہ جہیز کی مخالفت کرتی ہے۔ بھال چند پر اس کا پورا اثر ہے۔ نرملا کے لیے اس کے دل میں پوری ہمدردی بھی ہے وہ نہیں چاہتی کہ صرف جہیز نہ ہونے کی وجہ سے ایک لڑکی کی زندگی برباد ہو جائے۔ لیکن جب اس کا لڑکا بھی انکار کر دیتا ہے۔ تو وہ مجبور ہو جاتی ہے۔ اور کہتی ہے۔ "تم باپ پوت ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو"

پریم چند نے اس ناول میں ان سماجی مسائل پر نشتر زنی کی ہے جو ہمارے سماج کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہے تھے۔ اگر اس کا یہی حال رہا تو یہ سماج جو اوپر سے بڑا پرکشش اور دلکش نظر آتا ہے۔ ایک وقت ریت کی دیوار کی طرح زمین پر آ رہے گا۔ وہ اس کو اچھی طرح سمجھتے تھے اسی لیے اس ناول میں ان مسائل کو نمایاں حیثیت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے سامنے ایک نرملا کا مسئلہ نہیں تھا وہ سارے سماج کی اصلاح کرنا چاہتے تھے اس لیے پریم چند کی نرملا تمام ہندو سماج کی عورتوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور ان کی بے کسی کی ترجمان ہے ـــ ہرسروپ ماتھر نے لکھا ہے کہ:۔

"...... ناول نگار نرملا کے مسئلے کو کسی ایک فرد کا مسئلہ نہیں مانتا۔ وہ اسے سماجی مسئلہ کی شکل میں لیتا ہے نرملا کی کہانی صرف اس کی ہی نہیں ہمارے سماج کی مختلف نرملاؤں کی ہے۔ سامانِ جہیز اور بے جوڑ شادی کے مسئلوں کے سماج پر اثر انداز ہوتے کو سمجھنے کے لیے سیوا سدن" اور "نرملا دونوں کا پڑھنا ضروری ہے"۔ [۱]

شادی نے ہمارے سماج میں ایک مقدس مذہبی فریضے کے بجائے کاروبار

---

[۱] پریم چند اپنیاس اور شلپ (ہندی) ہرسروپ ماتھر صفحہ ۷۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی شکل اختیار کر لی ہے۔ بعض ہندو خاندانوں میں لڑکے کی پیدائش کے بعد اس کے نام کا کھاتا کھول دیا جاتا ہے اور اس دن سے شادی تک خرچ ہونے والی تمام چھوٹی بڑی رقموں کا حساب رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ان پر نفع اور سود در سود جوڑ کر لڑکی والوں سے وصول کیا جاتا ہے۔ اب اگر کوئی باپ اس رقم کو ادا نہیں کر سکتا تو مجبوراً اس کو طوطا رام جیسا کوئی شخص ڈھونڈنا پڑتا ہے تاکہ وہ لڑکی کے بوجھ کو اپنے سر سے اتار سکے۔ لڑکی مرے یا جیے یا جہنم میں جائے سماج کے سامنے وہ اس فرض سے سبکدوش ہو گئے یہی کافی ہے۔ ڈاکٹر رام بلاس شرما نے لکھا ہے کہ:۔

"جس شادی کی رسم کا ستون پیسے کا لین دین تھا۔
نرملا اسی مذبح پر اس جانور کی طرح تڑپا کرتی تھی جس کا سر
پوری طرح دھڑ سے جدا نہ ہوا ہو"۔ [1]

پریم چند نے اس مسئلہ کی خامیوں اور برائیوں کو صرف کرداروں کی گفتگو ہی کے ذریعہ نہیں ظاہر کیا ہے بلکہ اس کے خلاف اپنے نظریات کا کھل کر اظہار کیا ہے۔ اور بہت صاف الفاظ میں جہیز کی مذمت کی ہے۔ انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے کہ۔

"بدنصیب کو اچھا گھر اور بر کہاں ملتا ہے۔ اب تو کسی طرح سر کا بوجھ اتارنا تھا۔ کسی لڑکی کو پار لگانا تھا۔ اسے کنوئیں میں ڈھکیلنا تھا۔ وہ خوبصورت ہے۔ خوش خو ہے۔ ہوشیار ہے۔ معزز ہے تو ہوا کرے۔ جہیز نہیں تو اس کے جملہ اوصاف عیوب ہیں اور جہیز ہے تو جملہ عیوب اوصاف ہیں۔ انسان کی کوئی قدر نہیں صرف جہیز کی قدر ہے"۔ [2]

[1] پریم چند اور ان کا یگ (ہندی) رام بلاس شرما صفہ ۶۲

[2] نرملا پریم چند صفہ ۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ان الفاظ میں پریم چند نے سماج کی وہ تصویر پیش کر دی ہے جو نہایت مکروہ اور خوفناک ہے۔ جہیز کے رواج نے غریب والدین سے نہ جانے کتنے غلط کام کرائے ہیں۔ اور کس طرح انھوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنی لڑکیوں کے جذبات اور پر امید زندگیوں کو آگ کی نذر کر دیا ہے اور پھر وہ زندگی کے آخری لمحہ تک سلگ سلگ کر اپنے والدین کی ناداری کا خمیازہ بھگتتی رہی ہیں۔

نرملا کے بعد ۱۹۲۴ء میں پریم چند نے "چوگانِ ہستی" لکھا اس ناول میں اندو کا کردار ہمارے سامنے شوہر اور بیوی کی ذہنی نا اتفاقی اور نظریات کے اختلاف کے مسئلے کو لے کر آتا ہے۔ اندو ایک انقلابی اور حریت پسند ماں کی بیٹی ہے جس کی شادی ایک تنگ نظر قوم فروش راجہ سے ہو جاتی ہے وہ ذہنی طور پر اپنے شوہر مہندر سنگھ کی ہم نوا نہیں ہو پاتی۔ اور اسی لیے ان میں آپس میں کشیدگی رہتی ہے شوہر اپنی برتری کا اظہار کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اندو اس کے احکام کی پابندی کرے۔ لیکن اندو ایسا نہیں کرتی وہ سوچتی ہے کہ:۔

"بیوی کا فرض ہے کہ وہ شوہر کی رفیق بنے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عورت کی مرد سے الگ کوئی ذاتی ہستی نہیں ہے۔ اسے تو عقل سلیم قبول نہیں کرتی۔ دونوں اپنے اپنے اعمال کے موافق سزا و جزا کے مستحق ہوتے ہیں۔" ؎۱

اس طرح اندو اس مسئلہ کو پیش کرتی ہے کہ محض شوہر کی ہستی میں ضم ہو جانا عورتوں کی انفرادیت کا خون ہے دونوں کو اپنے اپنے فرائض کا احترام کرنا چاہیئے۔ سارے فرائض صرف عورت پر ہی نہیں عائد ہوتے۔

چوگان ہستی کے دوسرے اہم کردار صوفیہ کے ذریعہ پریم چند نے بین مذہبی (INTER CAST) شادی کے مسئلہ کو اٹھایا ہے۔ یعنی ایک ہندو مرد اپنے عقائد پر رہتے ہوئے کسی عیسائی لڑکی سے شادی کر سکتا ہے یا نہیں۔

؎۱ چوگانِ ہستی   پریم چند   صفحہ ۲۸۵

۱۳۰۴۳۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

صوفیہ عیسائی ہے اور ونے سے بے پناہ محبت کرتی ہے۔ ان دونوں کے درمیان مذہب کی وسیع خلیج ہے۔ پریم چند خود مذہبی خیالات کے تھے۔ اس لیے وہ ان میں سے کسی کو تبدیل مذہب پر آمادہ نہیں کرتے۔ صوفیہ باوجود اس کے کہ کٹر مذہبی نہیں ہے پھر بھی اپنے عقائد کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہوتی۔ اس کے خیالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کی کشمکش کو پریم چند نے یوں پیش کیا ہے۔ وہ سوچتی ہے کہ:-

"تم سب کچھ کروگے پر مذہب نہیں ترک کر سکتے۔ میری بھی یہی کیفیت ہے۔ میں تمھارے ساتھ فاقہ کر سکتی ہوں۔ پر مذہب کو کس طرح ترک کروں؟" ؎١

لیکن پریم چند نے اس ناول میں ایک اہم قدم اٹھایا ہے اور یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ وہ دونوں اپنے مذہبی عقائد پہ رہتے ہوئے ازدواجی رشتہ میں منسلک ہو سکتے ہیں۔

صوفیہ کے ذریعہ ایک دوسرا مسئلہ جو ہمارے سامنے آتا ہے۔ وہ عورت کا معاشی اور اقتصادی مسئلہ ہے۔ چونکہ وہ مذہب کے سلسلے میں اندھی تقلید کی قائل نہیں ہے اس لیے ماں باپ سے اس کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ یہ اختلاف مذہب ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے کسی شعبہ میں پیدا ہو سکتا ہے۔ وہ ماں باپ سے ہو یا شوہر سے۔ ایسی صورت میں عورت کے سامنے سب سے اہم مسئلہ جو آتا ہے کہ وہ کیوں کر زندہ رہ سکے گی کس طرح اپنی اقتصادی حالت درست رکھے گی اور سماج میں تنہا باعزت زندگی گزار سکے گی۔ اسی قسم کے بہت سے سوال ہیں جو ان موقعوں پر عورتوں کے سامنے آئے ہیں۔ صوفیہ بھی جب ماں باپ سے اختلاف کی بنا پر گھر چھوڑنے کا ارادہ کرتی ہے تو سوچتی ہے۔

؎١ چوگان ہستی پریم چند ص ٢٣٦

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"ابھی اس وقت گھر سے نکل جاؤں کیا اس وسیع دنیا میں میرے لیے جگہ نہیں ہے میں کام کر سکتی ہوں اپنا بوجھ آپ سنبھال سکتی ہوں۔ ضمیر کی آزادی کا خون کر کے اگر مجھ کو تفکرات زندگی سے فرصت ملی تو کیا میرا ضمیر ایسی حقیر شے ہے کہ پیٹ کے لیے اس کا خون کر دیا جائے"۔ ؎۱

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عورت بے جا دباؤ اور بے انصافی کو سر جھکا کر برداشت کرنے کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ وقت پڑنے پر وہ خود جد و جہد کر سکتی ہے اور اپنے مسائل کا حل تلاش کر سکتی ہے۔

سوبھاگی اس ناول میں نچلے طبقے کے بعض مسائل کو لے کر آتی ہے۔ یہ بھیروں اہیر کی بیوی ہے اس کے دل میں انسانی ہمدردی کا جذبہ ہے وہ بھیروں کا ہر ظلم برداشت کرتی رہتی ہے۔ لیکن جب وہ اندھے سورداس کی جھونپڑی میں آگ لگا کر اس کے روپیہ چرا لاتا ہے تو اپنے شوہر کی یہ بے ایمانی اور ظلم وہ برداشت نہیں کر پاتی اور یہ روپیہ چپکے سے وہ سورداس کو واپس کر آتی ہے۔ جب بھیروں کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے روپیہ سوبھاگی نے سورداس کو واپس کر دیے تو وہ سوبھاگی کو مار کر گھر سے نکال دیتا ہے۔ سوبھاگی کا کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہے۔ مجبوراً وہ سورداس کے یہاں پناہ لیتی ہے۔ مگر سورداس بھی دوسرے کی عورت کو پناہ دے کر خود اپنے سر بدنامی لینے پر تیار نہیں ہوتا اور اس کو پناہ دینے سے پہلے انکار کرتا ہے۔ تو وہ کہتی ہے۔

"تم تو بدنامی سے بچ جاؤ گے۔ لیکن میری آبرو کیسے بچے گی۔ ہے محلے میں کوئی ایسا آدمی جو کسی کی آبرو جاتے دیکھے تو اس کی بانہہ پکڑ لے"۔ ؎۱

یہاں پریم چند نے معاشرے کی اس خرابی کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں غریب عورت کی آبرو بغیر کسی سہارے کے محفوظ نہیں رہ سکتی سورداس اسی ڈر

؎۱ چوگان ہستی پریم چند صفحہ ۴۶ و ۱۰۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے اس کو اپنے یہاں رہنے کی اجازت دے دیتا ہے۔ سبھاگی کو بدنامی اور نکتہ چینی کا خوف نہیں اس کا دل صاف ہے اسی لیے وہ کسی سے نہیں ڈرتی سورداس اسے ایک بے سہارا بہن کی طرح اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہ پورے اعتماد کے ساتھ رہتی ہے۔ محلہ کی ایک عورت جمنی ان کے اس طرح رہنے پر اعتراض کرتی ہے تو وہ بلا جھجک کہتی ہے۔

"میں جاتی ہوں، پر کس کے گھر جاؤں؟ تمھارے گھر آؤں رہنے دو گی۔؟ جو کچھ کرنے کو کہو گی کروں گی۔ گوبر پاتھوں گی بھینسوں کو چارہ دوں گی پانی ڈالوں گی۔ تمہارا آٹا پیسوں گی ــــ رکھو گی ــــ!!" ۲۵

اس طرح سبھاگی زبانی باتیں بنانے والے سماج کو عملی مدد کے لیے چیلنج کرتی ہے۔ پریم چند نے بڑی کامیابی کے ساتھ عورت کے اس مسئلہ کو پیش کیا ہے اور لوگوں کو سوچنے پر مجبور کیا ہے۔ کہ ایسی عورتوں کے مسئلے کا کیا حل ہونا چاہیے۔

سوبھاگی کے علاوہ چوگان ہستی میں زینب اور کلثوم کے کردار ملتے ہیں۔ زینب طاہر علی کی سوتیلی ماں ہے۔ اور کلثوم طاہر علی کی بیوی۔ زینب کے کردار میں پریم چند نے سوتیلی ماؤں کی تمام برائیاں سمو دی ہیں۔ طاہر علی اس کی ہر طرح خدمت کرتا ہے اور کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنے دیتا یہاں تک کہ خود اس کے بچے فاقہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے سوتیلے بھائی کی تعلیم کے لیے روپیہ دیتا ہے۔ دوسری طرف زینب اس کے بچوں کو اور کلثوم کو طرح طرح سے ستاتی ہے۔ اور جب غبن کے الزام میں طاہر علی گرفتار ہو جاتا ہے تو وہ اس کی بیوی اور بچوں کو اس قدر پریشان کرتی ہے کہ مجبور ہو کر وہ لوگ گھر چھوڑ دیتے ہیں اور مزدوروں کی بستی میں جا کر رہنے لگتے ہیں جہاں کلثوم

---

۲۵ چوگان ہستی پریم چند صفحہ ۱۱۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سلائی کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔

زینب میں ایک مکّار اور چالاک عورت کی تمام صفات موجود ہیں وہ گنڈا اور تعویذ کر کے جاہل عورتوں سے پیسہ وصول کرتی ہے اور گھر کی آمدنی میں سے بھی روپیہ چرا کر رکھتی ہے۔ لیکن طاہر علی کی گرفتاری کے وقت ایک پیسہ بھی دینے سے انکار کر دیتی ہے اور اسے سزا ہو جاتی ہے۔ اس طرح اس کے ذریعہ پریم چند نے سوتیلی ماں کے مسئلے کو پیش کیا ہے اور ایسی ماؤں کی تنگ نظری، اور سخت دلی کو دکھانے کی کوشش کی ہے۔

پریم چند نے "پردہ مجاز" میں تعدد ازدواج کے مسئلے کو پیش کیا ہے۔ جس کے بارے میں وہ اپنے بعض پچھلے ناولوں میں اشارے کر چکے ہیں۔ کنور بیشپال سنگھ کی تین رانیاں سومتی۔ رام پریا اور روہنی ہیں۔ روہنی تیسری رانی تھی اور بیشپال کی چہیتی تھی اس لیے دوسری رانیاں اس سے حسد رکھتی تھیں جب بیشال سنگھ اپنی چوتھی شادی منورما سے کر لیتا ہے تو ان سب کے دلوں کو ٹھیس لگتی ہے۔ منورما یوں تو راجہ اور رعایا سب پر حکومت کرتی تھی۔ لیکن رانیوں سے اُسے بھی دبنا پڑتا تھا۔ روہنی طعن و تشنیع سے کبھی نہ چوکتی تھی۔ اس طرح پریم چند نے یہ دکھایا ہے کہ متعدد بیویوں کی موجودگی میں کسی کے ساتھ انصاف نہیں ہو سکتا وہ صرف شوہر کی نگاہ التفات تک رانیاں ہیں ورنہ ادھر اس کی نگاہ پھری اور ان کی زندگی کنیزوں سے بھی بدتر ہو گئی۔ جیسا کہ اسی ناول میں منورما کے ساتھ ہوا۔ پریم چند یہ بات پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے بار بار انھوں نے ایسی عورتوں کو پیش کر کے اُس ظاہری اور اندرونی کشمکش کو دکھایا ہے جو ایسے موقعوں پر پیدا ہوتی ہے۔ اور خاندانوں کی تباہی اور عورتوں کی خودکشی کا سبب بنتی ہے۔ وہ اس بات کے بالکل خلاف ہیں کہ کوئی آدمی ایک بیوی کی زندگی میں دوسری شادی کرے وہ ایسی عورتوں سے اس عورت کو زیادہ اچھا سمجھتے ہیں جو بیوہ ہو گئی ہو۔ انھوں نے ایک بار شیورانی سے اس مسئلہ پر گفتگو

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کرتے ہوئے کہا تھا کہ :-

"مان لو کوئی آدمی اپنی عورت رہتے ہوئے دوسری عورت سے شادی کر لیتا ہے اور پہلی کی بات تک نہیں پوچھتا۔ دل میں یہ مناتا ہے کہ مر جائے تو اچھا ہو۔ تم ہی سوچو اس (عورت) کے جیون میں کیا ہے۔ اس کو تم سکھی سمجھتی ہو ——— تم سمجھو ——— میں تو نہیں سمجھوں گا۔ جس کا شوہر مر گیا ہو۔ کم سے کم اس میں جو پریم تھا ——— اپنا پایا تھا۔ وہ تو اس کے ساتھ ہے۔ اس کے لیے اب کیا رہا! اس سہاگن کے پاس کیا رہا سوائے جلن اور نفرت کے۔ بس اس بیوہ کو تڑپن ہے جلن ہے۔ مگر بیوہ کے دل میں جو اپنا پا اور محبت کی کونپلیں جمع ہو گئی ہیں۔ وہی اس کی مستقل جائیداد ہے۔ اس کے مرنے پر ہی وہ دور ہو سکے گی .... جس کے جیون میں یہ چیزیں مل جائیں۔ اسے اور کس چیز کی ہے۔! اب اس کا اندازہ لگاؤ۔ جیسے شوہر زندہ جلا رہا ہو"۔ [۵۱]

پردہ مجاز میں ایک کردار لونگی کا ملتا ہے۔ جو ادنیٰ طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ ٹھاکر ہری سنگھ کی ملازمہ ہے لیکن مالکن کے مرنے کے بعد وہ بیوی کی طرح رہتی ہے۔ وہ ایثار خدمت اور محبت کا ایک مجسمہ ہے۔ اس میں محبت اور مادرانہ شفقت کا جذبہ اسقدر ہے کہ وہ خود تکلیف اٹھاتی ہے۔ لیکن ٹھاکر صاحب کے لڑکے اور لڑکی کے لیے ہر آسائش مہیا کرتی ہے۔ لیکن جس وقت ٹھاکر صاحب کا لڑکا سیوک اس کو ذلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور گھر سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ پوری خودداری اور مالکانہ شان سے کہتی ہے۔

---

[۵۱] پریم چند گھر میں (ہندی) شیورانی پریم چند صفحہ ۱۹۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"جبتک مالک جیتا ہے لونگی اسی گھر میں رہے گی جب وہ نہ رہے گا جو سر پڑے گی جھیل لوں گی ۔ جو تم چاہو لونگی گلی گلی ٹھوکریں کھاتی پھرے تو یہ نہ ہوگا ۔ میں لونڈی نہیں ہوں جو گھر کے باہر جاکر رہوں ۔ تمھیں مجھ سے کہتے شرم نہیں آتی"۔ ۵۲

وہ سماجی بندشوں کو چیلنج کرتے ہوئے بڑی بے باکی اور سچائی سے کہتی ہے :-

" چار بھانوریں پھر جانے سے ہی بیاہ نہیں ہو جاتا میں نے اپنے مالک کی جتنی خدمت کی ہے اور کرنے کو تیار ہوں کون بیاہتا کرے گی ۔ لائے تو ہو بہو یہی اٹھاکر لوٹا پانی دیتی ہے ۔ نام سے کوئی بیاہتا نہیں ہوتی ——— سیوا اور پریم سے ہوتی ہے"۔ ۵۲

وہ صحیح معنوں میں ٹھاکر صاحب کی بیوی ہے مخلص اور خدمت گذار ——— لیکن سماجی حیثیت سے اس کی کوئی وقعت نہیں وہ کہتی ہے کہ صرف بھانوریں پھرنے سے بیوی نہیں ہو جاتی ۔ لیکن اس کی اس دلیل کو سماج نہیں مانتا ۔ سماج کے لیے وہ گری ہوئی عورت ہے جس کی حیثیت گھر میں ایک ملازمہ سے زیادہ نہیں ۔ جس کو سیوک کسی وقت بھی گھر سے نکال دینے کی دھمکی دے سکتا ہے ۔

پریم چند کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ ایسی عورتوں کو بیوی کا سماجی حق ملنا چاہیے یا نہیں ۔ انھوں نے اپنی طرف سے واضح الفاظ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا ہے ۔ لیکن لونگی کے الفاظ کسی حد تک اُن کے خیال کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ ٹھاکر صاحب نیک اور شریف آدمی ہیں ۔ لیکن سماج

۵۱ اور ۵۲ پردہ مجاز پریم چند صفہ ۴۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کے ڈر سے وہ لونگی جیسی پرخلوص عورت کو اعلانیہ بیوی نہیں کہہ سکتے شادی نہیں کر سکتے۔ لیکن لونگی سیوا، تیاگ اور پریم کو ہی بیوی بننے کے شرائط مانتی ہے۔ اس پر عمل کرتی ہے اور اپنے بیوی ہونے کے حق کا پورا استعمال بھی کرتی ہے۔ وہ ہر مسئلہ میں رائے دیتی ہے اور اپنی بات منوانے کی پوری کوشش کرتی ہے۔ ٹھاکر صاحب جب اپنی لڑکی منور ما کی شادی بوڑھے راجہ سے طے کر دیتے ہیں تو وہ پوری طرح اُن کی مخالفت کرتی ہے۔

"تحصیلدار صاحب کیسی باتیں کرتے ہو۔ ہمیں اپنی رانی کو دھن کے ہاتھوں نہیں بیچنا ہے۔ لڑکی کنگال کو دیدے بوڑھے کو نہ دے۔ غریب رہے گی تو کیا عمر بھر کا رونا جھینکنا تو نہ رہے گا" ؎

منور ما کے ذریعہ بھی پریم چند نے بے جوڑ شادی کے مسئلہ کو پیش کیا ہے۔ تحصیلدار صاحب اس کی شادی ایک بوڑھے راجہ کے ساتھ کر دیتے ہیں۔ جس کی تین رانیاں پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ لونگی اس کی مخالفت ضرور کرتی ہے۔ لیکن تحصیلدار صاحب بات پکی کر لینے کے بعد اُس سے ہٹ کر سماج کی نظر میں ذلیل ہونا نہیں چاہتے۔ اس لیے شادی ہو جاتی ہے اور منور ما ساری زندگی کے لیے سچی خوشیوں سے محروم ہو جاتی۔ وہ روپیہ پیسہ من مانے کاموں پر صرف کرتی ہے۔ جس سے اس کے ذہن کو سکون ضرور مل جاتا ہے۔ لیکن وہی ہوتا ہے جس کا خطرہ لونگی کو تھا۔

منور ما جتنی بلند حوصلہ محبت کرنے والی اور ایثار و قربانی کی دیوی ہے۔ اتنی ہی اس کی سوگوار زندگی اور افسردہ دلی قاری کی ساری ہمدردیاں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور کہانی کے ساتھ ایک بہت ہی لطیف و نرم و

؎ پردہ مجاز پریم چند صفحہ ۱۳۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نازک خاکہ منورما کی شکل میں ذہنوں میں ابھرتا ہے۔ اس کی زندگی ایک المیہ ہے۔ وہ اہلیا کے لڑکے شنکر دھر کو گود لے لیتی ہے اور ریاست کا وارث وہی قرار پاتا ہے۔ راجہ ایک بدگمانی کے تحت اس سے خفا ہو جاتا ہے اور منورما کے سارے اختیارات یہاں تک کہ محل تک چھین لیتا ہے۔ اور وہ نوکرانی والے گھر میں رہنے لگتی ہے۔ کچھ دن بعد بدگمانی دور ہونے پر راجہ اس کو پھر بلا لیتا ہے۔ لیکن شنکر دھر کے انتقال کی خبر سُن کر صدمہ سے وہ خود بھی مر جاتا ہے۔ اب منورما کی زندگی میں سوائے ویرانی کے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ اس کے بعد وہ خوش رنگ پرندوں کو پالتی ہے اور انھیں سے دل بہلاتی ہے۔

یہاں پر پریم چند نے ایک اہم مسئلہ یہ بھی پیش کیا ہے کہ بیوی مرد کی خوشی تک بیوی رہ سکتی ہے۔ مرد کی ذرا سی بدگمانی پر ایک رانی بھی نوکرانیوں کے گندے مکان میں زندگی گذارنے پر مجبور ہو سکتی ہے۔ دوسرے مرد کی کئی شادیوں کے سبب سوکنوں کا جلاپا جنم لیتا ہے اور عورتوں کی زندگی عذاب ہو کر رہ جاتی ہے۔

زیورات بھی عورتوں کی زندگی میں بے انتہا اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کی وجہ سے سماج میں نہ جانے کتنی زندگیاں برباد ہوئیں۔ اس کی ایک تصویر ہمیں پریم چند کے ناول غبن میں ملتی ہے پہلے اسی موضوع پر پریم چند نے "کشنا" لکھی غبن کو "کشنا" کی ایک ترقی یافتہ شکل کہنا چاہیے "کشنا" کے بارے میں تھوڑی سی معلومات ہمیں زمانہ کانپور سے ملتی ہے۔ جس میں زمانے کے نقاد نے کشنا پر تبصرہ کیا ہے۔ ناول کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے کوئی اور بات اس سلسلے میں نہیں معلوم ہو سکی۔ نقاد نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے

" یہ بھی ناول ہے اور ہمارے سوشل ریفارم

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے تعلق رکھتا ہے۔ زمانہ کے مشہور مضمون نگار منشی نواب رائے صاحب بنارسی اس کے مصنف ہیں جو فن ناول نویسی پر خاطرہ عبور رکھتے ہیں۔ انھوں نے عورات میں زیور کے فضول شوق کی اچھی چنتھاڑ کی ہے۔ گویا یہ ایک ایسی عورت کی لائف ہے جسے زیورات کا شوق نہیں جنوں تھا۔ اس جنون کی تصویر دکھلانے میں لائق مصنف نے بہت زیادہ زور قلم صرف کیا ہے۔ تاہم افراط و تفریط کی وجہ سے یہ خبط اصلی نہیں بلکہ مصنوعی معلوم ہوتا ہے ساتھ ہی شادی بیاہ کے بعض رسوم کا بھی خاکہ اڑایا گیا ہے۔ خصوصاً ایک رقم معینہ کا قرار داد اور اس کا سختی سے وصول کرنا بے شک ایک نامعقول رسم ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے مہذب ارباب قوم روز بروز اس کے خلاف ہوتے جاتے ہیں۔ اور مہذب شہروں اور تعلیم یافتہ حلقوں میں اس کا رواج اٹھتا جاتا ہے۔ انھیں کے نمونے پر دیہات کے باشندے بھی اپنی اصلاح کر سکتے ہیں جو نہایت ضروری ہے۔ البتہ شادیوں کے موقعوں پر خوشی و مسرت کا اظہار لازمی ہے۔ ورنہ شادی و غمی کی تقریبوں میں امتیاز محال ہو جائے گا۔ اور قوم سے زندہ دلی کا مادہ بتدریج زائل ہو جائے گا۔ جو تہذیب کا جزو اعظم ہے۔ کتاب میں جو زبان استعمال کی گئی ہے وہ منشی صاحب کی فصیح تحریروں سے بہت کم ملتی ہے۔ غالباً یہ زبان اس لیے استعمال کی گئی ہے۔ کہ جس فرقہ کی اصلاح مقصود ہے اس کے لیے دلچسپ ہو۔ ہمیں مصنف کی بالغ نظری سے جس امر کا سخت تعجب ہے وہ

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اصولِ فن سے تعلق رکھتا ہے یعنی انھوں نے کشنا کو لالہ دھننک داری لال سے پہلے ہی سین میں ملایا جو سوشل ریفارمروں میں نہایت معزز اور ممتاز ہیں۔ لیکن انھوں نے اپنی ڈیوٹی کے خلاف غریب کشنا کے جنون کا کوئی معقول علاج نہیں کیا اور اس لیے ہیروئن اپنے مرتبہ اور شان کو قائم رکھنے میں ناکامی اٹھائی فن کی نزاکت یہ چاہتی تھی کہ لالہ دھننک داری لال کی کوششوں سے کشنا کا جنون فروع ہو جاتا۔ اور وہ اپنے طبقہ کے لیے ایک نمونہ بنتی بہ حالت موجودہ یہ ایک ایسا ناول ہے۔ جس میں کوئی ہیرو یا ہیروئن نہیں ہے۔ اور اسے ایک ناول کہنا محال ہے۔ دراصل یہ ناول بھی نہیں بلکہ ایک نامعلوم مذاقِ نسوانی کا خاکہ اڑایا گیا ہے جسے انگریزی میں کیکری کیچر کہتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ تصنیف ضرور قدر کی مستحق ہے۔[1]

اسی زیورات کے مسئلے کو زیادہ بہتر انداز میں پریم چند نے غبن میں پیش کیا ہے۔ جالپا ناول کی ہیروئن ہے جسے بچپن سے زیوروں کا بہت شوق ہے۔ شادی کے بعد وہ شوہر سے ایک چندن ہار کی فرمائش کرتی ہے۔ وہ اسے خوش کرنے کے لیے زیور خرید دیتا ہے۔ کہانی کے المیہ کی بنیاد دراصل رما کی جھوٹی باتیں اور ان باتوں کو سچ کرنے کی کوشش ہے رما نے اپنی صحیح حیثیت کبھی جالپا پر ظاہر نہیں کی اور ہمیشہ اپنے عمل اور باتوں سے یہ ثابت کرتا رہا کہ وہ بہت بڑا آدمی ہے۔ اسی لیے جالپا کی خواہش کو

---

[1] "زمانہ"، اکتوبر نومبر ۱۹۰۷ء ازنقاد (اصل نام نوبت رائے نظر)

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

پورا کرنے کے لیے اُسے غبن کرنا پڑا اور بعد میں مصیبتوں میں گرفتار ہوا۔

گؤدان پریم چند کا وہ ناول ہے جو عام مسائل سے پر ہونے کے ساتھ ہی بہترین کردار نگاری کا اعلیٰ نمونہ بھی ہے ۔ اسی لیے یہاں پر اس ناول میں ملنے والے عورتوں کے عام مسائل کے ساتھ ان کے کردار اور کردار نگاری سے بحث کی گئی ہے۔

گؤدان پریم چند کے مکمل ناولوں میں آخری ناول ہے۔ جو انھوں نے ۱۹۳۵ء میں لکھا تھا۔ ناول کی کہانی بلاری گاؤں کے ایک کسان ہوری کے گرد گھومتی ہے ۔ وہ ایک معمولی کسان ہے۔ جس کا چھوٹا سا خاندان ہے جس میں اس کی بیوی دھنیا، اس کا لڑکا گوبر اور دو لڑکیاں روپا اور سونا ہیں۔ جن کے گذر بسر کا انحصار اس چار بیگھا زمین پر ہے جو ہوری کی کاشت میں ہے۔ جس سے اتنی بھی آمدنی نہیں ہے کہ یہ چھوٹا سا کنبہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھا سکے اس لیے ہمیشہ قرض میں گرفتار رہتا ہے ہوری اور دھنیا کے ذریعہ پریم چند نے کسانوں کی حالت اور ان کے مسائل کی بڑی کامیاب عکاسی کی ہے ۔

دوسری طرف شہری کرداروں کی سرگذشت بھی گاؤں کی زندگی کے ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ مسٹر مہتا۔ مسٹر کھنا۔ مرزا خورشید۔ پنڈت اونکار ناتھ۔ مسٹر تنخا۔ رائے اگرپال، گوبندی اور مالتی وغیرہ کے کردار کافی اہمیت رکھتے ہیں۔ اور پریم چند نے ان کرداروں کے ذریعہ اعلیٰ اور متوسط طبقہ کے مسائل ان کی گھریلو زندگی اور کشمکش وغیرہ کو پیش کیا ہے ۔

گوبندی کھنا صاحب کی بیوی۔ پتی ورتا، ایثار کا مجسمہ اور پریم چند کا آدرش کردار ہے۔ پریم چند عورت میں جو خوبیاں دیکھنا چاہتے ہیں وہ سب گوبندی میں موجود ہیں ۔ مالتی شہر کا ایک جیتا جاگتا کردار ہے ۔ جو ابتدا میں ایک سوسائٹی گرل کی شکل میں سامنے آتا ہے جس کا کام اپنی ضرورت کے لیے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

روپیہ پیدا کرنا ہے۔ جو سماج میں شمع محفل کا درجہ رکھتی ہے۔ ان دونوں کرداروں کے ذریعہ پریم چند نے ایک ہی سماج میں سانس لینے والی دو عورتوں کے مسائل پیش کئے ہیں۔ مالتی مہتا صاحب کی شخصیت اور کردار سے متاثر ہوتی ہے اور خود بھی خدمت و ایثار کا مجسمہ بن جاتی ہے۔

مسٹر کھنا ایک ایسے انسان ہیں جن میں بڑے آدمیوں کی تمام خامیاں موجود ہیں۔ وہ مالتی اور اسی طرح کی دوسری "فوق الھبڑک" لڑکیوں میں دلچسپی رکھتے ہیں اور عیش و عشرت کی محفل ان کے یہاں رات دن گرم رہتی ہے۔ گوبندی کو اس سے جو ذہنی اذیت ہوتی ہے۔ وہ ناول میں جگہ جگہ نمایاں ہے۔ جس وقت مسٹر کھنا کو کاروبار میں نقصان ہوتا ہے۔ ان کی مل میں آگ لگ جاتی ہے اور ان کی وہ مالی حیثیت نہیں رہ جاتی تو گوبندی ایک اچھے رفیق اور ساتھی کی طرح ان کے دل کے زخموں پر مرہم رکھتی ہے۔ اور ان کو مایوسی کے غار میں گرنے سے بچاتی ہے۔

پریم چند کا خود آدرش بے غرضی ایثار اور خدمت ہے۔ وہی انھوں نے اپنے اس مثالی کردار میں پیش کیا ہے گوبندی کی ازدواجی زندگی بہت خراب ہے کھنا صاحب کی زیادتیوں کی وجہ اس کی سمجھ میں یہی آئی کہ وہ ان کی دست نگر ہے اس کو مالتی کی زندگی پر رشک آتا ہے۔ اس لئے کہ سب اس پر جان دیتے ہیں۔ لیکن گوبندی ایک شوہر پرست عورت ہے۔ شوہر ہی اس کے لیے سب کچھ ہے۔ وہ خواہ اس پر کتنی ہی زیادتی کیوں نہ کرے۔

اس طرح پریم چند نے گوبندی کے ذریعہ اگر ایک طرف عورتوں کی خراب حالت مردوں کی عیش کوشی۔ عیاشی اور بیوی کی طرف سے لاپرواہی دکھائی ہے تو دوسری طرف ہندوستانی عورت کے ایثار اور قربانی کو پیش کیا ہے۔ جو ان کا پسندیدہ نظریہ ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

گوبندی اپنی خانگی زندگی سے مطمئن نہیں اس لیے جب وہ گھر سے ناراض ہوکر ایک دن چلی جاتی ہے اور راستہ میں مالتی اور مہتا صاحب کو کار پر جاتے ہوئے دیکھتی ہے۔ تو سوچتی ہے کہ بیاہ نہ کرکے مالتی کسقدر خوش ہے۔

"......اور بیاہ میں کونسا سکھ رکھا ہے
بہت اچھا کرتی ہے جو بیاہ نہیں کرتی ابھی سب
اُن کے غلام ہیں تب وہ ایک کی لونڈی ہوکر رہ جائے
گی بہت اچھا کر رہی ہے۔ ابھی تو یہ حضرت کبھی تلوے
چاٹتے ہیں اگر کہیں ان سے بیاہ کرلے تو اس پر
حکومت کرنے لگیں۔" ؎۱

مالتی کے بارے میں عام خیال یہ تھا کہ وہ کسی سے محبت نہیں کرسکتی اس کی محبت اس کی مسکراہٹ اس کی ادائیں سب پیسے کے لیے وقف ہیں حالانکہ اس کی ضرورتوں اور گھر کے قرض نے اس کو مجبور کر دیا تھا۔ کہ وہ اپنی ہر بات کی قیمت وصول کرے۔ پریم چند نے لکھا ہے کہ:

"وہ اس لیے چہکتی اور مذاق کرتی ہے کہ اس سے
اس کے قرض کا بار کسی قدر ہلکا ہو جاتا ہے۔" ؎۲

لیکن وہی مالتی مہتا صاحب کے ایثار اور خدمت کے جذبے کو دیکھ کر ان سے محبت کرنے لگتی ہے وہ گاؤں گاؤں جاکر بچوں کی خدمت کرتی ہے اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاتی ہے۔ مہتا صاحب کے ساتھ غریبوں کو دیکھنے جاتی ہے اور مفت علاج کرتی ہے۔

؎۱ گودان پریم چند صفہ ۳۴۶ - ۳۴۵
؎۲ گودان " " صفہ ۲۵۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ناول میں مناکشی بے جوڑ شادی کی ایک مثال بن کر سامنے آتی ہے۔ وہ آزاد خیال اور مردوں سے مساوات کا حق چاہنے والی عورتوں میں ہے اس کے شوہر کی عیاشی اور بے جا حرکتیں اس کے انقلاب پسند ذہن میں شورش کی چنگاریاں بھر دیتی ہیں۔ وہ ایک دن اپنے شوہر ڈگ بجے سنگھ کی محفل عیش میں پہنچ جاتی ہے۔ جہاں ناچ گانے اور شراب کا دور چل رہا تھا۔ وہ ساری محفل کو درہم برہم کر دیتی ہے اور نشہ میں دھت لوگوں کی خوب مرمت کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ اس کا یہ عمل بہت زیادہ اچھا نہ سمجھا جائے اور ہندوستانی عورت کی فرماں برداری اور وفاداری پر ایک دھبہ ہو۔

لیکن ڈگ بجے سنگھ کی عیاشیوں نے اس کے صبر و ضبط کے پیمانے کو لبریز کر دیا تھا اس لیے وہ اس عمل پر مجبور ہو جاتی ہے۔

گؤدان کے زیادہ تر کردار ادنی طبقہ اور دیہاتی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ عورتوں میں کردار نگاری کے اعتبار سے ناول کا سب سے کامیاب کردار دھنیا کا ہے۔ اس کے علاوہ سلیا۔ جھنیا۔ سونا۔ روپا نہری۔ جھارا جن۔ جنگلی لڑکی۔ سارے کردار گاؤں کی زندگی کی خراب حالت۔ کسانوں کی مظلومی، مایوسی اور محرومی کی غمازی کرتے ہیں۔

دھنیا ایک وفا شعار دیہاتی عورت ہے۔ ہوری سے اس کی لڑائی بھی ہوتی ہے لیکن یہ لڑائی صرف وقتی رہتی ہے۔ دھنیا نرم مزاج اور نرم دل ہونے کے ساتھ کسی حد تک ضدی بھی ہے اس کے دل میں پریم چند نے وہ نزاکتیں پیدا کر دی ہیں جو ایک محبت کرنے والی ماں میں ہوتی ہیں۔ اس کا دل گنگا جل کی طرح پاک ہے وہ کسی کو تکلیف یا پریشانی میں نہیں دیکھ سکتی گوبر جب جھنیا کو لے آتا ہے تو پہلے تو وہ خفا ہوتی ہے۔ ہندو سماج میں کسی بیوہ کا ہاتھ پکڑ لینا بہت بڑا گناہ ہے۔ جھنیا بیوہ تھی۔ گوبر اس سے شادی کا وعدہ کر کے لے آتا ہے۔ جس پر ساری برادری اور ماں باپ ناراض

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوتے ہیں۔ لیکن جب جھنیا اس کے پیروں سے لپٹ کر رونے لگتی ہے تو وہ اس کو معاف کر دیتی ہے اور اپنے گھر میں بہو کی صورت میں پناہ دیتی ہے۔ برادری اس غلطی پر ان پر جرمانہ کرتی ہے۔ لیکن دھنیا جرمانہ دینے سے انکار کر دیتی ہے۔ اس کو حقہ بند ہونے کی پرواہ نہیں وہ ایک حق پسند اور خود دار عورت ہے۔ طرح طرح کی تکلیفیں برداشت کرتی ہے لیکن ہمت نہیں ہارتی اور افلاس و پریشانی میں بھی خدمت، ایثار اور محبت کا جذبہ اس کے دل سے نہیں جاتا۔

دھنیا دنیا کے معاملہ بہت زیادہ ہوشیار نہیں وہ کسی زمیندار اور اہلکار کی خوشامد کیوں کرے۔ اگر زمیندار کا کھیت جوتا ہے تو وہ لگان ہی توے گا۔ وہ زمانے کے معاملات کی پیچیدگیوں اور ان کے برتنے کے طریقوں سے نہیں واقف ہے۔ وہ جو کچھ اچھا برا دیکھتی ہے۔ کہہ دیتی ہے اس کے کردار کی یہی خوبی ہے۔

دھنیا کے ذریعہ پریم چند نے گاؤں کی زندگی اور اس وقت کے سماج کی برائیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اس وقت سماج کے سارے طبقہ زمیندار مہاجن بنیے۔ سپاہی داروغہ سب کسانوں کو لوٹ رہے تھے۔ اور معصوم کسان ان کے لیے سونے کا انڈا دینے والی مرغی کی طرح تھے۔ ان کی زندگی کا سارا رس ختم ہو گیا تھا۔ دھنیا نے جس صاف گوئی سے ان برائیوں کو بے نقاب کیا وہ تعجب خیز ہے۔ یہ اسی کی ہمّت تھی کہ وہ سلیا چمارن کو اپنے یہاں پناہ دے اور ایک بیوہ کو اپنی بہو بنا کر رکھے سماج برادری اور سب سے اس کے لئے لڑ جائے۔ وہ بہادری کے ساتھ سب کے سامنے داروغہ کو رشوت لینے پر لتاڑتی ہے اور گاؤں کے مکھیا اور ساہوکار وغیرہ کو کھری کھری سناتی ہے اور روپیہ ہوری کے ہاتھ سے لے کر پھینک دیتی ہے۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"...... میں سب جانتی ہوں یہاں تو حصہ بانٹ ہونے والا تھا۔ سب ہی کے منھ میٹھے ہوتے یہ ہمارے گاؤں کے مکھیا ہیں۔ غریبوں کا خون چوسنے والے۔ سود بیاج ڈیڑھ سوائی نجر بھینٹ گھوس رشوت جیسے ہو غریبوں کو لوٹو۔ اس پر سوراج چاہیئے۔ جیل سے سوراج نہ ملے گا۔ سوراج ملے گا دھرم سے"۔ لے

دھنیا ذرا میں آگ بگولا ہو جاتی ہے اور نلا میں میدان میں بہنے والی ندی کی طرح لچک دار اور سبک رفتار جیسے پہاڑ سے گرنے والے پانی کا سارا شور چند لمحوں میں میدان میں پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ بالکل وہی حال دھنیا کا ہے۔ اس کا دل بُرا نہیں ہے۔ جھنیا جس وقت اس کے گھر آتی ہے تو بہت خفا ہوتی ہے۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوتا ہے کہ جھنیا حاملہ ہے تو وہ اس کو معاف کر دیتی ہے۔

ناول میں جھنیا ہمارے سامنے بہت سے مسائل لے کر آتی ہے وہ بھولا کی بیوہ لڑکی ہے جس کا تعلق ہوری کے لڑکے سے ہو جاتا ہے اور وہ اس کو اپنے گھر لے آتا ہے۔ لیکن ہندو سماج اس کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ اس لیے وہ بڑی پریشانی میں مبتلا ہوتی ہے۔ گوبر سب کے خوف سے جھنیا کو چھوڑ کر شہر چلا جاتا ہے۔ وہ دھنیا کے ساتھ رہ کر طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرتی ہے۔ برادری اس کی وجہ سے ہوری اور دھنیا پر جرمانہ کرتی ہے اور پوری تیار فصل جرمانہ میں لے لیتی ہے۔ ویسے جھنیا ایک ایسی عورت ہے جو زمانہ کی اونچ نیچ سے واقف ہے۔ وہ نفس پرست مردوں کا بڑا اچھا نفسیاتی تجزیہ کرتی ہے۔ اس کے ذریعہ عام

لے گؤدان پریم چند صفحہ ۱۸۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بوالہوس مردوں کی نفسیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ شوہر پرست ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ شوہر کی محبت میں عورت کو روکھا پھیکا کھا کر بھی خوشی اور مسرت ملتی ہے۔

ایک عورت کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کو محبت کرنے والا شوہر مل جائے اور اس کے ساتھ پرسکون زندگی گذار دے جھنیا کے یہاں بھی یہی خواہش ملتی ہے۔ گوبر اس سے محبت کرتا ہے اور وہ اس کو چاہتی ہے۔ اس لیے گوبر کے شہر چلے جانے کے بعد وہ ہر طرح کے مصائب کا مقابلہ خندہ پیشانی سے کرتی ہے۔ ہوری کے گھر میں اُسے اپنے گھر جیسا سکھ تھا۔ مگر گوبر کی بے وفائی نے اس کا دل توڑ دیا تھا۔ ایک دن گاؤں کا مکھیا اس کو بھرمانے آیا اور جب سونا نے اس سے کہا کہ وہ اس کے یہاں چلی جائے تو وہ کہتی ہے۔

"..... میں کیوں چلی جاؤں۔ میں تو ایک کے ساتھ چلی آئی اچھا ہو یا بُرا۔" لہ

ایک عورت کے لیے اس کا گھر اور بچے سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ جھنیا میں بھی عام عورتوں کی طرح یہ خصوصیت موجود ہے۔ جب گوبر آجاتا ہے اور اس سے شہر چلنے کو کہتا ہے اور دھنیا اس کی مخالفت کرتی ہے تو وہ ان کے احسانات کو فراموش کر کے شہر جانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ اس طرح ناول میں ایک عورت کی نفسیات اور اس کے احساسات کا اچھا نقشہ جھنیا کی شکل میں پیش کیا گیا ہے

سلیا چمارن بھی ناول میں ہمارے سامنے بعض مسائل لے کر آتی ہے۔ وہ ماتا دین کی داشتہ ہے جو اس کے ساتھ مرنے اور جینے کا

لہ گئودان پریم چند صفحہ ۲۹۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

فیصلہ کر چکی ہے۔ وہ دن رات اس کے گھر کا کام کرتی ہے۔ پھر بھی ماتادین یا اس کے گھر پر اس کا کوئی قانونی یا سماجی حق نہیں ہے۔ پریم چند نے اس مسئلے کو اس سے پہلے پردہ مجاز کی لونگی کی شکل میں پیش کیا ہے وہ ٹھاکر صاحب کی داشتہ تھی۔ سلیا پنڈت ماتادین کی داشتہ ہے۔ لیکن لونگی کے مقابلہ میں سلیا کو اور بھی کم حقوق ہیں۔ وہ تو گھریلو معاملات میں رائے دیتی ہے۔ لڑتی اور اپنی بات منوا لیتی تھی لیکن سلیا صرف بیلوں کی طرح کام کرتی ہے۔ شائد اس کی وجہ یہ ہے کہ سلیا ایک ایسے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اچھوت سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے وہ اس حد تک نہیں پہنچ سکی۔ جہاں لونگی پہنچ گئی تھی۔ ایسی عورت کے لیے سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت مرد کی نگاہ کرم اور التفات کی محتاج ہے۔ جس وقت بھی مرد چاہے ان کو نکال دے۔ اس کے بعد ان کا کوئی حق نہیں سلیا کے خاندان کے لوگ جب ماتادین کا دھرم نشٹ کر دیتے ہیں۔ تو وہ سلیا کو گھر سے نکال دیتا ہے۔ اس کے بعد اس کی دُنیا تاریک ہو جاتی ہے۔ اگر اس کو دھنیا سہارا نہ دیتی تو اس کی زندگی عذاب ہو جاتی۔ اس موقع پر جبکہ سلیا کو کوئی پناہ دینے والا نہیں ہے اور ہوری بھی سلیا کو اپنے یہاں رکھنے کی مخالفت کرتا ہے۔ تو دھنیا اس سماج پر زبردست طنز کرتی ہے۔ اس کی نگاہ میں ماتادین اور سلیا دونوں کا دھرم۔ دھرم تھا جس کو ایک دوسرے نے خراب کیا۔

"اچھا رہنے دو بڑے نیائی بنے ہو مرد مرد سب ایک ہوتے ہیں۔ اس کو متئی نے بھرسٹ کیا تب تو کسی کو برا نہ لگا۔ اور اب جو متئی بے دھرم ہو گئے تو کیوں برا لگتا ہے۔ کیا سلیا کا دھرم دھرم نہیں ہے۔ رکھنے کو تو چمارن اس پر بڑے دھرم والے بنے ہیں۔۔۔۔۔ تو چل

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سلیا میرے گھر ...... " [۱]

پریم چند نے بعد میں سلیا اور ماتادین کو ملا دیا ہے۔ ماتادین آکر اس سے معافی مانگتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائے گا اور ساتھ رہے گا۔ سلیا اور ماتادین کو ملاکر پریم چند نے اس مظلوم عورت کے حق و انصاف کی تائید کی ہے اور یہ ظاہر کیا ہے۔ کہ مذہب اور ذات کی تقسیم کچھ نہیں ہے محبت ہی اصل مذہب ہے۔

گئودان میں اس کے علاوہ ۔ نہری ۔ چوہیا ۔ پنیا روپا اور سونا کے کردار ملتے ہیں جو اپنے اپنے مسائل کو لے کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان مسائل کا ذکر تفصیل سے پریم چند کے بعض دوسرے ناولوں میں آچکا ہے مثلاً جہیز کا مسئلہ جو کہ سونا کی شادی کے سلسلے میں بھی پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح یہ ناول ہمارے سامنے سماج کے اہم مسائل اس کی ناانصافیاں اور حالات کو پیش کرتا ہے۔ سردار جعفری نے لکھا ہے کہ :

" پریم چند نے ہوری ۔ دھنیا ۔ بلراج کی تخلیق کرکے ان گمناموں کو نام اور بے زبانوں کو زبان دیدی۔ موجودہ نسلیں ہوری اور دھنیا اور بلراج کے ذریعہ سے اپنے عہد کی حقیقت کو سمجھیں گی اور اپنے سماج کی ناانصافیوں اور سماجی اداروں کے مظالم کے خلاف احتجاج کریں گی۔ [۲]

گئودان پریم چند کا کامیاب ترین ناول ہے۔ پریم چند نے اس ناول میں عورتوں مردوں اور سماج کے عام مسائل کو پیش کرتے ہوئے کسانوں کی تباہی اور ادنیٰ طبقہ کی بدحالی کا ذمہ دار صرف حکومت اور " مہاجنی " کو

---

[۱] گئودان پریم چند صفحہ ۴۵۶

[۲] ترقی پسند ادب سردار جعفری صفحہ ۱۳۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہیں بلکہ ذات پات کی تفریق اور لوگوں کی تنگ نظری کو بھی بتایا ہے۔ اور برہمنوں کی خود غرضی مذہب کی ٹھیکداری ادنیٰ طبقہ اور نیچ ذات کے ساتھ برے برتاؤ کو بھی پیش کیا ہے۔ اور ان باتوں سے نفرت کا اظہار کیا ہے۔

پریم چند کا آخری ناول منگل سوتر ہے۔ جس میں ہمیں متوسط طبقہ کے مسائل اور کردار ملتے ہیں۔ یہ ناول اس لیے بھی بہت زیادہ اہم ہے کہ اس میں بعض ایسی چیزیں ملتی ہیں جو پریم چند کی دوسری تخلیقات میں نہیں ہیں منگل سوتر پریم چند کا وہ ناول ہے جو انھوں نے بیماری کی حالت میں لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن زندگی نے وفا نہیں کی۔ اس لیے ناول نامکمل ہی رہ گیا۔ جتنا حصہ انھوں نے لکھا ہے وہ چار ابواب پر مشتمل ہے۔ اور اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ سیاسی اور سماجی شعور میں وہ کسقدر آگے بڑھ چکے تھے۔ اسی زمانے میں ہندوستان میں ترقی پسند مصنفین کی بنیاد پڑی اس کی پہلی کانفرنس لکھنؤ میں ہوئی جس کے صدر پریم چند تھے ان کے خطبۂ صدارت سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے بڑی حد تک اشتراکی خیالات کو اپنا لیا تھا۔ ایک بار انھوں نے ترقی پسند نوجوانوں سے کہا تھا کہ۔

"بھائی یہ تم لوگوں کا جلدی سے انقلاب کرنے کے لیے
تیز تیز چلنا تو مجھے بہت پسند آتا ہے لیکن میں ڈرتا ہوں
کہ اگر کہیں تم بے تحاشہ دوڑنے لگے تو ٹھوکر کھا کر منھ کے بل
گر نہ پڑو اور میں ٹھہرا بڈھا آدمی تمھارے ساتھ اگر میں بھی
دوڑا اور گرا تو مجھے تو بہت چوٹ آجائے گی"[1]

منگل سوتر کے مطالعہ سے بھی ان کے ترقی پسندانہ رجحانات کا اندازہ

---

[1] روشنائی سجاد ظہیر ص ۱۳۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہوتا ہے۔ اس ناول کا ہیرو ایک سن رسیدہ ادیب دیو کمار ہے جو کئی کتابوں کا مصنف ہے اور اپنی تصنیفات کی وجہ سے ملک گیر شہرت کا مالک ہے جہاں وہ جاتا ہے اس کو استقبالیہ دیا جاتا ہے لوگ اس کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن وہ معاشی بحران اور تنگدستی کا شکار ہے۔ اس کے پڑھتے وقت خود پریم چند کی زندگی سامنے آجاتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ یہ ایک سوانحی ناول ہے اور دیو کمار کی شکل میں خود پریم چند ہیں اس لیے کہ دیو کمار کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی پریم چند کا خاندان بھی اتنے ہی آدمیوں پر مشتمل تھا۔ اس سلسلے میں پریم چند کے صاجزادے امرت رائے نے بھی لکھا ہے کہ "یہ ناول، خود نوشت سوانحی" ناول ہے"۔[1] ان چار ابواب کے مطالعے سے جتنی کہانی کا اندازہ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ دیو کمار ایک مشہور ادیب ہے۔ لیکن اس کی تصنیفات کا معقول معاوضہ نہیں ملتا اس لئے پریشانی اور بدحالی کا شکار ہے۔ وہ اپنی جائداد فروخت کرکے زندگی گذارتا ہے۔ وہ ایک انسانیت پرست انسان ہے۔ اس لئے تمام لوگوں میں مساوات اور آسودگی دیکھنے کا خواہشمند ہے۔ لیکن دنیا میں ہر طرف بے ایمانی۔ دغا بازی، خود غرضی۔ بے انصافی اور ظلم و جور کا بازار گرم دیکھتا ہے ان چیزوں کو مٹانے کے لئے وہ تشدد کو جائز سمجھتا ہے۔ وہ فرشتہ سیرت زندگی کو بزدلی قرار دیتا ہے۔ اب تک کے ناولوں میں پریم چند نے گاندھی واد کا نظریہ پیش کیا تھا۔ لیکن اس ناول میں وہ اس کے مخالف نظر آتے ہیں دیو کمار ایک خوددار مستقل مزاج اور بہادر آدمی ہے وہ ظلم و جبر کے سامنے سر نہیں جھکاتا۔ وہ ایک انقلابی ہے اور اس وقت اس میں ناانصافی اور بے ایمانی کے خلاف جنگ کرنے کا جذبہ اور زیادہ بڑھ

---

[1] شانتی کے جودھا پریم چند امرت رائے ص۹۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

جاتا ہے جب اس کا بڑا لڑکا سنت کمار گردھر داس کے خلاف اپنی زمین کی واپسی کا مقدمہ دائر کرتا ہے۔

اس نامکمل ناول کا آگے چل کر کیا رُخ ہوتا اس کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کوئی بات کہنا ناممکن ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ اگر مکمل ہو جاتا تو ادب میں ایک اہم اضافہ کے ساتھ پریم چند کے نظریات میں عظیم موڑ کی حیثیت بھی رکھتا۔

منگل سوتر کے تمام کردار عام طور پر متوسط طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں عورتوں کے چار کردار ہیں شیویا۔ (دیو کمار کی بیوی)، پنکجی (دیو کمار کی لڑکی) پشپا (سنت کمار کی بیوی) اور بتّی ایک سیٹھ جی کی لڑکی ہے۔ ناول کے نامکمل ہونے کی وجہ سے ان عورتوں کے مسائل اور کرداروں کا پورا جائزہ تو نہیں لیا جا سکتا۔ لیکن جس شکل میں یہ ہمارے سامنے آتے ہیں وہ کچھ اس طرح ہے۔

دیو کمار کی بیوی شیویا ایک سلیقہ شعار گھریلو عورت ہے جو شوہر سے اختلاف کے باوجود اس سے بے حد محبّت کرتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ اس کی عزّت کسی طرح بنی رہے۔ وہ اپنے لڑکے سنت رام کی مغرب پرستی کو اچھا نہیں سمجھتی اور جب سنت کمار اپنے باپ کی فضول خرچیوں پر برہم ہوتا ہے تو وہ کہتی ہے "انھیں جو کچھ کرنا تھا کر چکے اب تمھیں جو کرنا ہو تم کرو۔" ۵ؔ

شیویا کی بہو پشپا ایک خود دار عورت ہے۔ جو خوبصورت بھی ہے اور نازک اندام بھی مگر مستقل مزاجی اور ارادے کی مضبوطی اسے کسی بھی طاقت کے سامنے جھکنے پر مجبور نہیں کر سکتی وہ ناراض ہو جاتی تو اسے منانا بہت مشکل تھا۔ مگر اس کی ناراضگی اس کے فرائض میں مانع

۵ؔ منگل سوتر پریم چند ص ۲۰

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

نہیں ہوتی۔ وہ خاموش رہ کر تنہا رہی سے سارے فرائض ادا کرتی مگر منھ سے بات نہ کرتی اور آنکھ نہ ملاتی۔ سنت کمار لالچی خود غرض اور قانون کے پھندوں سے واقف تھا اس کے اور پشپا کے خیالات میں زمین و آسمان فرق تھا۔ وہ عورت کو محض لونڈی کی شکل میں دیکھنا چاہتا تھا اس کا خیال تھا بیوی پر شوہر کا ہر طرح اختیار ہے چاہے تو وہ اس سے ناجائز کام بھی کرا سکتا ہے کیونکہ وہ اس کی دست نگر ہے۔ مگر پشپا جیسی خوددار عورت اسے ہرگز قبول کرنے کو تیار نہیں۔ وہ کہتی ہے۔

"اگر میں تمھاری محتاج ہوں تو تم بھی میرے محتاج ہو۔
میں تمھارے گھر میں جتنا کام کرتی ہوں اتنا ہی کام دوسروں
کے گھر میں کروں تو اپنا نباہ کر سکتی ہوں یا نہیں ....
تب میں جو کچھ کماؤں گی وہ میرا ہوگا یہاں چاہے میں
جان بھی دیدوں تو میرا کسی چیز پر حق نہیں۔ تم جب
چاہو مجھے گھر سے نکال سکتے ہو۔" [1]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت میں اب معاشی اقتصادی و غلامی کا وہ احساس جاگ اٹھا تھا۔ جس کو جنم جنم سے مردوں نے سماج اور مذہب کی آڑ لے کر سلا رکھا تھا۔ مذہب اور وفاداری کا وہ سبق جو نسلہ ین کر اس پر چھایا ہوا تھا اب ٹوٹنے لگا تھا اور عورت اس قابل ہو گئی تھی کہ اُسے اپنی حق تلفی کے خلاف آواز اٹھانے میں جھجک نہ محسوس ہو۔

سنت کمار شانتا کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنے باپ سے دس ہزار روپیہ قرض دلا دے۔ مگر شانتا صاف انکار کر دیتی ہے وہ کہتی ہے کہ وہ جس حال میں ہے۔ خوش ہے۔ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا۔ اسے منظور نہیں اور باپ کے گھر

---

[1] منگل سوتر پریم چند صفحہ ۱۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

سے تو اُس کا حق اُسی وقت ختم ہو گیا تھا جب اُس کے پھیرے ہوئے تھے اور جب سنت کار غصہ میں اس سے کہتا ہے کہ وہ حق پھر واپس مِل سکتا ہے تو شانتا تڑپ جاتی۔ اس نے اس گھر میں قدم رکھتے ہی جان لیا تھا کہ یہاں وہ محض ایک لونڈی کی حیثیت سے زندگی گذار سکے گی۔ اس کے اپنے خیالات اس کی اپنی حیثیت کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ اور پھر اس کو بار بار اس بات کا احساس دلایا جاتا تھا کہ یہاں اس کا کوئی حق نہیں یہ اس کے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ وہ سوچتی ہے کہ اس حالت میں یہاں رہنا اس کے لیے ناممکن ہے۔ اور اس کی خودداری اس کی اجازت نہیں دیتی کہ باپ کے گھر چلی جائے۔ وہ روتی نہیں اُسے اپنی مجبوری پر آنسو بہاتے اچھا نہیں لگتا بلکہ وہ اس مجبوری اور بے بسی کا حل سوچتی ہے۔

"کیسے وہ اپنا بوجھ اٹھائے؟ اسی لئے تو شوہر صاحب اس پر یہ رعب جماتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ اسے چاہے جتنا ستالو کہیں جا نہیں سکتی۔ ہاں ان کا خیال ٹھیک ہے اُسے اعلیٰ چیزوں سے محبت ہے وہ اچھا کھانا چاہتی ہے۔ آرام سے رہنا چاہتی ہے۔ ایک بار وہ عیش سے منھ موڑنا سیکھ لے پھر اس پر کون رعب جما سکتا ہے پھر وہ کیوں کسی سے دبے گی"۔ [۵]

اس کے ذریعہ پریم چند نے عورتوں سے سماج کی بے انصافی اور ان کی غلامانہ ذہنیت سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور یہ دکھلایا ہے کہ اس کی اصل وجہ اس کی اقتصادی غلامی ہے۔

---

۵ منگل سوتر پریم چند صفحہ ۲۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

دوسرا اہم کردار ایک سب جج کی بیٹی تتیؔ کا ہے - جو اس سماج کا کوئی انجانا کردار نہیں - وہ امیری کی لوڈ لیے ایک مغرور لڑکی ہے۔ جو لاڈ دو پیار میں پل کر جوان ہوئی ہے وہ یونیورسٹی کی ایک حاضر جواب طالبہ ہے اُسے پڑھنے لکھنے سے خاص دلچسپی نہیں - لیکن سوسائیٹی میں کسی مسئلہ پر اس کا کورا ہونا اس کی توہین تھی اس لیے وہ دنیا کی رفتار سے واقفیت رکھتی ہے - دوسروں پر تنقید کرنا اس کا پسندیدہ شغل ہے - اُسے اپنے حسن پر ناز ہے اور سلیقہ سے اُسے دوبالا کرنا بھی جانتی ہے - زیوروں سے اسے دلچسپی نہیں مگر سنگھار دان میں ان کی چمک دمک دیکھ کر اُسے خوشی ہوتی ہے - وہ تنک مزاج ہے اور نوکروں سے سخت برتاؤ کرتی ہے اِن سب باتوں کے ہوتے ہوئے اس کے دل میں مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی ذرا بھی خواہش نہیں وہ خود ہی اپنے حسن میں مگن ہے۔

سنت کمار اس سے عشق کا اظہار کرتا ہے تو وہ اس پر یقین نہیں کرتی لیکن جب سنت کمار اُس سے اپنی بیوی شانتا کی برائیاں کرتا ہے - اُسے نیچ اور بدمزاج بتاتا ہے تو وہ کہہ دیتی ہے کہ آپ انھیں چھوڑ دیجئے سنت کمار جب کہتا ہے کہ وہ سماج کے خوف سے ایسا نہیں کر سکتا تو وہ اسے بزدل کہتی ہے - پیٹھ پیچھے اس طرح برائی کرنے کو وہ اخلاقی کمزوری سمجھتی ہے اور کہتی ہے۔

" تو کیا آپ مجھ سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ دنیا میں سب ہی مرد دیوتا ہوتے ہیں آپ بھی جو وفاداری کر رہے ہیں وہ دل سے نہیں صرف سماج کے ڈر سے میں اسے وفاداری نہیں کہہ سکتی " [۱]

---

[۱] منگل سوتر پریم چند ص ۳۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اُسے اپنے کردار کی ساری کمزوریوں کا احساس ہے چونکہ وہ حساس دل رکھتی ہے اور سمجھدار بھی ہے اس لیے اپنی بری عادتوں سے واقف ہے۔ اس کے دل میں غریبوں کی عزت ہے وہ سب کے دکھ درد میں شریک ہونے کی متمنی ہے اس سرمایہ دارانہ نظام سے بھی شکایت ہے اور وہ ان باتوں کا اظہار بڑی صفائی سے کرتی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ لوگ اس کے منھ سے یہ باتیں سن کر اس کا مذاق اڑائیں گے۔ وہ کہتی ہے کہ:-

"میں ڈرتی ہوں لوگ یہی کہیں گے آپ کتنی شان سے رہتی ہیں اور باتیں ایسی کرتی ہیں اور اگر کوئی ایسی ترکیب ہوتی جس سے میری یہ امیرانہ عادتیں چھوٹ جاتیں تو میں ضرور کام میں لاتی اس بارے میں اگر آپ کے پاس کچھ کتابیں ہوں تو مجھے دیجیے" لہ

اس طرح پریم چند نے وقت کے بدلتے ہوئے رنگ اور انسان کے بدلتے ہوئے ذہن کی اس کردار کے ذریعہ اچھی عکاسی کی ہے۔ مگر اس ادھورے ناول کے ادھورے کرداروں کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ پھر بھی اس میں شک نہیں کہ جس طرح پریم چند کے سب ناولوں میں منگل سوتر کے کردار زندہ نظر آتے ہیں اسی طرح اس میں پیش کیے ہوئے مسائل اور اس کی کردار نگاری بھی مکمل ہے اور ان کرداروں کو خودکشی یا سیوا آشرم کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ پدم لال۔ منا لال بخشی نے لکھا ہے کہ:-

---

لہ منگل سوتر پریم چند صفحہ ۴۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"ہمارا یقین ہے کہ منگل سوتر گؤدان سے چار قدم آگے ہوتا۔" ۵۷

پنکجی دیو کمار کی لڑکی ہے وہ بھی ماں کی طرح گرہستی کے کاموں میں بڑی محنت سے حصّہ لیتی ہے۔

اس مطالعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ پریم چند نے اپنے اردگرد بکھری ہوئی زندگی اس کی تواناائی، ساتھ ہی اس کی بے کسی، حرماں نصیبی اور کسک کا بہت اچھی طرح مطالعہ کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ آج ہمارے سماج میں عورت کی کیا حیثیت ہے۔ انھوں پورے انصاف کے ساتھ ان بکھرے ہوئے مسائل کو پیش کیا ہے اور بڑی حد تک اس میں کامیاب رہے ہیں۔

---

۵۷ پریم چند اور گورکی پدم لال منالال بخشی صفحہ ۳۴۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ساتواں باب

خلاصہ اور نتائج

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

زندگی کی کشاکش، سائنسی و صنعتی ترقی اور سرمایہ دارانہ نظام زندگی نے ناول کو جنم دیا۔ جیسے جیسے انسانی ارتقا میں طبقاتی کشمکش اور زندگی کی جدو جہد تیز ہوتی گئی فن مقصد اور موضوع کے لحاظ سے ناول کا حسن بھی نکھرتا گیا۔ دوسری نثری اصناف کے مقابلہ میں ناول زیادہ کم عمر ہے۔ اور اردو میں تو اور بھی زیادہ نیا ہے اس لیے کہ اس کی پیدائش کو ابھی مشکل سے سو سال ہوئے ہوں گے۔ ادب کے ارتقا میں سو سال بہت معمولی مدّت ہے پھر بھی اس نے بہت تیزی سے ترقی کی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس کی پشت پر مغربی ادب کے ناولوں کا کافی ضخیم سرمایہ موجود تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں ادب، معاشرت اور تہذیب و تمدّن کی جو نئی روشنی بیرونی حکمرانوں کے ساتھ آئی اس نے ہندوستان کے پڑھے لکھے طبقے کی بھی آنکھیں کھول دیں مشرقی و مغربی تہذیبوں کے ٹکراؤ نے اس وقت کی عام زندگی میں کشمکش اور قبول و نا قبول کی جو ہیجانی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ اس نے ناول کی ترقی کے لیے ایک سازگار ماحول پیدا کیا۔ پھر پہلی جنگ عظیم سے پیدا ہونے والے حالات جنھوں نے نچلے طبقہ کے عام لوگوں کے لیے سیکڑوں مسائل روٹی، کپڑا اور مکان کے پیدا کر دیئے تھے۔ ادیبوں کو عام اجتماعی و انفرادی زندگی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کیا۔ اس طرح ہمارے ملک میں حالات نے خود ناول کی ترقی کا راستہ ہموار کر دیا تھا۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اور بقول رال فاکس :۔

"جب افراد اور سوسائٹی کے درمیان توازن اٹھ جاتا ہے۔ تب ہی اس صنف ادب (ناول) کی نشوونما ہوتی ہے،،" لے

نذیر احمد، سرشار، اور شرر کی ناول نگاری پلاٹ، کشمکش اور کردار نگاری کے لحاظ سے زیادہ کامیاب کیوں نہیں ہے اور داستان گوئی کی حد سے آگے کیوں نہیں بڑھ سکی اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ اس وقت تک سماج میں سانس لینے والوں کے عام کارنامے ان کی تہذیبی و معاشرتی حالت؛ ان کی زندگی کی کشمکش اور مسائل میں اتنی شدت نہیں تھی کہ وہ عام لوگوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ جس طرح اس کی شاعری کا محور عام طور پر تخیل کی بلند پروازی خیال آرائی اور رومانی محبت تھا۔ اسی طرح ناول بھی اسی ماحول میں پرورش پاکر وہی خیال انگیزیوں کو پیش کر رہا تھا۔

مہدی افادی نے لکھا ہے کہ نذیر احمد مذہب کے بغیر لقمہ نہیں توڑ سکتے یہ صحیح ہے کیونکہ ان کے ناول بھی مسلمانوں کی زندگی اور بعض اوقات اُن کے مذہبی اور اخلاقی مسائل کے ارد گرد گھومتے ہیں اور ان کا اصل مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ان کو بے راہ روی اور خدا فراموشی سے روکنا ہوتا ہے۔ ان کے عہد کی معاشرت کی بھی کوئی وسیع اور جامع تصویر ان کے ناولوں سے نہیں ملتی ان کے پند و نصیحت کے دفتر واقعات کی ترتیب اور پلاٹ کی وحدت کو بری طرح مجروح کرتے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان کے بعض کردار شعوری اور غیر شعوری طور پر بدلتے ہوئے

لے ناول اینڈ دی پیوپل، رالف فاکس ص ۸۲

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حالات اور ان کے مسائل کو لے کر سامنے آجاتے ہیں۔ مثلاً ابن الوقت، کلیم اور ظاہر دار بیگ وغیرہ۔ سرشار لکھنؤ کی چہار دیواری میں گھرے ہوئے ہیں۔ ان کی خوبی صرف یہ ہے کہ وہ اس بگڑتے ہوئے لکھنؤ کی سچی تصویر پیش کرتے ہیں اور ان کے فسانے کو پڑھ کر لکھنؤ کی زوال آمادہ تہذیب اور وہاں کی معاشرت پوری طرح سامنے آجاتی ہے۔ یہ تہذیب و معاشرت یوں ہے تو لکھنؤ کی لیکن وہ مٹتے ہوئے پورے جاگیردارانہ نظام کی نمائندگی کرتی ہے۔ ان کا آزاد منش "آزاد" آنے والے دنوں کی ایک دھندلی سی جھلک ضرور دیتا ہے لیکن ذہنی طور پر وہ اسی ماحول کا نمائندہ ہے جس میں اس کی پرورش ہوئی ہے۔

سرشار کے دوسرے ناول سیر کہسار، کامنی اور جام سرشار کی بھی یہی حالت ہے۔ سرشار کی یہ خصوصیت ضرور ہے کہ ان کے یہاں عام زندگی اور عام کردار ملتے ہیں۔ جو ناول کی ارتقا کا ایک اہم قدم ہے۔ لیکن اردو ناول کے ارتقا میں نذیر احمد اور سرشار کے مقابلہ میں شرر کے ناول زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ان کے ناولوں کے پلاٹ میں زیادہ ربط و اتحاد ہے وہ تاریخی ناول نگار تھے۔ تاریخی ناول نگار کی فضا عام ناول نگاروں کے مقابلہ میں زیادہ محدود ہوتی ہے۔ لیکن فنی شعور ان کے یہاں واضح طور پر نظر آتا ہے۔ شرر کی دنیا بھی نذیر احمد کی طرح سے مسلمانوں کی معاشرت و تہذیب کی تصویر کشی تک ہے۔ لیکن شرر کے یہاں وہ واعظانہ اور ناصحانہ انداز یا نذیر احمد والی مولویت نہیں ہے۔

پریم چند کے ناولوں کی ابتدا بھی رسمی انداز میں ہوئی ان کے ابتدائی ناول بعض سماجی مسئلوں کی طرف ہلکے ہلکے اشارے تو کرتے ہیں۔ لیکن ان کا انداز بالکل روایتی ہے۔

مثلاً اسرار معابد اور روٹھی رانی وغیرہ اسرار معابد اصلاحی انداز

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کی ایک کہانی ہے جس میں شرر اور سرشار کا رنگ زیادہ نمایاں ہے۔ فسانۂ آزاد کی طرح اس ناول میں بھی کوئی تسلسل نہیں ہے۔ کہانی کا موضوع عبادت گاہوں اور مندروں کی پراسرار زندگی سے متعلق ہے۔ لیکن سرشار کی طرح ناول میں مختلف جگہوں اور مختلف طبقات کے لوگوں کی تصویریں سامنے آتی ہیں کہیں میلے کی رونق نظر آتی ہے تو کہیں تالاب کے کنارے بھنگ گھوٹنے والوں کا مجمع ہے کہیں کسی شاعر کا کلام سنائی دیتا ہے۔ تو کہیں عورتوں کی آزادی کے مسئلے پر بحث۔ کہیں کسی طوائف کا گھر نظر آتا ہے تو کہیں مندر کے مہنت جی کا عورتوں کو ورغلانا ان سب باتوں کے ساتھ ساتھ اس ناول میں ایک خاص بات نظر آتی ہے جو آگے چل کر پریم چند کے کسی ناول میں نہیں ملتی اور وہ اس کی عریاں نگاری ہے۔ اس ناول کی زبان اس زمانے کے رواج کے مطابق مقفٰی اور مسجع ہے اور کہانی روایتی انداز میں لکھی گئی ہے۔

روٹھی رانی میں ایک راجپوت عورت کی خودداری کا قصہ ہے۔ جو کوئی ایسی دلچسپی پیدا نہیں کر پاتا جس کا اثر دیرپا ہو۔ لیکن پریم چند سماجی شعور رکھتے تھے اس لیے ان کے گرد بکھری ہوئی کہانیوں نے انھیں اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ کہانیاں عام کی زندگی سے تعلق رکھتی تھیں جس میں ہمارے ملک کے اوسط اور ادنیٰ طبقے کی سچی تصویر نظر آتی ہے شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ پریم چند ادب کے مقصد سے واقف تھے وہ ادب برائے ادب کے قائل نہیں تھے اسی لیے ایک خاص تصور پرستانہ معیار رکھنے کے باوجود بنیادی طور پر وہ حقیقت پسند نظر آتے ہیں۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ :-

" ادیب کا کام صرف قارئین کا دل بہلانا نہیں ہے۔
یہ تو بھاٹوں، مداریوں جو تشیوں اور مسخروں کا کام ہے۔
ادیب کا کام اس سے بہت بلند ہے...... ادب برائے

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ادب کا وہ وقت ہوتا ہے جب ملک خوش حال ہو۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہم طرح طرح کی سیاسی اور سماجی بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ جدھر نگاہ اٹھتی ہے دکھ اور غریبی کے کریہہ نظارے دکھائی دیتے ہیں۔ مصیبت کی دردناک آوازیں سنائی دیتی ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ کسی جذباتی انسان کا دل نہ دہل اُٹھے۔" ؎۱

اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ پریم چند نے شعوری طور پر عوام کی دشواریوں کو محسوس کیا تھا۔ اور ان کی زندگی کا مطالعہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس روائتی ناول نگاری کا اثر رفتہ رفتہ ختم ہو گیا گو کہ وہ خود اصلاحی جوش وخروش سکا تھا۔ اور اس کا اثر بھی پریم چند پر پڑا تھا۔ لیکن ساتھ ہی انھوں نے ایک زندہ اور اچھے ادیب کی طرح سے اپنے گردوپیش کا مطالعہ کیا تھا۔ سیاسی وسماجی بندشوں اور طبقاتی کشمکش کو سمجھا تھا۔ غریبوں کی دُکھ بھری آوازوں اور مصیبت زدوں کی دردناک چیخوں کو سنا تھا کسانوں کی گری ہوئی حالت مہاجنی اور زمینداری نظام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس لیے انھوں نے اسی کو اپنا موضوع بنایا۔ پروفیسر احتشام حسین نے لکھا ہے کہ:-

"جب کوئی شخص پریم چند کے ناول پڑھتا ہے تو پرانے ناولوں کے مقابلہ میں بالکل مختلف فضا میں پہنچ جاتا ہے۔ پڑھنے والا۔ عام انسانوں کی زندگی کے اتنے پہلو زندہ اور متحرک دیکھ لیتا ہے کہ اسے عوامی طبقہ کی مشین چلتی ہوئی نظر آنے لگتی ہے۔" ؎۲

؎۱ کچھ وچار (ہندی) پریم چند صفحہ ۵۱، ۵۳

؎۲ ذوق ادب اور شعور پروفیسر احتشام حسین صفحہ ۴۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ناول بجائے خود ایک دنیا ہے اس کی تعریف ہی یہی ہے کہ اس میں سوسائٹی اور اس کے مختلف طبقات چلتے پھرتے نظر آئیں۔ صرف خیالی گورکھ دھندوں سے کہانی تو بنائی جا سکتی ہے۔ لیکن اچھے ناول کی تخلیق نہیں کی جا سکتی۔

سمرسٹ ماہم کے لئے کہا جاتا ہے کہ عام زندگی میں جو چیزیں سب سے زیادہ تیزی سے اس کو مخاطب کرتی ہیں اور ذہن کا وہ رجحان جو سب سے زیادہ اس کے تخیل پر اثر انداز ہوتا ہے وہ اس کو لے لیتا ہے اور ان پر اپنے کرداروں کی تخلیق کرتا ہے۔ [۵۱]

پریم چند کا عمل بھی کچھ اسی طرح ہے وہ بھی اپنے موضوع کو عام زندگی سے منتخب کر کے ان چیزوں کی تصویر پیش کرتے ہیں جو ذہن اور تخیل پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔

پریم چند بڑے انسان دوست تھے ان کے زمانے میں درمیانی اور ادنیٰ طبقہ سب سے زیادہ مصیبت اور مظلومیت کا شکار تھا وہ خود درمیانی طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ گاؤں کی زندگی کو انھوں نے بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ساتھ ہی ان کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ تنگ نظر نہ تھے۔ ذات پات کے قید ان کی نگاہوں میں کوئی اہمیت نہ رکھتی تھی۔ اس لئے پوری غیر جانب داری سے سب کے مسائل کو انھوں نے سمجھنے کی کوشش کی انھوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گاؤں میں گذارا تھا۔ اس لیے ان کی نگاہ میں وہاں کی سچی تصویر تھی اور یہی وجہ ہے کہ ان کے ناولوں میں درمیانی اور ادنیٰ طبقہ کے مسائل واضح شکل میں نظر آتے ہیں۔ سردار جعفری نے لکھا ہے کہ:

---

[۵۱] اے ٹریٹیز آن دی ناول۔ رابرٹ ریڈل ص ۹۷

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

"اردو ادب اور ہندی میں پریم چند پہلے ادیب ہیں
جنھوں نے شعوری طور پر ادب کے ذریعہ سے عوام کے
مسائل سمجھنے کی کوشش میں انسان دوستی کی طرف یہ
قدم اٹھایا۔" [1]

اسی انسان دوستی کی وجہ سے وہ ہر جگہ ظلم و جبر نا انصافی و تشدد کے خلاف آواز بلند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پریم چند کی اس انسان دوستی نے صرف اپنے عہد کے ہی نہیں بلکہ آنے والی نسل کے لوگوں پر بھی بہت گہرا اثر ڈالا۔ انھوں نے ایک انقلابی کی حیثیت سے اپنے عہد کی سیاسی و سماجی تحریکوں میں حصّہ لیا۔ بعض ناقدین ان کے کچھ ناولوں کے اختتام سے متفق نہیں اور انھیں قدر اوّل کا ادیب ماننے سے انکار کرتے ہیں [2]۔ کیونکہ پریم چند آخیر میں "آدرش واد" کی طرف چلے جاتے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض نہ ان کی عظمت کو کم کر سکتا ہے اور نہ انھیں دوسرے درجہ کا ادیب قرار دے سکتا ہے۔ بہتر عملی تنقید اور اقتدار کے تعین کے لیے ضروری ہے کہ ادبی شہ پاروں کو انھیں کے زمانے اور حالات میں دیکھا جائے۔ اگر آج کے ماحول کے مطابق ہم اپنے کلاسیکی ادیبوں کی تخلیقات کا جائزہ لینا شروع کر دیں تو ان میں کسی کا معیار پر پورا نہیں اترنا مشکل ہوگا۔ ہمیں دیکھنا یہ چاہیے۔ کہ اس وقت پریم چند کے علاوہ کون ایسا ادیب تھا جو ترقی پسندانہ نقطہ نظر رکھتا تھا اور ان مسائل اور ہندوستانی عوام کی زبوں حالی کی اتنی حقیقت پسندانہ تصویر پیش کر سکا تھا۔ تو ہمیں کوئی دوسرا نام نہیں ملے گا۔ آج اتنے دن گذرنے کے بعد بھی

---

[1] ترقی پسند ادب سردار جعفری ص ۱۳۳
[2] پریم چند ڈاکٹر نگیندر (ہندی) بحوالہ پریم چند اور گورگی صفحہ ۱۱۱

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہم فکر و نظر کے اعتبار سے پریم چند سے تھوڑا ہی آگے بڑھے ہیں پھر اُن کے "آدرش داد" کے نظریہ کی وجہ سے انھیں قدرِ اوّل کے ادیبوں کی صف سے نکال دینا سراسر ادبی زیادتی اور تنقیدی ناانصافی ہے۔ ہمیں پھر پروفیسر احتشام حسین کا ایک قول دہرانا پڑتا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ:۔

"انھوں (پریم چند) نے پہلی مرتبہ معمولی میں غیر معمولی اور خاموشی میں اضطراب کی جستجو کی انھوں نے عام انسان کو بھی انسان سمجھا اور ان کے دلوں میں جھانک کر دیکھا، تو وہاں بھی آرزوؤں اور تمناؤں خیالوں اور خوابوں غموں اور خوشیوں کی ایک آباد دنیا دکھائی دی" ؎۱

پریم چند کی بڑائی اور عظمت کا راز یہی ہے کہ انھوں نے انسان دوستی میں کبھی اپنا قدم پیچھے نہیں پڑنے دیا ایک ناول کے بعد دوسرا ناول زندگی کے پہلوؤں کا زیادہ واضح خاکہ لے کر آیا۔ بدلتے ہوئے نظام ماحول اور نئی اقدار کا عکس ہر لمحہ ان کے یہاں گہرا ہی ہوتا گیا۔ آرزوؤں خیالوں خوابوں اور غموں کی جو دنیا انھوں نے دلوں میں جھانک کر دیکھی تھی وہ ان کے فن میں مل کر زیادہ تیز اور پُر اثر ہو گئی وہ "آدرش وادی" ہونے کے باوجود عورت کی مظلومی اور بے کسی کا حل اس کا خود کفیل ہونا قرار دیتے ہیں۔ ونے اور صوفیہ کی شادی کرانے پر ایک کٹر ہندو عورت جانہوی کو تیار کر دیتے ہیں۔ بوڑھوں اور پردہ نشین عورتوں کو باہر نکال کر آزادی کی تحریک میں گولیوں کی باڑھ کے سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ ان کے عہد کے کس ادیب نے اتنا جرأت مندانہ قدم اٹھایا کہ وہ حکمرانوں کے خلاف، اس کی پولیس اور اس کے ملکی نظام کے خلاف اپنے

؎۱ ذوق ادب اور شعور احتشام حسین صفحہ ۴۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

قلم کو استعمال کرتا۔ لیکن پریم چند نے پوری ہمّت و جرائت کے ساتھ یہ کام کیا وہ نہ سماج سے ڈرے اور نہ مذہب کے ٹھیکداروں سے اور نہ سات سمندر پار کے ظالم سامراجی حکمرانوں سے ادب کا کوئی مورخ ان کے کارناموں کی عظمت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پریم چند کے قدرِ اوّل کے ادیب ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اگر ہم ان کے بعد کے ناولوں کا جائزہ لیں تو محسوس ہوگا کہ فن اور تکنیک کی کچھ تبدیلیوں کے علاوہ ناول نے کوئی خاص ترقی نہیں کی۔ ڈاکٹر اعجاز حسین نے پریم چند کی عظمت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

> "جس منزل پر پریم چند نے ناول کو چھوڑا تھا اس سے آگے ناول نگاروں کا رواں نہیں بڑھ سکا۔ گؤدان اور میدانِ عمل کے ایسے ناول نہ لکھے جا سکے فن کے لحاظ سے اضافہ ضرور ہوا مگر مجموعی حیثیت سے ابھی کوئی ناول ایسا نہیں ہو سکا ہے جو دنیا کے بہترین ناول کے سامنے رکھا جا سکے۔" ؎١

حالات اور ماحول کی تبدیلی کے ساتھ پریم چند کے فن نے بھی ترقی کی ان کے ناولوں کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جنگ عظیم سے پہلے یعنی ان کی ناول نگاری کے شروع کے سولہ سال کی ان کی جو تخلیقات ہیں ان میں جدوجہد کی قوّت کے باوجود ان کے کرداروں کی آخری پناہ گاہ آشرم ہے یعنی جلوۂ ایثار، بیوہ، اور بازارِ حسن میں برجن، مادھوی، امرت رائے پورنا، سمن اور گجادھر سب ہی آشرم اور سیوا سدن میں پناہ لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت کی برائیوں کی تصویر پیش کرنے کے سوا وہ اس سے پوری

؎١ اردو ادب آزادی کے بعد ڈاکٹر اعجاز حسین۔ ص ۲۵۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

طرح بغاوت نہیں کر پاتے اس لیے کہ اُن کے ذہن میں خود راستے کا کوئی صاف نشان نہیں تھا۔ بھگتی اور آشرم ہی اس کا آسان حل تھا۔ اس کے باوجود جگہ جگہ پر وہ اس ماحول اور حالات سے بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن کوئی واضح راستہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس کی طرف اشارہ نہیں کر پاتے۔ اس کے مقابلہ میں نرملا۔ چوگان ہستی، اور گوشۂ عافیت وغیرہ۔ میں ان کے پاس ایک واضح نظریہ ہے ان ناولوں میں اس دور کی ساری کشمکش اور اُلجھن صاف نظر آتی ہے۔ دوسری جنگ عظیم نے جہاں طبقاتی کشمکش کو بڑھایا۔ وہیں پریم چند کو ایک واضح شعور بھی دیا۔ بلکہ وہ اپنے عہد سے کچھ آگے سوچنے اور دیکھنے لگے۔ وہ جانتے تھے کہ زندگی کروٹ بدل رہی ہے۔ جب بھی کسی چیز کی انتہا ہو جاتی ہے تو اس کا ردِ عمل اس کی ضد کی صورت میں رونما ہونے لگتا ہے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ حکمراں طبقہ کے مظالم حد سے زیادہ بڑھ گئے ہیں غریب کسان اور ادنیٰ طبقہ کے لوگ پریشانی، تنگدستی، مفلسی بے روزگاری۔ غلامی اور طرح طرح کی اذیتوں کے شکار ہیں وہ جانتے تھے کہ اب اس انتہا کے بعد اس کا ردِ عمل شروع ہوگا سامراجی اقتدار کی بنیاد کسی نہ کسی وقت گرے گی۔ انھوں نے اس جدوجہد بے چینی، تڑپ، ظلم، محرومی، پریشانی، مفلسی اور تلخیوں کی ایک حقیقت پسند اور دور اندیش فنکار کی حیثیت سے تصویر پیش کی۔ ڈاکٹر قمر رئیس نے حقیقت پسندی کے سلسلے میں ٹالسٹائی اور پریم چند کی ہم آہنگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

> "پریم چند نے بھی ٹالسٹائی کی طرح اپنے گرد و پیش کی زندگی کو کڑی تنقید کی نظر سے دیکھا تھا دونوں نے مذہب کے فرسودہ مغالطوں بے روح علامتوں اور مذہب کے اجارہ داروں کے خلاف جرأت اور بے باکی سے آواز بلند کی۔ دونوں نے حکومت کے جبر زمینداروں کی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

چیرہ دستی اور امراء کی خود پرستی کو ملک میں ہونے والی سماجی بے انصافی افلاس اخلاقی پستی اور انسانیت کی بے حرمتی کا سب سے بڑا وسیلہ اور سبب قرار دیا۔ پریم چند نے بھی (ٹالسٹائی کی طرح) بھولے بھالے کسانوں اور گاؤں کی معصوم اور سیدھی سادی زندگی میں اصل مذہب یا روحانی تقدس کے خط و خال دیکھے دونوں فنکاروں نے زرداروں اور ناداروں کے درمیان کی خلیج مٹانے کے لیے پرامن ذرائع یعنی قربانی اور ترک و ایثار کی تبلیغ کی،، لہ

پریم چند یا ٹالسٹائی اس لیے بڑے فنکار نہیں ہیں کہ وہ اپنے خیالات یا جد و جہد میں ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں۔ بلکہ ان کی عظمت اس لیے ہے کہ انھوں نے وقت کے تقاضوں کو پورا کیا اور اپنے ماحول و حالات کی صحیح عکاسی کی۔

پریم چند نے ہندوستانی سماج میں عورتوں کی حیثیت کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ عورت اُس زمانہ تک ایک دبی اور کچلی ہوئی مخلوق کی حیثیت رکھتی تھی اس میں کوئی توانائی یا طاقت نہیں تھی اس پر شوہر کی ذات اس طرح حاوی تھی کہ اس کی اپنی انفرادی حیثیت نہیں رہ گئی تھی اس کے اپنے مسائل کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ وہ شوہر کے لیے زندہ تھی اس کے بچوں کی پرورش اور اس کا دل بہلانا ہی عورت کا فرض اوّلین تھا۔ خاندانی و سماجی مسائل میں اس کی رائے کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی۔ شوہر کی محبت کا ثبوت دینے کے لئے اس کی لاش کے ساتھ زندہ جل جانا تک اُس کے لیے ایک معمولی بات تھی۔ اِس ستی ہو جانے میں اُس کے لیے اُس کے لیے ایک مفر اس لئے

لہ پریم چند کا تنقیدی مطالعہ ڈاکٹر قمر رئیس صفحہ ۵۱۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

بھی تھا کہ شوہر کے بعد کی زندگی مرجانے کی وقتی تکلیف سے زیادہ اندوہناک اور کرب انگیز تھی۔ وہ بیوہ ہونے کے بعد شادی نہیں کر سکتی تھی۔ اپنی روزی کمانا عورت کے لیے ایک بہت بڑا عیب تھا۔ شوہر کے مرنے کے بعد اس کی جائداد یا ملکیت میں اس کا کوئی حق نہیں تھا۔ اس کی بقیہ زندگی گھر کے دوسرے افراد کے رحم وکرم پر ہوتی تھی۔ جہیز کی بدترین رسم اس کو بوڑھے اور بدکار مردوں سے شادی کرنے پر مجبور کرتی تھی۔ شادی میں لڑکی کی رائے کا کوئی دخل نہیں تھا۔ ماں باپ جہاں اور جس طرح چاہتے اس کی شادی کر دیتے۔ ان کے لیے ضروری نہیں تھا۔ کہ وہ اس کے جذبات و احساسات کا بھی خیال کریں۔ بے جوڑ شادیوں نے عورتوں کی خوشیوں کا گلا گھونٹ کر رکھ دیا تھا۔ یہ حالات انھیں گری ہوئی اور ننگ تہذیب زندگی گذارنے پر مجبور کرتے تھے۔ نہ جانے کتنی عورتیں بازار حسن کی رونق بن جاتی تھیں۔

گاؤں کی زندگی اس سے بھی زیادہ بدتر تھی زمینداروں کے سرکاروں۔ ضلعداروں اور قانون کے محافظ سپاہیوں کی ہوسناکی سے کوئی عورت محفوظ نہیں تھی ان کی غربت ان سے نہ جانے کیا کیا کام لیتی تھی۔ مہاجنوں نے سود در سود کا جال بنا کر انھیں اپنے پنجہ میں جکڑ رکھا تھا۔ اور دن بدن سماج میں ان کی حیثیت گرتی جا رہی تھی۔

پریم چند نے ایک حساس اور صاحب دل فنکار کی حیثیت سے ان سب چیزوں کو دیکھا تھا۔ عورتوں کو جس کے لیے ان کے دل میں سب سے زیادہ احترام تھا۔ اس گری ہوئی حالت میں دیکھ کر ان سے برداشت نہیں ہو سکا۔ وہ جانتے تھے کہ بازار حسن کی رونق بیواؤں اور بے جوڑ شادیوں کا شکار عورتوں سے ہے۔ اگر ہندوؤں میں بھی بیواؤں کی شادی ہونے لگے تو گھر کے ظالم ماحول اور جنس کے دباؤ سے پریشان ہو کر کبھی وہ اس گندے بازار کا رخ نہ کریں۔

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

اگر بے جوڑ شادیاں ختم ہو جائیں تو وہ اپنے شوہروں کے مظالم یا بے حسی کا شکار ہو کر کبھی بالا خانوں کی رونق نہ بنیں۔ اگر جہیز کی رسم بند ہو جائے تو عورتوں کی زندگی اس طرح برباد نہ ہو۔ انھوں نے یہی نہیں کہ ایک تصور پرست مثالی انسان یا ادیب کی طرح ان باتوں صرف سوچا ہی تھا۔ بلکہ انھوں نے اس پر عمل بھی کیا۔ اس وقت جب کہ بیوہ کی شادی نہیں ہو سکتی تھی اور اس بات کو لوگ اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ انھوں نے خود ایک بیوہ سے شادی کی، اور اس طرح اپنے نظریہ کی طرف خود ہی سب سے پہلا عملی قدم اٹھایا۔ انھوں نے ان تمام مسائل پر ناول لکھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک عورت کو معاشی آزادی نہیں ملے گی۔ جب تک وہ شوہر کی دست نگر اور محتاج رہے گی وہ اپنی جگہ سے بلند نہیں ہو سکتی۔ سردار جعفری نے لکھا ہے کہ:۔

"...... عورت ابھی تک معاشی اور سیاسی آزادی کے میدان میں نہیں اتری تھی۔ کیوں کہ اس میدان میں اُترنے سے پہلے اس کا جسمانی طور پر جنم لینا ضروری تھا۔ اور ترقی پسندی کے ابتدائی دور میں وہ جنم لے رہی تھی۔ یہ مزدوروں کے بعد دنیا کی سب سے مظلوم مخلوق ہے جو دوہرے مظالم کا شکار رہی ہے۔ ایک معاشی مظالم دوسرے جنسی مظالم جنھیں مردوں کی برتری کے جھوٹے تصور کی بنیاد پر روا رکھا گیا ہے[لہ]۔"

اس میں شک نہیں کہ مذہب اور دوسرے طرح طرح کے سہارے لے کر مردوں نے عورتوں پر اپنی برتری کا اظہار کیا۔ شادی کو "کنیادان"، کا نام اسی

لہ ترقی پسند ادب سردار جعفری ص ۲۳۸

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لیے دیا گیا کہ مرد کا اس پر ہمیشہ حق رہے۔ ویدوں اور شاستروں میں بھی مرد کو بڑی عقل والا اور برتر اسی لیے ثابت کیا گیا کہ عورتیں کبھی مساوات کی طالب نہ ہوں۔ لیعض سماجی و اصلاحی تحریکوں نے عورتوں کی اہمیت پر سب سے پہلے زور دیا اس کے بعد تحریک آزادی اور ترقی پسند تحریک نے عورتوں کو برابر کا درجہ دینے اور حالات کو سدھارنے کی کوشش کی۔ پریم چند کسی نہ کسی صورت میں ان تمام تحریکوں سے وابستہ تھے ایک طرف وہ اصلاحی نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ اس لیے شادی بیوگاں کے حامی اور ستی کے مخالف تھے۔ دوسری طرف آزادی کے ہمنوا اور ملک کی ترقی کے خواہاں تھے۔ اس لیے اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ کہ جب تک عورت مرد کے دوش بدوش آکر آزادی کی جنگ نہیں لڑے گی۔ اس وقت تک ملک کی آزادی مکمل نہیں ہو سکتی ساتھ ہی وہ ایک ترقی پسند ادیب تھے۔ اور عملی طور پر بھی ترقی پسند تحریک کے رکن تھے۔ اسی لیے ان کے یہاں حقیقت پسندی کا گہرا پرتو نظر آتا ہے۔ بعض ناقدین اس کو نہیں مانتے وہ ترقی پسندی کا کیا مفہوم لیتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی اگر حقیقت پسندی۔ طبقاتی کشمکش۔ ظلم و ستم کے خلاف احتجاج اور حریت پسندی ترقی پسندی ہے۔

تو مجھے اس اس کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ پریم چند بہت بڑے ترقی پسند تھے۔ انھوں نے خود اپنے اُس خطبۂ صدارت میں جو انھوں نے ترقی پسند ادیبوں کی کانفرنس میں پڑھا تھا۔ ان ہی باتوں پر زور دیا تھا۔ سجاد ظہیر نے اُس خطبۂ صدارت کا ایک حصہ نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"انھوں نے ادیبوں کو یاد دلایا کہ ان کی عدالت سوسائٹی ہے اور اس عدالت کے سامنے ان کی جواب دہی ہوگی۔ اور عوام کی اس عدالت میں ان کا استغاثہ اسی صورت میں کامیاب ہو سکے گا۔ اگر وہ انسانیت شرافت

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

انصاف اور حق کی بے لاگ تلقین کریں گے۔" لہ

پریم چند ایک نئے نظام اور نئی زندگی کے خواہشمند تھے۔ جہاں مساوات انسانیت شرافت، انصاف اور برابری ہو۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ سماج کا کوئی طبقہ ظلم و ستم کا شکار رہے وہ عورتیں ہوں یا مرد دونوں زندگی کی جدوجہد میں برابر کا حصہ لیں۔ اور اس کے لیے ضرور تھا۔ کہ عورت پہلے خود کفیل بنے وہ معاشی حیثیت سے جب تک مرد کی محتاج رہے گی۔ نہ خود اپنے لیے کچھ کر سکے گی اور نہ ملک و قوم کے لیے۔

ان کے آخری ناولوں میں یہ حقیقت پسندی پوری طرح ابھر کر سامنے آئی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی یہ بھی وجہ ہو کہ ترقی پسند تحریک دھیرے دھیرے مقبول ہو رہی تھی اور ذہنوں پر اس کا اثر پڑنے لگا تھا۔ پریم چند بنیادی طور پر ترقی پسند ذہن رکھتے تھے اس لیے انھوں نے حقیقت پسندی کو قبول کیا اور بار بار عورت کی معاشی آزادی اور مساوات پر زور دیا۔

پریم چند کے ناولوں میں یہ حقیقت پسندی 'میدانِ عمل'، 'گؤدان'، اور 'منگل سوتر' میں بہت واضح شکل میں نظر آتی ہے۔ خصوصیت سے میدانِ عمل کے کردار ظلم و انصاف سے ٹکر لیتے ہیں اور ان کے خلاف بغاوت کرتے ہیں۔ گؤدان کے بعض کرداروں میں بھی انقلابی قوتوں کا عکس جھلکتا ہے۔ منگل سوتر جو کہ نامکمل ناول ہے اس میں تو کسی حد تک پریم چند نے اشتراکی نظریہ کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

ان تمام ناولوں میں پریم چند نے نئی طرح کی عورتوں کے کردار پیش کیے ہیں۔ جن میں ظلم و جبر سے ٹکرانے کی زیادہ قوت اور جدوجہد کی زیادہ طاقت ہے وہ اپنے مسائل کو سمجھنے لگی تھیں اور ملک کی آزادی اور اپنی

لہ روشنائی سید سجاد ظہیر ص ۱۱۹

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

حالت کی بحالی کے لیے خود میدانِ عمل میں آگئی تھیں۔ ڈاکٹر رام بلاس شرما نے لکھا ہے کہ :۔

"پریم چند اپنی ناولوں میں نئی طرح کے کردار کو ابھار رہے تھے جو بے انصافی اور غم سہتی ہیں۔ لیکن ان کی مخالفت بھی کرتی ہیں۔" ۵۱

پریم چند عورتوں اور مردوں کی برابری کے حق میں تھے۔ وہ گھریلو معاملات ہوں یا ملکی مسائل ان کی نگاہ میں اسی وقت حل کیے جا سکتے تھے۔ جب دونوں اس کے لیے کوشش کریں۔ اگر ان میں کسی کا مرتبہ کم یا زیادہ ہوگا تو ایک کی برتری دوسرے کے کام میں حارج ہوگی۔ اور وہ سماج کی بے انصافیوں کے خلاف پوری طور پر ٹکر نہیں لے سکیں گے۔ اس لیے انھوں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا۔ برجن۔ پنڈتوں اور مہاجنوں کے ظلم و زیادتیوں سے متاثر ہوتی ہے اور ان مظالم و جبر کے خلاف احتجاج کرتی ہے۔ اسی طرح خانگی زندگی میں بھی وہ عورتوں اور مردوں کی برابری پر زور دیتے ہیں۔ ہنس راج رہبر نے لکھا ہے کہ :۔

"وہ سماج میں عورتوں کو سب سے زیادہ مظلوم سمجھتے تھے اور وہ اپنے ناولوں اور کہانیوں میں عورتوں پر مردوں کی زیادتی کے خلاف احتجاج کرتے رہے" ۵۲

اس کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ پریم چند کے ناولوں میں عورتوں کے بہت سے کردار ملتے ہیں جو مختلف طبقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی رانی ہے کوئی طوائف کوئی سیدھی سادھی گھریلو عورت ہے تو کوئی سیاسی و سماجی شعور رکھتے

---

۵۱ پریم چند اور ان کا یگ (ہندی) رام بلاس شرما ص ۶۱
۵۲ پریم چند ہنس راج رہبر ص ۱۱۳

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

والی قومی کارکن کوئی بیدار ذہن رکھنے والی فاقہ کش، مقروض دیہاتی عورت تو کوئی کلب کی رونق اور شمع محفل ان میں آپس میں طبقاتی اختلاف ہے۔ حالات کا اختلاف ہے۔ مسائل ، جگہ اور ماحول کا اختلاف ہے۔ لیکن ایک چیز ان سب میں مشترک ہے اور وہ ہے ان کا " دل " مادرانہ محبت سے لبریز دل۔ ان کے کسی کردار کو لیجیے اس میں وہی ہمدردی اور وہی عفو کی قوت ملتی ہے جو ایک ہندوستانی ماں کی خصوصیت ہے نہ جانے ماں کے لیے پریم چند کے دل میں کتنی عقیدت اور پرستش کا جذبہ تھا کہ انھوں نے جو شکل بھی بنائی اس میں خود بخود وہ خصوصیات شامل ہوگئیں جو ایک ماں میں ہوتی ہیں۔ پرتاپ نرائن ٹنڈن نے لکھا ہے کہ :-

> " یوں تو پریم چند کے لیے ساری عورت ذات ہی عزت و احترام کے قابل ہے۔ لیکن وہ مادریت کو خاص عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں"۔ [1]

ان کے ہر ناول میں ایسے کردار ملتے ہیں۔ جن میں مادریت کا جذبہ نمایاں نظر آتا ہے۔ جلوہ ایثار میں پریم وتی۔ سبا ما گوشہ عافیت میں وویا نرملا میں خود نرملا چوگان ہستی میں رانی جانہوی غبن میں جگو اور گئودان میں دھنیا سب ایسے کردار ہیں جن میں مادرانہ جذبہ بہت زیادہ ملتا ہے ترلوکی نرائن دکشت نے ماں کی حیثیت سے جانہوی کے کردار کو بہت سراہا ہے۔ لیکن اگر ہم غور سے دیکھیں تو ان کے سب ہی کردار اس سلسلے میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے نظر آئیں گے۔ پریم چند کا یہی تصور تھا جو انھوں نے نے عورت کو قابل احترام قربانی اور ایثار کی دیوی بنا کر پیش کیا ہے۔ کدم لال منا لال بخشی نے گئودان کے کرداروں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا

ص ۹۲

[1] پریم چند اور ان کا یگ "ہندی اپنیاس میں ورگ بھاونا"، پرتاپ نرائن ٹنڈن

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہے کہ :۔

"عورت ماں ہے اور اس کے بعد جو کچھ ہے سب ماں کے لوازمات کی طرح ہے مادریت دنیا کی سب بڑی ریاضت ہے۔ سب سے بڑی عبادت سب سے بڑی قربانی اور سب سے بڑی جیت ہے" ۵۱

اس میں شک نہیں کہ پریم چند عورت کو پہلے ماں کی حیثیت دیکھتے تھے۔ بغیر مادرانہ جذبے کے ان کا کوئی کردار مکمل نہیں ہوتا۔ عورت کا شوہر کی خدمت کرنا اسے خوش رکھنے کی کوشش کرنا اس کے لیے مصیبت کی ہر آگ میں کود پڑنا۔ ان تمام جذبات میں پوشیدہ طور پر وہی ایک مادرانہ محبت کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ ہندو نظریات کے مطابق عورت کی شخصیت کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ وہ خلوت میں بیوی۔ محبت میں بہن اور شفقت ایثار و قربانی میں ماں ہوتی ہے اس تصور کا پریم چند پر بہت گہرا اثر نظر آتا ہے۔ ان کے تمام کردار قریب قریب اسی تصور سے وابستہ ملتے ہیں۔ ممتاز حسین نے بھی ان کے کرداروں میں مادریت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"وہ عورت کو بنیادی حیثیت سے ماں ہی کے روپ میں دیکھتے ہیں جس میں بجز ایثار و قربان اور مہر و فا کے کوئی دوسرا بڑا جذبہ نہیں ہوتا۔ مزید ان کا یہ بھی خیال تھا کہ مرد کی نفسیات میں کرختگی ہوتی ہے۔ جسے نرم کرنے کے لیے ماں کے پیار کا ملنا ضروری ہے" ۵۲

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ماں کے تصور نے پریم چند کے عورتوں کے

۵۱۔ مقالہ کرم لال منالال بخشی مشمولہ پریم چند اور گورکی صفحہ ۸۴

۵۲۔ ماہنامہ آجکل دہلی مارچ ۱۹۵۶ء ۔ ممتاز حسین صفحہ ۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کردار کو زیادہ نرم و نازک بنا دیا ہے۔

پریم چند کے ناول میں عورتوں کے اتنے کردار ہونے کے باوجود وہ جنسی مسائل نہیں ملتے جو غیر معتدل ہوں ان کے یہاں عورتوں کے کردار کی بنیاد عصمت و عفت ایثار و قربانی خلوص و وفا ضبط و نفس اور اخوت و محبت پر ہے ان کے ناولوں میں اگر ایک طرف محسوسات کا جہاں آباد ہے تو دوسری طرف مشاہدے اور واقعات کی دنیا نظر آتی ہے۔ لیکن چوں کہ وہ سارا زور اخلاقیات یا سماجی مسائل پر صرف کرتے ہیں اس لیے جنسی مسائل جگہ نہیں حاصل کر پاتے۔

عشق کی داستانیں وہ ضرور لکھتے ہیں ان کا نظریہ عشق مثالی اور اصلاحی ہے۔ ان کے یہاں عورت کے جتنے نمونے ملتے ہیں ان میں کسی کو بھی ہم جنس زدہ نہیں کہہ سکتے اور نہ وہ ایسے جنسی مسائل پیش کرتے ہیں جو غیر متوازن یا غریاں ہوں۔ پریم چند نے مختلف قسم کی عورتوں اور مردوں کے کردار پیش کئے ہیں۔ جن میں زاہد و عابد آوارہ و بدمعاش نیک سیرت و بدکردار طوائف رانی اور ملازمہ سب ہی ہیں۔ وہ عشقیہ داستانوں میں جنسی مسائل کو سمو سکتے تھے۔ طوائفوں کے کردار میں جنس زدگی دکھا سکتے تھے یا ان کے عشاق کو غیر متوازن بنا کر پیش کر سکتے تھے۔ لیکن ان میں کوئی کردار ہمیں ایسا نظر نہیں آتا۔ جس کو ہم جنسی مسائل کا ترجمان کہہ سکیں۔ انھوں نے جو طوائفیں سمن۔ بھولی بائی یا دوسری عورتوں کو پیش کیا ہے ان کے مسائل بھی جنسی نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اپنے حالات سے مجبور ہو کر وہاں پناہ لینے کے لیے آتی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ پریم چند کہیں کہیں ماورائی عشق پیش کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ان کا نظریہ قدامت پسندانہ ہو جاتا ہے اور ان کے اس نظریہ سے قاری کو اکثر اختلافات بھی ہوتا ہے۔ لیکن اس وقت سماج

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

میں ایسے ہی نظریات کی اہمیت تھی۔ اس لیے پریم چند کے یہاں بھی ان کی جھلک نظر آتی ہے۔ مثلاً گؤدان میں مالتی اور مہتا کی محبت ایسی ہی مثالی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بیحد محبت کرتے ہیں اور ایک ساتھ بنگلہ میں رہتے ہیں۔ دنیا ان کو شوہر اور بیوی سمجھتی ہے۔ لیکن وہ اس طرح کے جذبے سے بے نیاز ہیں۔ علی عباس حسینی نے اس کو حقیقت نگاری کے خلاف قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"..... یہ پریم چند کی مثال پسندی (IDEALISM) ہے ...... (جس نے) انھیں عشق و محبت کو جنسی ترغیبات سے بالکل الگ کرنے پر مجبور کر دیا ہے ان کے یہاں جنسوں کا آپس میں رشتہ قایم ہونا بوالہوسی ہے" [51]

ان کے ناولوں کے تفصیلی جائزے کے بعد یہ بات قطعیت سے کہی جا سکتی ہے کہ انھیں جنسی نقطۂ نظر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ وہ غیر متوازن جنسی مسائل کو پیش کرتے ہیں۔

عام طور پر جاگیردارانہ نظام کے انحطاط کے ساتھ عورتوں میں اصلاح اور آزادی کا تصور پیدا ہوا۔ اور اس سلسلے میں مردوں نے بھی ان کی ہمنوائی کی۔ مغربی تعلیم اور انگریزوں کے اثرات سے پردے کے رواج کی سخت گیری میں جو کمی پیدا ہوئی اس نے اس آواز کو اور بھی تیز کر دیا۔ گاندھی جی خود اس کے ہم نوا تھے اور انھوں نے "عورت اور سماجی ناانصافی" میں اس سلسلے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ۔

"مرد اور عورتیں مرتبے میں برابر ہیں۔ وہ ایک ایسا لاثانی جوڑا ہیں جو ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم

---

۵۱ ناول کی تاریخ و تنقید علی عباس حسینی صـ ۳۶۵

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

ہیں۔ ہر ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔ اس لیے ایک کے وجود کے
بغیر دوسرے کے وجود پر غور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے یہ ضروری
ہے کہ اگر کسی کی حق تلفی ہو یا کسی کا معیار گرا دیا جائے تو وہ دونوں
کی برابر کی تباہی کا سبب ہوگا۔ [1]

پریم چند بھی گاندھی جی کے نظریات سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ اس لیے انھوں نے بھی اپنے ناولوں میں اپنے مثالی نظریے کے ساتھ عورتوں سے مساوات برتی۔ لیکن ممتاز حسین کا کہنا ہے کہ وہ عورتوں کو مردوں کے برابر درجہ نہیں دیتے۔ یہ صحیح ہے کہ پریم چند کے ناولوں میں عورتوں اور مردوں کی مساوات اس طرح کی نہیں ہے جیسی سیاسی جماعتوں مینی فسٹو میں ہوتی ہے۔ اسی لیے اوپر لکھا گیا ہے کہ وہ اس مساوات میں ان کا اصلاحی نظریہ شامل ہے۔ وہ عورت کے کردار میں ایثار و قربانی کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اسی لیے ان کا یہ خیال کہ عورت مرد کو سیوا ہی سے رام کر سکتی ہے۔ عام طور پر ہر جگہ نمایاں ہے۔ لیکن اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں نکلتا کہ وہ مساوات کے حامی نہیں تھے امر کانت اور سکھدا جیسے بہت سے کردار ان کے ناولوں میں نکل آئیں گے۔ جو مساوات کے ثبوت میں پیش کیے جا سکتے ہیں اس لیے یہ بات قابل قبول نظر نہیں آتی کہ جو شخص عورت کی معاشی آزادی کا مطالبہ کرے جو اس کو سیاسی سماجی اور زندگی کی دوسری جد و جہد میں مرد کے برابر لا کھڑا کرے جو عورت کو خود اپنی دنیا بنانے کی تلقین کرے اور ہندوستان کی نئی عورت کو وجود میں لانے کی حد درجہ کوشش کرے وہ مساوات کا قائل نہ ہو۔ وہ اس برابری کے پوری طرح خواہاں تھے اور چاہتے تھے کہ صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورت بھی مرد کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے ہنس راج رہبر نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے

---

[1] ومین اینڈ سوشل انجسٹس ایم کے گاندھی ص ۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

لکھاہے کہ:

"وہ نہیں چاہتے تھے کہ عورت مرد کی راہ میں رکاوٹ بنے اسی لیے وہ ایک نئی زندگی اور نئے نظام کی تمنا کرتے تھے جس میں میاں بیوی دونوں زندگی کی خوشیوں سے معمور ہوں"۵

پریم چند خانگی زندگی میں عورتوں کی برتری تسلیم کرتے ہیں۔ اور وہ سماجی زندگی میں بھی عورت کو مرد کے دوش بہ دوش حصہ دینے کے حق میں ہیں۔ ان کے بہت سے کردار ہیں جو مردوں کے برابر عملی دنیا میں کارفرما نظر آتے ہیں۔ مثلاً صوفیہ۔ سکینہ۔ منی۔ سکھدا۔ نینا۔ مالتی وغیرہ۔ پریم چند کے خدمت وایثار اور سیوہ کے تصور سے ان کی مساوات کی آواز میں فرق نہیں آتا وہ حقیقت میں ایک حریت پسند مساوات کے حامی، محب وطن اور ترقی پسند رجحانات رکھنے والے سچے ادیب تھے جس کے فن نے اچانک چھلانگ لگانے کے بجائے رفتہ رفتہ ماحول کے ساتھ ترقی کی تھی اور ہر قدم پر نئی باتوں کو اپنایا تھا۔ یہی ان کی سب سے بڑی عظمت ہے۔ سید سجاد ظہیر نے ان کی ترقی پسندی پر روشنی ڈالتے ہوئے بڑی انصاف پسندی اور غیر جانب داری سے لکھا ہے کہ۔

"پریم چند ایک محنتی محب وطن اور بے لاگ ادیب تھے جو اپنے فن کو بہتر بنانے اور اپنے تجربے اور علم میں اضافہ کرنے کی فکر میں ہمیشہ لگے رہتے تھے ہم نوجوانوں میں اکثر اپنے نظریاتی فلسفہ اور تعلیم کی بنا پر ترقی پسندی کے راستہ پر آکر کھڑے ہوگئے تھے پریم چند زندگی کی مشکل کشمکش اور فنی تخلیق کی کاوش یعنی عمل اور تجربہ کی بنا پر

---

۵ پریم چند —— ہنس راج رہبر صفحہ ۱۱۶

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

وہاں پہنچے تھے۔ اسی لیے ان کے افکار میں توازن، تاریخی تسلسل جامعیت اور بردباری زیادہ تھی۔ ان کی بات سچی معلوم ہوتی تھی۔ وہ سمجھ میں آجاتی تھی۔ اور دل پر اس کا اثر ہوتا تھا۔“ لے

ایسا نہیں ہے کہ پریم چند کے یہاں خامیاں نہیں ہیں۔ ان کے ابتدائی ناولوں کے بارے میں شروع میں ذکر آچکا ہے کہ وہ محض رسمی اور روائتی ہیں۔ کردار نگاری تو بعض جگہ بہت ہی زیادہ کمزور ہے لیکن جہاں تک انھوں نے مسائل سے بحث کی ہے اپنی مثال پسندی کے باوجود وہ ان کا کارنامہ ہے اور اگر اس میں کوئی عیب بھی ہے تو اس کی دوسری خوبیاں جو تعداد میں کہیں زیادہ ہیں، اس کی پردہ پوشی کر لیتی ہیں۔

لے روشنائی سید سجاد ظہیر صفحہ ۱۲۴

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

BIBLIOGRAPHY

A SHORT HISTORY OF WOMEN	JOHN LONGDON DOVIES
A TREATISE ON THE NOVEL	ROBERT LIDDELL
ASPECTS OF NOVEL	E. M. FORESTER
A HISTORY OF EGYPT	JAMES BROSTED
FEMINENECHARACTER	VOILE KELEIN
FUTURE OF WOMEN	A. M. LUDOVICI
IN DEFENCE OF WOMEN	H. L. MENCKEN
NOVEL AND THE PEOPLE	RALPH FOX
THE CRAFT OF FICTION	PERCY LUBBOCK
THE STATUS OF WOMEN IN ANCIENT INDIA	PROF; INDRA
THE STRUCTURE OF THE NOVEL	EDWIN MUIR
WOMEN OF INDIA	TARA ALI BEG
WOMEN EAST AND WEST	MAGNESS HURSCHFELD
WOMEN'S SHARE IN SOCIAL CULTURE	ANNIA GARHIMSPENCOER
WOMEN AND SOCIAL INJUS-TICE	M. K. GANDHI
WOMEN SOCIETY AND SEX	J. E. FARCH

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

کتابیات

پریم چند کے ناول

۱۔ روٹھی رانی
۲۔ جلوۂ ایثار
۳۔ بیوہ
۴۔ بازارِ حسن
۵۔ گوشۂ عافیت
۶۔ نرملا
۷۔ چوگانِ ہستی
۸۔ پردہ مجاز
۹۔ غبن
۱۰۔ میدانِ عمل
۱۱۔ گئودان
۱۲۔ منگل سوتر (نامکمل)

اُردو کتب

۱۔ اُردو ادب آزادی کے بعد — ڈاکٹر اعجاز حسین
۲ اُردو ادب کے جدید رجحانات پر ایک نظر — ڈاکٹر عبدالعلیم
۳ اُردو ناول کی تنقیدی تاریخ — ڈاکٹر احسن فاروقی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۴۔	ادب کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر سلام سندیلوی
۵۔	اردو ناول نگاری	سہیل بخاری
۶۔	اردو کا پہلا ناول خطِ تقدیر	ڈاکٹر محمود الٰہی
۷۔	بہترین ادب سنہ ۱۹۵۱ء	مرتبہ۔ سردار جعفری
۸۔	پریم چند	ہنس راج رہبر
۹۔	پریم چند کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر قمر رئیس
۱۰۔	ترقی پسند ادب	سردار جعفری
۱۱۔	تنقیدی اشارے	آل احمد سرور
۱۲۔	تنقید اور عملی تنقید	احتشام حسین
۱۳۔	ترقی پسند ادب	عزیز احمد
۱۴۔	تنقیدیں	ڈاکٹر خورشید الاسلام
۱۵۔	داستان سے افسانے تک	وقار عظیم
۱۶۔	ذوقِ ادب اور شعور	احتشام حسین
۱۷	ریاست	افلاطون ترجمہ: ڈاکٹر ذاکر حسین
۱۸۔	روشنائی	سید سجاد ظہیر
۱۹	سماج کا ارتقا	کلیم اللہ
۲۰۔	شوپنہار	مجنوں گورکھپوری
۲۱۔	عورت اور اسلامی تصوف	مالک رام
۲۲۔	فن افسانہ نگاری	وقار عظیم
۲۳۔	قلم کا مزدور	مدن گوپال
۲۴۔	گہوارۂ تمدن	نیاز فتحپوری
۲۵۔	مرزا رسوا حیات اور ناول نگاری	ڈاکٹر آدم شیخ
۲۶۔	ناول کیا ہے	ڈاکٹر احسن فاروقی۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۲۷۔	نئی قدریں	ممتاز حسین
۲۸۔	نیا ادب	پنڈت کشن پرشاد کول
۲۹۔	ناول کی تاریخ و تنقید	علی عباس حسینی
۳۰۔	نیا افسانہ	وقار عظیم
۳۱۔	نئے ادبی رجحانات	ڈاکٹر اعجاز حسین
۳۲۔	ویدک ہند	میڈم راگوزن۔ ترجمہ۔ مولوی حمید احمد
۳۳۔	ہندوستانی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسن

رسائل و خاص نمبر

۱۔	آج کل دہلی	مارچ سنہ ۱۹۵۶ء
۲۔	زمانہ کانپور	اکتوبر نومبر سنہ ۱۹۰۷ء
۳۔	زمانہ پریم چند نمبر	سنہ ۱۹۳۷ء
۴۔	علیگڑھ میگزین علیگڑھ	سنہ ۱۹۵۹ء
۵۔	نقوش ناولٹ نمبر لاہور	
۶۔	نقوش مکاتیب نمبر	
۷۔	نیا دور لکھنؤ	اپریل سنہ ۱۹۶۲ء
۸۔	ہمدرد صحت عورت نمبر	سنہ ۱۹۳۷ء

ہندی کتب

۱۔	اپنیاس سمراٹ پریم چند	رتن ناتھ شرما
۲۔	بھارتیہ سماج اور سنسکرتی	کیلاش ناتھ شرما
۳۔	پریم چند	ڈاکٹر ترلوکی نرائن
۴۔	پریم چند اور ان کا یگ	ڈاکٹر رام بلاس شرما

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

۵-	پریم چند گھر میں	شیورانی
٦-	پریم چند اپنیاس اور شلپ	ہرسروپ ماتھر
۷-	پریم چند ایک وویچن	ڈاکٹر اندر ناتھ مدان
۸-	پریم چند کی اپنیاس کلا	پروفیسر جناردن پرساد جھا
۹-	پریم چند اور گورکی	مرتبہ سچی رانی گرگ
۱۰-	پریم چند ایک اَدھین	راجیشور گرو
۱۱-	پریم چند پرتبھا	پروفیسر کملا دیوی گرگ
۱۲-	پریم چند قلم کا سپاہی	امرت رائے
۱۳-	ساہتیہ کا اُدیش	پریم چند
۱۴	شانتی کے یودھا پریم چند	امرت رائے
۱۵-	کچھ وچار	پریم چند
۱٦-	کلاکار پریم چند	ڈاکٹر رام رتن بھٹناگر
۱۷-	ہندی ساہتیہ کا آدھونک کال	جے پرشاد

Forwarded with Complements by
Department of Culture, Govt. of In...

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

Entered in Database

Signature with Date

Any Other
Checked
Tag etc
Library

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar

Digitized by Arya Samaj Foundation Chennai and eGangotri

● شمیم نکہت کا مقالہ "پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار" میری نگرانی اور رہنمائی میں لکھا گیا ہے۔ اُردو میں اب تک پریم چند پر بہت زیادہ کام نہیں ہوا ہے اس لئے امیدوار نے بڑی ذہانت کے ساتھ پریم چند پر لکھی ہوئی بیشتر ہندی اور انگریزی کتب سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے دلائل کو پیش کیا ہے جو اُردو میں تحقیقی کام کے لئے قابل مبارکباد ہے۔ گذ... صد... یا ہندوستانی عورت جن مسائل سے دوچار رہی ہے اس کے جائزے سے یہ مقالہ شروع ہوتا ہے۔ شمیم نکہت نے ہندوستانی روایتی نظریہ جس کا دعویدار مذہب تھا۔ اور جسے تہذیبی رسم ورواج نے تسلیم کر لیا تھا پیش کیا ہے اور ساتھ ہی مغربی اثرات کے تحت اصلاحات کی جو لہر آئی اس کا تاریخی جائزہ لیا ہے اور اسی پس منظر میں پریم چند کے ناولوں میں عورت کے تمام مسائل سے بحث کی ہے انہوں نے پریم چند کی فنکارانہ صلاحیت کو بھی پیش نظر رکھا ہے اور ان کے نظریے کو بھی جو کسی حد تک مثالی تھا۔ لیکن بلاشبہ جو ہندوستانی سماج اور اس کے مختلف پہلوؤں کی حقیقی تصویر کشی کرتا ہے۔ انہوں نے مختلف قسم کی عورتوں مثلاً طوائف، گری ہوئی عورتیں، سماجی کارکن، مصلح، بیوہ، عام عورتیں، ماں، بیوی اور بیٹی کے فرائض منصبی اور سوسائٹی میں ان کے مقام سے بحث کی ہے جس طرح کہ پریم چند نے انہیں دیکھا اور جیسا وہ انہیں چاہتے تھے۔ یہ مقالہ اس موضوع پر ایک اہم تنقیدی کام ہے۔ (انگریزی سے ترجمہ)

پروفیسر سید احتشام حسین

۷ر دسمبر ۱۹۶۲ء

● میں نے دلچسپی اور خوشی کے ساتھ شمیم نکہت کا مقالہ "پریم چند کے ناولوں میں نسوانی کردار" پڑھا۔ انہوں نے اپنے اس مقالے کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ مختلف ممالک میں عورت کی حیثیت، مردوں کی قانونی، معاشرتی اور سیاسی محکومیت سے آزادی اور مساویانہ درجہ حاصل کرنے کی جدوجہد سے متعلق ہے۔ دوسرے حصے میں تحقیقی اصولوں اور منطقی دلیلوں سے اس بات کو پیش کیا گیا ہے کہ پریم چند نے اپنے ناولوں میں عورت کی کس طرح تصویر پیش کی ہے اور کس حد تک وہ اپنے عہد اور زمانے کو پیش کرتی ہیں۔ مقالے کے مطالعہ سے ناولوں کا پورا پس منظر خواہ سماجی ہو یا سیاسی ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ موضوع سے ان کی بحث بڑی بااصول اور متوازن ہے۔ انہوں نے اس موضوع پر تمام ممکن الحصول مواد سے استفادہ کیا ہے۔ شمیم نکہت نے پریم چند کے ناولوں کے مطالعہ کے سلسلے میں یقیناً بعض نئی اور بیش قیمت چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔

(انگریزی سے ترجمہ)

سید نجیب اشرف ندوی

ڈائرکٹر انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی

۱۸ر جنوری ۱۹۶۳ء

CC-0. In Public Domain. Gurukul Kangri Collection, Haridwar